معاویہ

بن ابوسفیان



عمر ابو النصر

ترجمہ : شیخ محمد احمد پانی پتی

بُک لینڈ • لاہور

طابع و ناشر
نذر محمد آپل

پرنٹرز { آپل اینڈ کمپنی - دی مال، لاہور
ریڈنگ پرنٹنگ پریس - آردو بازار - لاہور

اہتمام
آغا امیر حسین

پبلشرز : بک لینڈ - دی مال، لاہور

○ بار دوم — ۱۱۰۰ - اکتوبر ۵۷ء

ترتیب

دیباچہ

حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی شخصیت تین متضاد حیثیتوں کی حامل ہے ۔ مسلمانوں کا ایک گروہ انہیں ہر بدتر سے بدتر خطاب اور ہر برے سے برے لقب سے ملقب کرتا ہے ۔ بالمقابل دوسرا فریق ان کی تعریف اور توصیف اور محامد و فضائل میں احادیث نبوی کا ڈھیر لگا دیتا ہے ۔ ایک تیسرا فریق بین بین ہے ۔ جو نہ ان کو بہت اچھا سمجھتا ہے اور نہ برا جانتا ہے ۔ اس فریق کا قول ہے کہ ” اگرچہ حضرت معاویہ سے بعض غلطیاں بھی ہوئیں (اور غلطیوں سے کون خالی ہے) مگر بہر حال وہ صحابی رسول تھے اور ہمارا منصب نہیں کہ ان کے متعلق زبان طعن دراز کریں “ ۔ یہ فیصلہ کرنا بہت ہی مشکل ہے کہ زیر نظر کتاب میں تینوں فریق میں سے کس کی نمائندگی کی گئی ہے ۔ اس لئے ہم اس کا تصفیہ قارئین کرام کی فہم اور ان کے ادراک پر چھوڑتے ہیں ۔ مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصنف کتاب عمر ابوالنصر نے بہت ہوشیاری کے ساتھ اختلافی مسائل سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں بجائے تاریخ کے ناول کا رنگ زیادہ نمایاں ہوگیا ہے ۔ فاضل مصنف نے کتاب کے کسی باب میں بھی اپنی مخصوص طرز عبارت کی دلکشی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ۔ اس لئے قارئین کو کتاب کا ہر صفحہ ہلکے پھلکے واقعات سے مملو نظر آئے گا ۔ اور یہ بات اس وقت تک

ممکن نہ تھی جب تک مختلف فیہ اور غیر دلچسپ واقعات کو کتاب میں سے خارج نہ کیا جاتا - یہی طریقہ آجکل اہل یورپ اپنی سوانح عمریوں اور اپنی تاریخوں میں استعمال کر رہے ہیں - عمر ابوالنصر اس باب میں انہی کا شاگرد ہے -

جو لوگ معاویہ کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور جو اصحاب معاویہ کو صفات حمیدہ اور عادات جمیلہ سے متصف مانتے ہیں - وہ دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ وہ مسلمانوں کا سب سے پہلا عظیم‌الشان بادشاہ تھا - اور یہ کہ اس نے بڑے جاہ و جلال اور رعب و داب کے ساتھ بادشاہت کی - اس لحاظ سے ضرورت تھی کہ دیگر الوالعزم فرمانرواؤں کی طرح معاویہ کی سوانح عمری بھی علیحدہ طور پر اردو میں پیش کی جاتی - اس سلسلہ میں اولیت کا فخر قدرت نے " بک لینڈ " کے نصیب میں لکھا تھا -

کتاب کو بہر نوع مکمل حالت میں پیش کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حضرت معاویہ کے ان تین معاونین کے حالات پر بھی مختصر طور سے تبصرہ کیا جاتا - جنہوں نے معاویہ کو تمام عالم اسلام کا بادشاہ بنانے میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی - اس لئے کتاب کے آخر میں ان تینوں کا سوانحی تذکرہ بہت اختصار کے ساتھ متعدد کتب تاریخ سے انتخاب و اقتباس کرنے کے بعد پیش کیا گیا ہے - جو امید ہے کہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا - اور اسے پڑھ کر ناظرین کو " معاویہ " کے سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی -

محمد اسماعیل پانی پتی

۱۸ فروری ۱۹۵۷ء

مقدمہ

اس سے قبل ہم عہدِ اسلامی کے اُس دور کے متعلق کتابیں تالیف کر چکے ہیں۔ جو تمام مورخین کے نزدیک بجا طور پر "اسلامی تاریخ کا عہدِ زریں" کہلانے کا مستحق ہے۔ اور جو عدل و انصاف، شوکت، عظمت اور ہیبت و جبروت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھا۔ الحمدللہ کہ ان کتابوں کو قبولیت عام کی عزت نصیب ہوئی اور قارئین نے ان کے اسلوب بیان، ان کی ترتیب، ان کی طرزِ تحریر اور طریقِ استدلال کو پسند کیا۔[1]

---

[1] یہاں عمر ابو النصر کا اشارہ اپنی ان پانچ تالیفات کی طرف ہے۔ جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے متعلق لکھی ہیں۔ (مترجم)

موجودہ کتاب کے ذریعے ہم تاریخ اسلام کے ایک اور دور کو پیش کر رہے ہیں۔ یہ دَور خلفاء بنوامیہ کا ہے۔ اس عہد کی سب سے بڑی خوبی اُمورِ سلطنت میں عربی عنصر کا غلبہ و اقتدار ہے جو اس خاندان کے تمام بادشاہوں کے زمانے میں بڑی عمدگی اور مضبوطی کے ساتھ قائم رہا۔ خلافت راشدہ اور خلافتِ بنوامیہ کے سوا دیگر اسلامی حکومتیں اور خاندان اس امتیاز سے یکسر خالی ہیں۔ کیونکہ بنوامیہ کے بعد جب بنوعباس کا دور شروع ہوا تو انہوں نے اپنی مخصوص مصلحتوں کی بنا پر عجمی عناصر کو عربی عناصر پر فوقیت اور ترجیح دینی شروع کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ عجمی عناصر اس قدر قوت پکڑ گئے کہ خلفاء ان کے ہاتھوں میں محض کٹھ پتلی بن کر رہ گئے بنوعباس کے بعد تو عربی عناصر کے دوبارہ نفوذ اور اقتدار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اُن تمام کتابوں میں جواب تک ہم نے لکھی ہیں، اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ہم صرف ان اعمال و افعال کو زیرِ بحث لائیں جو متعلقہ اشخاص کے ذریعہ انجام دئے گئے۔ خود اُن لوگوں کی ذات اور شخصیت پر ہم نے کبھی تنقید نہیں کی، کیونکہ ہمارا مقصد ان کتب کی تالیف سے عربی وحدت کی برتری اور اسلام کی سچی تصویر دکھانا ہے۔ انتشار کو فروغ

دینا اور نت نئے پیدا ہونے والے جھگڑوں اور تنازعوں کو غیر معمولی اہمیت دے کر ان کا پروپیگنڈا کرنا نہیں۔ ہماری تالیفات میں اگر ان امور کا ذکر آیا بھی ہے تو صرف اُن ہی جگہوں پر جہاں ان کا تذکرہ کئے بغیر چارہ نہیں تھا۔

ہم واشگاف الفاظ میں اس امر کا اظہار کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ تاریخی اور سوانحی کتب کے اس سلسلے سے ہمارا مقصد کسی خاص عقیدے کی حمایت کرنا، مسلمانوں کے درمیان مذہبی منافرت پھیلانا اور بلا وجہ کسی شخص کو کسی دوسرے شخص پر ترجیح دینا یا اس کے مرتبے کو گھٹانا ہرگز نہیں ہمارا مطمح نظر صحیح واقعات اور مستند روایات کی روشنی میں تاریخ اسلام کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کر کے اسلام کی خدمت کرنا، مسلمانوں کے دلوں میں محبت و اُلفت کے جذبات پیدا کرنا اور اُمتِ محمدیہ کو اُس وحدت کی دعوت دینا ہے جسے قائم کرنے کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے اور جسے برقرار رکھنے کے لئے اُمتِ محمدیہ کے دردمند اور مخلص انسان ابتدا سے کوشاں رہے۔

اگرچہ ہم رائے کی آزادی کو انسان کا پیدائشی حق سمجھتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں یہ آزادی صرف اُسی حد تک ہونی چاہیئے جس حد تک باہمی

رنجشوں کو دُور کرنے اور تالیفِ قلوب میں ممد و معاون ہو سکے۔ اگر کوئی شخص علمائے اسلام کے متعلق تنقید کرتا ہے تو بے شک اُسے اِس کا حق حاصل ہے۔ مگر ایسی تنقید، جس سے مسلمانوں کے مختلف گروہوں اور فرقوں میں نفرت و حقارت اور دشمنی و عداوت کے جذبات برانگیختہ ہوں اور باہمی نزاع کا دروازہ پوری شدت سے کھل جائے، کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دی جا سکتی۔ ہمیں ہر معاملے میں اسلام کے بلند مصالح کو سامنے رکھنا اور اپنے مقتدر اسلاف کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے اعتدال و احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ اُن واقعات کو جو ابتدائے اسلام میں پیش آئے، آج ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے۔ اب ہمیں انہیں نفرت و حقارت پیدا کرنے اور عوام کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کا ذریعہ نہیں بنانا چاہئے اور اُن گزرے ہوئے واقعات پر پردہ ڈال کر انہیں حوالہ بخدا کر دینا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ موجودہ حالات میں اِن واقعات کا تذکرہ مزید افتراق و انشقاق کا باعث بن جائے۔

دولتِ اسلامیہ کی تاریخ کے متعلق جو کتابیں ہم نے اب تک تالیف کی ہیں۔ ان میں ہم نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ ہمارا

قدم جادۂ حق سے ہٹنے نہ پائے۔ جو لوگ ہم سے یہ امید کرتے ہیں کہ ہم اس امر کو ملحوظ رکھے بغیر کہ بعض لوگوں نے اسلام کی بلندی و برتری اور عربی تہذیب و تمدن کے عروج و ارتقا کے لئے کس حد تک خدمات انجام دی ہیں، اپنی کتابیں ان اصحاب کی تعریف و توصیف کے لئے وقف کردیں انہیں ہماری کتابیں دیکھ کر مایوسی ہوگی کیونکہ یہاں کی توقعات اور منشا کے مطابق نہیں ہیں۔ ہمارا مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تاریخ بیان کرنا ہے۔ انفرادی اشخاص کی شخصیتوں کو نمایاں کرنا نہیں۔ مشاہیر اسلام کا تذکرہ کرتے وقت ہم نے یہ بات خاص طور پر مدنظر رکھی ہے کہ کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں وہی درجہ دیا جائے۔ جس کے وہ درحقیقت مستحق ہیں کسی کا درجہ بڑھانا یا کسی کا مرتبہ گھٹانا ہمارا منصب ہے اور نہ ہم نے یہ کام کیا ہے۔ ہم نے مستند روایات اور مسلمہ تاریخوں کے صفحات میں جیسا انہیں پایا، ذاتی تاثرات سے بالا ہو کر اور عام عقائد و خیالات کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں ویسا ہی دکھایا ہے۔ بے جا طرفداری یا ناروا نفرت سے ہم نے اپنے دامن کو پاک رکھنے کی کوشش کی ہے۔

ہمیں معلوم ہے کہ بعض اصحاب ہمارے اس موقف پر ناک بھوں

چڑھائیں گے۔ لیکن یہ نہ بھول لئے کہ یہ لوگ وہی ہیں جو دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف گروہوں اور فرقوں کے درمیان جنگ وجدل کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ باہمی افتراق پھیلانے میں خود بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ اِن لوگوں کو اس کی کوئی پروا نہیں کہ اِس تفرقہ بازی سے اسلام کو کس قدر زبردست اور عظیم الشان نقصان پہنچ رہا ہے ان کو اگر غرض ہے تو صرف اپنی مخصوص اغراض سے۔ محض چند پیسوں کی خاطر یا صرف جھوٹی اور وقتی شہرت کے لئے وہ اسلام کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں عقل دے تاکہ وہ سمجھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عداوت ونفرت پھیلانے کے لئے نہیں بلکہ باہم محبت والفت پیدا کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

یہ دین کو بازیچۂ اطفال بنانے ہی کا نتیجہ ہے کہ اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگوں کی وقعت روز بروز عوام کی نظروں سے گھٹتی جا رہی ہے۔ بعض سادہ لوح انسان ان کے جال میں بے شک پھنس جاتے ہیں۔ اور اِس طرح دین کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن قوم کے ہوش مند اور سمجھدار طبقہ میں مذہب کے ان نام نہاد

علم برداروں کے خلاف نفرت کے جزبات بڑھتے جارہے ہیں۔ اور لوگوں میں یہ احساس عام ہوتا جارہا ہے کہ دین پر علمار کی اجارہ داری نہیں نہ اسلام پاپائیت کا قائل ہے۔ خدا تعالےٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کے لیے بھیجا تھا۔ آپ جو پیغام لائے وہ بھی تمام دنیا کے لیئے تھا اور اسے معمولی درجہ کا آدمی بھی اپنی عقل سلیم کے مطابق سمجھ کر اس پرعمل پیرا ہو سکتا ہے۔ کوئی عالم، خواہ وہ کتنے ہی بڑے رتبے کا مالک کیوں نہ ہوں اور اس کا علم کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔ لوگوں اور خدا تعالےٰ کے درمیان واسطہ بن کر کھڑا نہیں ہو سکتا۔

آپ نے سلف صالحین کے حالات پڑھے ہوں گے۔ کیا آپ کو کبھی ان کے زہد و تقویٰ، علم و فضل اور امانت و دیانت کے متعلق شبہ ہوا ہے؟ یہ ایک واقعہ ہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں جو شخص اسلام سے محبت کرنے کا دعویدار ہوتا تھا۔ وہ لازمی طور پر متقی، پرہیزگار، صالح، صادق اور مخلص ہوتا تھا۔ دنیوی مال و زر کی طرف اُس کے ہاتھ نہیں بڑھتے تھے۔ اور عیش و عشرت یا عزت و شہرت اس کا مطمح نظر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اس کا تمام تر مقصود رب العالمین کی رضا کا حصول اور دین اسلام

کی مخلصانہ خدمت ہوتا تھا۔ اس کی تمام زندگی نیک اعمال بجالانے، اخلاق حسنہ اختیار کرنے، باہمی اتحاد کو فروغ دینے اور لوگوں کو نرمی وملائمت اور وعظ ونصیحت کے ذریعے خدا تعالٰی کے مقرر کردہ راستے پر چلنے کی تلقین کرنے میں صرف ہوتی تھی۔

لیکن آج حالات پہلے سے بالکل مختلف ہیں۔ علماء کے معتدبہ حصّہ نے تفرقہ اور اختلاف کو اپنا مقصد اور فرض قرار دے لیا ہے اور اس کام میں وہ اس قدر منہمک ہیں کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں اس طرح اسلام کلی طور پر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائے۔ ایسا کرتے ہوئے انہیں نہ خدا تعالٰے کا خوف ہوتا ہے اور نہ اُن کا ضمیر انہیں ملامت کرتا ہے غضب یہ ہے کہ فتنہ و فساد پھیلانے کے دوران میں وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں۔ لیکن انہیں قطعاً یہ خیال نہیں آتا کہ حضور علیہ الصلوٰة والسلام لوگوں میں تفرقہ پھیلانے کے لئے تشریف نہیں لائے تھے اور نہ قرآن مجید اختلافات کو ہوا دینے کے لئے نازل ہوا تھا۔

موجودہ حالات میں اِسلام کی حیثیت ایک گیند کی سی ہو گئی ہے جسے ہر شخص اپنی جانب پھینکنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ خدا ہی بہتر

جانتا ہے کہ اس کھیل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

کتابوں کے موجودہ سلسلے میں، جو دولتِ امویہ کی نشو ونما اور اس کے عہد میں اسلام کی ترقی کے متعلق ہے، ہم نے اس دور کے واقعات پر بحث و تمحیص کرتے ہوئے متذکرہ بالا امور کو مدنظر رکھا ہے۔ اسی لئے اس کتاب کی ترتیب و تبویب، واقعات کا اندازِ بیان اور ان کی تفصیل و تشریح متقدمین کی کتب سے بالکل مختلف ہے لیکن ان باتوں کے باوجود یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ہم نے صحیح تاریخی واقعات میں تصرف کرکے اور انہیں اپنے حسب منشا، توڑ مروڑ کر قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس امر کی انتہائی کوشش کی ہے کہ جو واقعات اس کتاب میں بیان کئے جائیں۔ وہ اپنی پوری صحت کے ساتھ درج ہوں، جن کے مطالعہ سے اس عہد کی حقیقی اور واقعی تصویر ہماری نظروں کے سامنے آجائے۔ اور ہم موجودہ زمانے کے لوگوں کے اس اشتیاق کو پورا کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ جو وہ اپنے اسلاف کے کارناموں اور اس دور کے تاریخی حالات معلوم کرنے کے لئے ظاہر کر رہے ہیں۔

ماضی میں مسلمان نوجوانوں اور اسلام کی قدیم تاریخ کے درمیان ایک

سنگِ گراں حائل تھا جشک اسلامی تاریخ سے بیزار ہو کر انہوں نے یورپین تاریخ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور مسلمان مدبروں، مفکروں، عالموں، سپہ سالاروں، دینی بزرگوں اور سیاسی رہنماؤں کے سوانح حیات مطالعہ کرنے کی بجائے مغربی مشاہیر کے حالات پڑھنے شروع کر دیئے اور اغیار کے مطالعہ میں اتنے منہمک ہوئے کہ اپنے اسلاف کے نام تک بھول گئے۔ ہمیں امید ہے کہ موجودہ سلسلہ ایسے نوجوانوں کے لئے خاص طور سے مفید ثابت ہوگا اور ان کتابوں کے ذریعے وہ اپنی اسلامی تاریخ سے بہت اچھی طرح واقف ہو سکیں گے :

بیروت عمر ابوالنصر

۱۰ ر صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ ر اپریل ۱۹۳۰ء

اسلام میں سیاسی قتل

ماہ جنوری سنہ ۶۶۱ء[1] کا واقعہ ہے کہ حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان صبح کی نماز پڑھانے کے لئے حسب معمول دمشق میں اپنے مکان سے نکلے۔ اس وقت سخت سردی پڑ رہی تھی اور ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی۔ حضرت معاویہؓ چادر میں ملبوس تھے اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے مسجد کی جانب جا رہے تھے۔ آپ کے محافظ آپ کے پیچھے پیچھے تھے لیکن ان کے اور آپ کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔

اُس زمانہ میں سلطنت میں بڑے اہم واقعات رونما ہو رہے تھے

---

[1] ہجری لحاظ سے یہ ماہ رمضان سنہ ۴۰ھ کا ذکر ہے۔ (مترجم)

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حکومت ختم کرنے کے لئے مختلف تدابیر بروئے کار لائی جا رہی تھیں اور حضرت معاویہؓ کا زیادہ تر وقت ان ہی افکار میں گزرتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی آپ انہی خیالات میں کھوئے ہوئے تھے۔ اپنے گرد و پیش اور راہ چلتے لوگوں کی طرف آپ کا مطلق دھیان نہ تھا۔ اسی لئے آپ کی توجہ اس شخص کی طرف مبذول نہ ہو سکی جو قصرِ شاہی سے بڑی خاموشی اور احتیاط کے ساتھ آپ کا پیچھا کر رہا تھا۔

جب حضرت معاویہؓ کا مسجد تک پہنچنے میں تھوڑا فاصلہ رہ گیا تو وہ شخص جلدی سے آگے بڑھا اور مسجد کی دہلیز پر بیٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ ایک تیز تلوار کے قبضہ پر تھا۔ جو اس نے اپنی چادر میں چھپائی ہوئی تھی۔

حضرت معاویہؓ اسی طرح سر جھکائے، سیدھے تلے قدم رکھتے، اپنے خیالات و افکار میں غلطاں و پیچاں مسجد کی جانب آ رہے تھے۔ جب آپ دروازہ پر پہنچے تو اجنبی یکایک کھڑا ہو گیا اور اپنی تلوار سے آپ پر وار کیا جو ران پر لگی۔ پہرہ دار اور دیگر اشخاص فوراً قاتل پر جھپٹ پڑے اور اس کی مشکیں کس لیں۔

حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ انہیں واپس محل پہنچا دیا جائے اور شاہی طبیب "ساعدی" کو بلایا جائے۔ طبیب فوراً پہنچا اور اس نے زخم کو دیکھنے کے بعد کہا:

"آپ کو زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا ہے۔ اب اس کے علاج کی دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ لوہا گرم کر کے اس سے زخم کی جگہ پر داغ لگائے جائیں۔

(۲) دوسری یہ کہ آپ کو ایک شربت بنا کر پلایا جائے۔ اس سے آپ کا زخم مندمل ہو جائے گا۔ لیکن اس کی تاثیر یہ ہو گی کہ آئندہ آپ کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اب آپ کا اختیار ہے کہ دونوں میں سے جو صورت چاہیں اختیار کر لیں۔"

حضرت معاویہؓ نے کچھ سوچتے ہوئے فرمایا:

"داغ کی تکلیف کو تو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ البتہ دوسری صورت مجھے منظور ہے۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک کے لئے یزید اور عبداللہ کافی ہیں۔"

چنانچہ طبیب نے آپ کو ایک شربت تیار کر کے پلایا۔ جس سے آپ

کا زخم تو بھر گیا۔ مگر پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جس شخص نے آپ پر تلوار کا وار کر کے آپ کو زخمی کیا تھا وہ ایک خارجی برک بن عبداللہ تھا۔ بعض روایات کے بموجب یہ حملہ باقاعدہ سازش کے ماتحت ہوا تھا جو تین خارجیوں نے مل کر حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓو بن العاص کو قتل کرنے کے بارے میں کی تھی۔ حضرت علیؓ کا قاتل تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن باقی دو کامیاب نہ ہو سکے۔

اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ مسجد میں ایک مقصورہ بنایا جائے جس میں داخل ہو کر وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں نیز رات کے وقت مسجد میں پہرہ کا انتظام کیا جائے اور جس وقت وہ نماز پڑھانے میں مشغول ہوں تو ان کے قریب پولیس کے محافظ موجود ہوں تاکہ دوبارہ کوئی شخص ان پر بے خبری کے عالم میں حملہ نہ کر سکے۔

حضرت معاویہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سلطنت اسلامیہ میں حفاظت کے ان غیر معمولی طریقوں کو رواج دیا۔

تیسرا شخص عمرو بن بکر (مصر جاکر) حضرت عمرؓو بن العاص کو قتل کرنے کے ارادہ سے اُسی رات مسجد میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ لیکن اتفاقاً بیماری کی وجہ سے آپ نماز پڑھانے کے لئے نہ آسکے اور اپنی بجائے خارجہ بن ابی حبیبہ کو، جو پولیس کے افسر اعلٰے تھے۔ نماز پڑھانے کے لئے بھیجدیا جب خارجہ مسجد میں پہنچے تو قاتل نے انہیں اندھیرے میں عمرو بن العاص سمجھتے ہوئے تلوار کا نشانہ بنایا اور قتل کر ڈالا۔ جب لوگ اُسے پکڑ کر حضرت عمرؓو بن العاص کے پاس لے گئے تو اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ کون ہیں؟"

لوگوں نے کہا: "عمرو بن العاص امیر مصر"

اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "میں نے کسے قتل کیا ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا: "پولیس کے افسر اعلیٰ خارجہ کو۔"

اس پر اُس نے حضرت عمرؓو بن العاص سے کہا "میں نے تو اپنی دانست میں آپ کو قتل کیا تھا۔"

حضرت عمرؓو بن العاص نے فرمایا:

"تم نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالٰے کا ارادہ

خارجہ کو قتل کروانے کا تھا۔[1]
یہ کہہ کر آپ نے اُسے قتل کروا دیا۔

حضرتؓ معاویہؓ کے حملہ آور کا وار اوچھا پڑا۔ حضرتؓ عمرو بن العاص کے حملہ آور نے آپ کی بجائے ایک اور شخص کو قتل کر دیا البتہ حضرتؓ علیؓ کا قاتل آپ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت سے خلفاء راشدین کا دور ختم ہو گیا اور پھر مذہبی رنگ جو تیس سال تک مملکت اسلامیہ پہ غالب رہا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔

ذیل میں ہم اُن سیاسی قتلوں پہ کچھ بحث کریں گے جن کی ابتداء مملکتِ اسلامیہ کے اوائل سے ہوئی۔

حضرتؓ عمر فاروقؓ کو اچانک شہید کر دیا گیا۔ آپ کی شہادت بعض ایرانیوں اور غیر ایرانیوں کی باہمی سازش کے نتیجہ میں واقع ہوئی، جن کی حکومتوں پہ عربوں نے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ حضرتؓ عثمان بن

---

[1] بعض روایات میں یہ قول حضرت عمروؓ بن العاص کی بجائے حملہ آور کی جانب منسوب کیا گیا ہے

عفّان بھی فتنہ پردازوں کے ایک سیاسی گروہ کی بھینٹ چڑھے آخر میں حضرت علیؓ اپنے سیاسی حریف یعنی خارجیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔[1]

اس طرح تیس سال سے بھی کم عرصہ میں چار میں سے تین خلفاء شہید ہو گئے۔ یہ امر اس شدید سیاسی اضطراب پر دلالت کرتا ہے جو دولت اسلامیہ کی قریباً ابتدا ہی سے وقوع پذیر ہونا شروع ہو گیا تھا۔

حملہ آوروں کی اپنے مقصد میں کامیابی کی بڑی وجہ اُس وقت کا جمہوری طرز حکومت اور خلفاء کی سادہ زندگی تھی۔ خلفاء راشدین ایران کے آل ساسان اور شاہان روم کی طرح اپنے لیے حفاظت کے سامان اختیار نہیں کرتے تھے۔ وہ بڑی بے تکلفی سے بازاروں میں گھومتے تھے اور آزادانہ طور پر لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے ساتھ کوئی پہرہ دار

---

[1] طبری کی ایک روایت میں ذکر ہے کہ ابن ملجم جب حضرت علیؓ کے قتل کے ارادہ سے کوفہ آیا تو اپنے ہم مسلک لوگوں ہی کے ہاں ٹھہرا لیکن اُس نے کسی شخص پر بھی اپنے ارادے اور عزم کا اظہار نہیں کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن ملجم کا فعل جماعتی فعل نہیں بلکہ شخصی تھا۔

اور حاجب نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حملہ آوروں کو انہیں شہید کرنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا سوائے حضرت عثمانؓ بن عفان کے کہ آپ کی شہادت پورے چالیس روز کے محاصرہ کے بعد وقوع میں آئی اور فتنہ پرداز باغیوں نے مکان کے پچھلی طرف سے داخل ہو کر آپ کو شہید کیا۔

سیاسی قتلوں کے ان واقعات میں ایک عجیب و غریب مشابہت پائی جاتی ہے۔ جس کی طرف آج سے پہلے غالباً کسی مؤرخ کا ذہن نہیں گیا اور وہ یہ ہے کہ یہ قاتلانہ حملے صبح کی نماز کے وقت ہوئے۔ ابو لؤلؤ نے حضرت فاروق اعظمؓ پر مسجد نبوی میں صبح کی نماز کے وقت ہی حملہ کیا اور ہر سہ خوارج نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاصؓ پر حملے کرنے کا وقت بھی یہی مقرر کیا۔ اغلباً اس کی وجہ خوارج کا یہ

لہ یہ امر کہ حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو قتل کرنے کے لئے تین خارجیوں نے اکٹھے بیٹھ کر سازش کی اور اس کام کے لئے ایک دن اور ایک وقت کا تعین کیا۔ ہمارے نزدیک درست نہیں۔ اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:۔

ابن اثیر اور طبری وغیرہ قدیم مورخین ذکر کرتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علیؓ

(بقیہ صفحہ ۲۷ پر)

خیال ہو گا کہ عموماً صبح کے وقت لوگ چوکس نہیں ہوتے۔ اس لیے انہیں

(بقیہ صفحہ ۲۶) بن ابی طالب کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے حضرت حسنؓ نے ابن ملجم کو طلب کیا۔ جب ابن ملجم آپ کے سامنے آیا تو اس نے آپ سے کہا۔

"میں نے حطیم کے نزدیک اللہ تعالےٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ میں علیؓ اور معاویہ کو قتل کر دوں گا۔ اور اگر اس کوشش میں ناکام رہا تو خود جان دیدوں گا اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ دیجئے تاکہ میں معاویہ کو قتل کر کے اپنے عہد کو پورا کر سکوں۔ اگر میں زندہ بچ کر آ گیا تو وعدہ کرتا ہوں کہ واپس آتے ہی اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

لیکن حضرت حسنؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: "خدا کی قسم! یہ اُس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک تو دوزخ کا منہ نہ دیکھ لے۔" یہ کہہ کر اُسے قتل کرا دیا۔

اس روایت سے (جس کی کئی مورخین نے تائید کی ہے) ثابت ہوتا ہے کہ ابن ملجم نے کسی اور شخص کے ساتھ مل کر قتل کی سازش نہیں کی تھی۔ بلکہ خود ہی حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو قتل کرنے کا عہد کیا تھا۔ کیونکہ اگر اسے معلوم تھا کہ حضرت معاویہؓ کو قتل کرنے کے لئے اس کا ایک اور ساتھی متعین ہے تو پھر

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

حملہ کرنے کا موقعہ بآسانی مل جائے گا۔ اس فعلِ بد میں انہوں نے ابولولو

(بقیہ صفحہ ۲۷) انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا عہد کرنا بالکل بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ یہ عہد اسی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ جب عہد کرنے والے کو علم ہو کہ کوئی اور شخص اس کام میں اس کا شریک نہیں ہے۔

ایک اور امر بھی قابلِ توجہ ہے۔ وہ یہ کہ اگر مذکورہ بالا تین خارجیوں کے درمیان حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو قتل کرنے کی سازش ہو چکی تھی تو ابنِ ملجم نے حضرت عمروؓ بن العاص کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ اور صرف حضرت معاویہؓ کے ذکر پر ہی کیوں اکتفا کی؟

ہمارے نزدیک حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی شہادت ایک انفرادی واقعہ ہے جس کا ان حملوں سے کوئی علاقہ نہیں جو حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص پر کیے گئے۔ یہ حملے حضرت علیؓ پر حملہ کرنے کی تاریخ سے پہلے کیے جا چکے تھے تاریخی شواہد بھی ہمارے اس نظریہ کی تائید کرتے ہیں چنانچہ بعض روایات میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ پر قاتلانہ حملہ معرکۂ صفین اور واقعۂ تحکیم کے درمیان ہوا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم نے اس مبینہ سازش کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اکثر مورخین نے اپنی تصنیفات میں اس کی تائید کی ہے۔

کے حملہ کو بھی پیش نظر رکھا ہو گا۔ اور اس کی کامیابی کو اپنے لئے نیک فال سمجھ کر صبح کی نماز کے وقت کا ہی تعین کیا ہو گا۔

قاتلانہ حملوں کے اوقات میں یہ یکسانیت کافی غور و خوض کی مستحق ہے۔ اور اس مسئلے پر کافی لمبی بحث کی جا سکتی ہے۔ مگر ہم کتاب کے طویل ہو جانے کے خوف سے اُسے چھوڑتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان

(سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۶۰ھ مطابق سنہ ۶۶۱ء تا سنہ ۶۸۰ء)

دولت امویہ کا قیام حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان کا رہین منت ہے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی حکومت تھی جو دنیا کے ایک بڑے حصہ پر بیاسی سال (سنہ ۴۱ھ تا سنہ ۱۳۲ھ) تک قائم رہی۔ اس میں حضرت معاویہؓ کا زمانۂ حکومت بیس سال ہے۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ معاویہ بن ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ امیہ زمانۂ جاہلیت میں بہت بڑے رتبہ کا مالک اور قریش کی سیادت میں اپنے چچا ہاشم بن عبدمناف کا برابر کا شریک اور حریف تھا۔ دونوں خاندانوں میں سیادت قریش کے حصول کے لئے زمانۂ

جاہلیت سے جو دشمنی چلی آرہی تھی۔ وہ اسلام لانے کے بعد بھی جوں کی توں قائم رہی اور اس نے دولت اسلامیہ پر گہرا اور دور رس اثر ڈالا۔

امیہ بڑا مالدار تاجر اور کثیر اہل وعیال والا شخص تھا۔ اس کے دس بیٹے تھے جو رتبے، عزت اور سیادت میں اہم حیثیت کے مالک تھے۔ ان بیٹوں میں حرب، سفیان، ابوسفیان بھی تھے۔ حرب بن امیہ جنگ فجار کے موقع پر قریش کا سپہ سالار تھا۔ اسی طرح ابوسفیان کو ان جنگوں میں جو مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں قریش کی سرداری کے مواقع حاصل رہے۔ قریش کے جس تجارتی قافلے کے نتیجہ میں بدر کا معرکہ پیش آیا اس کا سردار بھی ابوسفیان ہی تھا۔ جنگ بدر کے موقعہ پر کفار کا جو لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلا اس کا ایک سپہ سالار حضرت معاویہؓ کا سوتیلا دادا عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس تھا۔ گویا اس ایک جنگ کے موقعہ پر ان کے والد اور دادا دونوں کو قریش کی سرداری حاصل تھی۔ والد قافلہ کا سردار تھا اور دادا لشکر کا سپہ سالار۔ اسی لئے گمنام شخص کے بارے میں آج تک یہ ضرب المثل رائج ہے۔ لافی العیر ولا فی النفیر (نہ قافلہ میں ہے اور نہ لشکر میں)

حضرت معاویہؓ ابھی دو ہی سال کے تھے کہ مکہ میں اسلام کے

ور کا ظہور ہوا[1]۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ فتح مکہ کے موقعہ پر جب کہ آپ اپنی عمر کے تئیسویں سال میں تھے اپنے والد ابوسفیانؓ والدہ ہند اور بھائی یزید کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسلام لانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے ان کے والد کے مرتبے اور خاندانی بزرگی کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کو کاتبِ وحی کے عہدہ پر سرفراز فرمایا۔ ابوسفیان کے ذاتی مرتبے ہی کا لحاظ رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے وقت شہر میں یہ منادی کرا دی تھی۔ کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہوگا[2]۔ یہ ایسا عظیم الشان شرف ہے جو اہلِ مکہ میں سے اور کسی شخص کو حاصل نہیں ہوا۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف بنوامیہ

---

[1] حضرت معاویہؓ کی پیدائش ...ھ میں ہوئی (مترجم)

[2] حضور رحمۃ للعالمین کا پورا اعلان یہ تھا کہ جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہوگا۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا وہ امن میں ہوگا اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا وہ امن میں ہوگا۔ (مترجم)

کی جان بخشی ہی نہیں کی بلکہ انہیں دیگر مسلمانوں جتنے کہ اپنے خاندان بنو ہاشم کے مساوی حقوق مرحمت فرمائے۔ وجہ یہی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے خاندانی اعزاز میں کوئی کمی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ آپ کی یہ خواہش تھی۔ کہ زمانۂ اسلام میں بھی بنو امیہ کو وہی عزت و وجاہت حاصل رہے جو اسلام سے پہلے انہیں حاصل تھی۔

بنو امیہ کو بھی اپنے شرف و وجاہت کا پوری طرح احساس تھا۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ اور بنو امیہ کے سربراہ حضرت معاویہؓ کے درمیان جھگڑا شروع ہوا تو حضرت علیؓ کے مقابل حضرت معاویہؓ نے بھی اپنے لئے خلافت کے حصول کی کوششیں شروع کر دیں۔ حضرت معاویہؓ کو ایسا کرنے کی جرأت خصوصاً اس لئے زیادہ ہوئی کہ زمانۂ جاہلیت میں بنو امیہ کو جو سیادت اور بڑائی حاصل تھی۔ اسلام لانے کے بعد اس میں کوئی کمی نہیں آئی۔

بنو امیہ کا عموماً اور حضرت معاویہؓ کا خصوصاً خلفائے راشدین کے ساتھ جو تعلق رہا اس کا مختصر سا حال اس جگہ بیان کر دینا ضروری ہے تاکہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کا پس منظر سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آسکے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کو اُن چار لشکروں میں سے ایک کا امیر مقرر فرمایا تھا جو آپ نے رومیوں سے لڑنے کے لئے شام بھیجے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزیدؓ کو دمشق کی فتح کے بعد وہاں کا حاکم بنا دیا اور دمشق کا نواحی علاقہ بھی ان ہی کے ماتحت کر دیا۔ یزیدؓ کی وفات[1] کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ اُن کے بھائی حضرت معاویہؓ کو دمشق اور اس کے نواحی علاقہ کا امیر مقرر فرما دیا۔

جب خلافت کی باگ ڈور حضرت عثمانؓ بن عفان کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے حضرت معاویہؓ کو نہ صرف بدستور دمشق کا حاکم بنائے رکھا بلکہ شام کا صوبہ بھی آپ کی سپردگی میں دے دیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت معاویہؓ نے شام میں اپنے قدم خوب مضبوط کر لیئے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو حضرت معاویہؓ نے ان پر حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں کوتاہی اور قاتلین عثمانؓ کی حوصلہ افزائی کرنے کا الزام لگاتے ہوئے

---

[1] یزیدؓ بن ابوسفیان کا انتقال ۱۸ھ مطابق ۶۳۹ء میں ہوا (مترجم)

بیعت سے انکار کر دیا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کرکے شام کے مطلق العنان حاکم بن گئے۔ اہل شام نے حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے اور حضرت علیؓ کے خلاف جنگ کرنے کے مطالبہ پر آپ کی بیعت کر لی یہی وہ واقعات تھے جن کی بدولت مسلمانوں میں خانہ جنگی اور فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

اپنی ذکاوت و فطانت اور سیاسی تدبر کی بدولت حضرت معاویہؓ تو حالات کے دھارے کو اپنی طرف موڑنے اور اس سے پورا فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے لیکن اس کے مقابل حضرت علیؓ کی صفوں میں شدید انتشار پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کی کوششیں جو مملکت اسلامیہ کو متحد کرکے ایک جھنڈے تلے لانے کے متعلق وہ کر رہے تھے۔ بار آور نہ ہو سکیں[1]۔

---

[1] مشہور مستشرق ڈاکٹر نکلسن حضرت علیؓ کے عہد حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "حضرت علیؓ میں اس سیاسی شعور، شاہانہ ہوشیاری اور شاطرانہ حزم و احتیاط کا فقدان تھا جو ایک بیدار مغز حاکم اور باخبر مدبر میں ہونی ضروری ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵) نہایت بالغ نظر، بے نظیر مدبر، بہترین مشیر، بڑے عقلمند، وعدہ کو کامل طور پر ایفا کرنے والے اور دشمنوں سے انتہائی شرافت کا برتاؤ کرنے والے تھے۔ مگر ان سب فضائل کے باوجود ان میں سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی تھی۔ انہیں اپنی سلطنت کی سالمیت کی حفاظت کے لیے بھی ان حربوں کو استعمال کرنے میں تردد ہوتا تھا۔ جن حربوں کو ان کے حریف بے تکلف ان کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ اسی لئے اُن کے حریف اُن پر غالب آگئے۔ کیونکہ اُن حریفوں کا اصول تھا کہ جنگ میں ہر قسم کے داؤ پیچ استعمال کرنے مباح ہیں لیکن حضرت علیؓ نہ ان حربوں سے واقف تھے اور نہ ایسا کرنا جائز سمجھتے تھے۔"

(تاریخ الادب العربی از نکلسن صفحہ ۱۹۱)

تین متحارب گروہ

امیر المومنین حضرت علیؓ بن ابی طالب کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے مرت کی بیعت کی تھی اور قسم کھائی تھی۔ کہ وہ اُس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں گے۔ جب تک حضرت معاویہؓ پر فتح حاصل نہ کر لیں گے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ شام کی جانب کوچ کرنے کی تیاریوں میں مشغول ہی تھے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے[1]۔
آپ کی شہادت کے بعد اہل عراق نے آپ کے بیٹے حضرت

---

[1] حضرت علیؓ نے زخمی ہونے کے بعد ۲۱ رمضان ۴۰ھ کو وفات پائی۔ (مترجم)

حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ دریں اثنا حضرت حسنؓ کو خبر ملی کہ حضرت معاویہؓ شامیوں کا ایک جرار لشکر لے کر ان کے مقابلہ کے لئے دمشق سے چل پڑے ہیں۔ اس پر آپ نے بھی اپنے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ اور کوفہ سے مدائن کی جانب روانہ ہو گئے۔ قیس بن سعد بن عبادہ کو بارہ ہزار کے لشکر کے ہمراہ بطور مقدمۃ الجیش پہلے روانہ کر دیا تھا۔

راستہ میں حضرت حسنؓ کے لشکر میں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ قیس بن سعد قتل کر دئے گئے۔ یہ خبر سن کر فوجیوں میں ایک عام گھبراہٹ اور بے چینی پھیل گئی۔ اسی گڑبڑ میں بعض بد طینت لوگوں نے آپ کے خیمہ پر بھی حملہ کر دیا اور آپ کا سامان لوٹ کر لے گئے۔ حتےٰ کہ جس مصلیٰ پر آپ بیٹھے تھے اسے گھسیٹ لیا اور جو چادر آپ اوڑھے ہوئے تھے وہ بھی اتار لی۔ یہ دیکھ کر آپ نے سمجھ لیا کہ ایسے کمزور، بزدل اور مضطرب لشکر سے، جس میں باہمی اتحاد بھی مفقود ہے۔ یہ امید رکھنا کہ وہ حضرت معاویہؓ کے مضبوط اور متحد لشکر کا مقابلہ کر سکے گا، محض امر موہوم ہے

لے تاریخ اسلام مصنفہ ذاکر حسین کے صفحہ ۲۹ پر لکھا ہے کہ حضرت علیؓ اپنے بیٹے حضرت حسنؓ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے تھے۔ (مترجم)

اس لئے آپ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی اور اس شرط پر خلافت سے دست برداری قبول کر لی کہ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد خلافت کا سوال مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے کیا جائے گا اور جس شخص پر عامۃ المسلمین کا اتفاق ہوگا وہی خلافت کی مسند پر بیٹھنے کا مستحق ہوگا۔

حضرت حسنؓ کے صلح کرنے سے حضرت معاویہؓ کی دیرینہ خواہش پوری ہوگئی اور وہ تمام اسلامی قلمرو کے بادشاہ تسلیم کر لئے گئے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۴۱ھ کو حضرت معاویہؓ نے کوفہ میں داخل ہو کر لوگوں سے بیعت لی۔

صلح کے بعد حضرت حسنؓ نے قیس بن عبادہ کو، جو ہنوز بارہ ہزار فوج کے ہمراہ پیش قدمی کرتے ہوئے جا رہے تھے، یہ حکم بھیج دیا کہ وہ بھی حضرت معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لیں، جس پر انہوں نے اس شرط پر اطاعت قبول کر لی کہ "انہیں اور ان کے تمام لشکر کو امان دی جائے گی۔ اور اب تک جو خونریزی ہو چکی ہے اس پر اُن سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

صلح کی تکمیل کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ تشریف لے گئے اور وفات

کے وقت تک وہیں مقیم رہے[1]۔

اس زمانہ میں اُمّتِ مسلمہ تین بڑے بڑے گروہوں میں منقسم ہوگئی تھی

(۱) پہلا گروہ بنو امیہ کے حامیوں کا تھا جو شام اور بعض دیگر علاقوں میں موجود تھے۔ ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے اور قریش میں سے بنو امیہ اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں انہیں قریش کی سیادت حاصل رہی ہے۔

(۲) دوسرا گروہ حضرت علیؓ کے حامیوں کا تھا۔ یہ گروہ عراق میں مقیم تھا اور اس کا ایک قلیل حصّہ دوسرے علاقوں میں بھی موجود تھا۔ خلافت کے بارے میں اس کی رائے بنو امیہ سے بالکل مختلف تھی۔ اس گروہ کا دعوٰے تھا کہ حضرت علیؓ اور آپ کے بعد صرف آپ کی اولاد ہی خلافت کی جائز مستحق ہے۔

(۳) تیسرا گروہ خارجیوں کا تھا۔ ان کا مذہب مذکورہ بالا دونوں

---

[1] حضرت حسنؓ کی وفات ۲۸ صفر ۴۹ھ مطابق ۷ اپریل ۶۶۹ء کو ہوئی۔ (مترجم)

گروہوں سے بالکل علیحدہ اور پیش کردہ نظریہ موجودہ یورپی جمہوریت کے بہت زیادہ قریب تھا۔ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ خلافت ہر مسلمان کا حق ہے بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو۔ اس میں قریشی اور غیر قریشی کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہ لوگ اپنے عقیدے کی ترویج کے لئے اپنے محافظوں کا خون بہانے۔ اور ان سے جنگ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کا مطالعہ کرنے والا شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان متضاد خیالات رکھنے والے گروہوں کی باہمی چپقلش نے عوام کو گومگو کے عالم میں مبتلا کر دیا تھا ہر گروہ کا یہ دعوےٰ تھا کہ صرف وہی حق پر ہے اور دوسرا ناحق پر۔ اور اپنے دعوےٰ کے ثبوت میں تینوں گروہ مختلف دلائل بھی پیش کرتے تھے لیکن عام لوگوں کے ذہن یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ حق کس طرف ہے ؟ اور کس گروہ کے دلائل زیادہ وزنی ہیں ؟ ان اسباب نے فتنہ کو بڑھنے اور اسے تقویت پہنچانے میں بہت زیادہ مدد دی۔

اس موقع پر مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر

نکلسن لکھتا ہے :۔

"مسلمانوں نے بنو امیہ اور حضرت معاویہؓ کے غلبے کو قریش کے اس بت پرست عنصر کی فتح سے تعبیر کیا جس نے (اسلام لانے سے قبل) رسول اللہ کی سخت مخالفت کی اور آپ کے صحابہ سے دشمنی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی اور جو رسول اللہ کی وفات کے قریب تک آپ سے برسر پیکار رہا۔ ادھر مسلمانوں نے بھی نہایت پامردی و استقلال سے ان لوگوں کا مقابلہ جاری رکھا اور بالآخر فتح یاب ہوئے۔"

"اس عنصر کی شکست سے دین اسلام کو اپنے وہ سادہ اصول عرب میں رائج کرنے کا موقع مل گیا جن کی بدولت تمام باشندگانِ عرب بلا استثناء ایک صف میں کھڑے ہو گئے اور کسی بڑے سے بڑے شخص کو بھی کسی معمولی سے معمولی انسان پر فضیلت اور بڑائی جتانے کا غرور باقی نہ رہا اس صورت حال کے پیش نظر اس قبائلی سیاست کا خاتمہ ہو گیا جو غریبوں کو ذلیل سمجھتی، کمزوروں کو حقیر جانتی اور دوسروں کے

اموال کو ہتھیانا معمولی چیز خیال کرتی تھی۔ اس لئے ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بنو امیہ کے دوبارہ عروج کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ بنو امیہ کے برسر اقتدار آ جانے سے تمام پرانے کینے سنئے سرے سے زندہ ہو جائیں گے اور جاہلی روح کو دوبارہ پنپنے کا موقع مل جائے گا۔"

"بنو امیہ سے جمہور مسلمانوں کی نفرت کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ امویوں کا بہت بڑا عنصر ایسا تھا جو محض شخصی مصالح اور ذاتی فوائد کی خاطر اسلام میں داخل ہوا تھا اور اسلام سے اس کا حقیقی تعلق نہ تھا۔ مزید براں بنو امیہ کی سیاست نے خلافت کو کسروی بادشاہت میں تبدیل کر دیا تھا۔ چنانچہ   نے خود یہ بات تسلیم کرتے ہوئے کہا تھا۔ "میں مسلمانوں کا سب سے پہلا بادشاہ ہوں۔"

(تاریخ ادب العربی از نکلسن)

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نکلسن نے مندرجہ بالا بیان میں صرف شیعوں اور خارجیوں کے خیالات کی تصویر کھینچی ہے۔ اہل شام اور کثیر التعداد غیر شامی حضرت معاویہؓ کے متعلق یہ رائے ہرگز نہ رکھتے تھے اور اُن میں سے کسی ایک کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا جو نکلسن نے بیان کیا ہے۔

لاحکم الااللہ

خوارج کی ابتدا ہی جنگ وجدل سے ہوئی۔ ان کی فکری نہج اس قسم کی تھی کہ بغیر لڑائی کے انہیں چین نہ آتا تھا۔ چالیس سال تک وہ میدان ہائے کارزار میں اپنی تلواروں کے جوہر دکھاتے اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے لئے دردِ سر کا باعث بنے رہے۔

جنگِ صفین کے موقعہ پر جب حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج میں شکست کے آثار دیکھے تو ان کی طرف سے حضرت علیؓ کی فوج کے سامنے لڑائی بند کرنے اور باہمی جھگڑوں میں کتاب اللہ کو حَکَم بنانے کی پیش کش کی گئی۔ اس پیش کش نے حضرت علیؓ کے ساتھیوں کو دوراہے پر کھڑا کر دیا۔ آیا

وہ تحکیم قبول کرلیں؟ کیونکہ ان کے نزدیک اس لڑائی کا مقصد ہی اعلاء کلمۃ اللہ تھا اور اب حضرت معاویہؓ انہیں اللہ تعالٰے کا فیصلہ قبول کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ یا اسے رد کریں؟ کیونکہ حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج میں شکست کے آثار دیکھ کر تحکیم کو ایک جنگی چال کے طور پر پیش کیا تھا۔ کافی بحث و تکرار کے بعد بالآخر حضرت علیؓ کو تحکیم قبول کرنے پہ مجبوراً آمادہ ہونا پڑا۔

واقعہ یہ ہے کہ تحکیم قبول کرنا ایک شدید جنگی غلطی تھی جو حضرت علیؓ سے سرزد ہوئی۔ اس سے حضرت معاویہؓ کو تو اپنی منتشر جمعیت کے مجتمع کرنے اور اپنی صفوں کی دوبارہ تنظیم کرنے کا بڑا زریں موقع مل گیا لیکن یہی امر حضرت علیؓ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے، اُن کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دینے اور بالآخر اُن کی شہادت کا باعث بنا۔

حضرت علیؓ کی فوج نے پہلے تو حضرت علیؓ کو تحکیم قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن جب حضرت معاویہؓ سے باقاعدہ معاہدہ ہو گیا تو آپ کی فوج کے ایک حصہ نے، جس کے بیشتر افراد قبیلہ تمیم سے تعلق رکھتے تھے اس معاہدے کو تسلیم کرنے اور تحکیم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں

کا کہنا یہ تھا کہ "کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے اور کسی شخص کو حکم نہیں بنایا جاسکتا۔ خدا تعالیٰ کا حکم خلافت کے بارہ میں بالکل واضح ہے جس سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں لیکن تحکیم قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں متحارب گروہوں کو اپنے موقف کے صحیح ہونے میں شک ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں کیونکہ جو فریق حضرت علیؓ کے ساتھ ہو کر لڑ رہا ہے وہی حق پر ہے۔"

یہ نظریہ آہستہ آہستہ زور پکڑنے لگا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں اشخاص اس کے ہم نوا ہو گئے۔ ان لوگوں نے اپنا شعار "لا حکم الا اللہ" قرار دیا جس کے معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں۔ اس گروہ کو خوارج کا خطاب دیا گیا۔

حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اگرچہ آپ کے آخری عہد میں خوارج کا فتنہ بہت حد تک دب گیا تھا لیکن آپ کی شہادت کے بعد جب حضرت معاویہؓ سلطنت اسلامیہ کے مختار کل فرمانروا بنے تو اس فتنہ نے پھر سر اٹھایا اور خوارج حضرت معاویہؓ سے لڑنے کے لئے اپنی فوجیں مجتمع کرنے لگے۔ چنانچہ آپ کے اور ان

کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

اس جگہ ہم صرف اس گروہ کے مفروضات، نظریات اور اعتقادات سے بحث کریں گے۔ نیز یہ بتائیں گے کہ اس گروہ کے مشہور فرقے کون کون سے تھے:۔

خوارج نے اپنے عقائد کی ابتدا ان امور سے کی جو خلافت سے تعلق رکھتے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض حضرت عمر فاروق رض کی خلافت بالکل صحیح تھی۔ کیونکہ ان کا انتخاب درست طریقہ پر ہوا تھا۔ حضرت عثمان رض خلافت کے ابتدائی سالوں میں درست طریقہ پر چلے۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے اپنا طریقہ بدل دیا اور حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض کی سیرت پر چلنا چھوڑ دیا تو انہیں خلافت سے معزول کرنا ضروری ہو گیا۔ حضرت علی رض کی خلافت کو وہ صحیح مانتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ انہوں نے تحکیم قبول کر کے غلطی کی اور اس طرح کفر کا ارتکاب کیا۔ اصحاب جمل یعنی حضرت طلحہ رض، حضرت زبیر رض اور حضرت عائشہ رض کو بھی وہ اپنے اعتراضات کا نشانہ بناتے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رض اور حضرت عمرو بن العاص رض کو کافر قرار دیتے تھے۔

خلافت کے بارہ میں انہوں نے جو نظریہ قائم کیا تھا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کا حق عامۃ المسلمین کو ہے۔ جب عوام کسی شخص کو خلیفہ منتخب کرلیں تو اُسے یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنے لئے کوئی کم تر پوزیشن یا ثالثی قبول کرلے۔ خلیفہ کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ قریشی ہی ہو۔ غیر قریشی بھی خواہ غلام ہی کیوں نہ ہو خلیفہ ہو سکتا ہے۔ خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کے احکام کا پورا پورا پابند ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے معزول کر دینا واجب ہے۔

اسی نظریہ کے تحت انہوں نے اپنے میں سے ایک شخص عبداللہ بن واہب راسبی کو "امیرالمومنین" مقرر کرلیا جو قریشی نہیں تھا۔ شیعوں اور اہل سنت والجماعت نے اس نظریہ کی مخالفت کی۔ کیونکہ اوّل الذکر کے نزدیک خلافت کے مستحق صرف آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور مؤخر الذکر کے نزدیک خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری تھا۔ اسی نظریہ نے خوارج کو بنو امیہ اور بنو عباس کے خلاف بغاوت پر ابھارا۔ کیونکہ اُن کا اعتقاد تھا کہ یہ خلفاء ظالم اور غیر منصف ہیں اور خلافت کی

شرائط اُن پر منطبق نہیں ہوتیں۔

ابتدا میں خوارج کے اغراض و مقاصد خالصتہً سیاسی تھے لیکن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں انہوں نے اپنی سیاسی تعلیمات میں لاہوتی بحثوں کو بھی شامل کر لیا۔ ایسا کرنے میں سب سے پیش پیش "ازرقی" تھے ۔ جو نافع بن ازرق کے پیرو تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم نظریہ جو خوارج پیش کرتے تھے وہ یہ تھا کہ "ایمان لانے کے لئے صرف اعتقاد کافی نہیں بلکہ اوامر دینیہ مثلاً نماز، روزہ، سچائی اور عدل وغیرہ پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ بھی ایمان کا جزو ہیں۔" اُن کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرتا ہے لیکن فرائض دینیہ پر عمل نہیں کرتا اور کبائر گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے وہ کافر ہے۔

خوارج بھی باہم متفق و متحد نہیں تھے۔ چونکہ بدوی عادات و خصائل اُن میں پوری طرح رچے ہوئے تھے اور آزادیٔ رائے کے وہ شدت سے حامی تھے۔ اس لئے اُن میں آپس میں بھی سخت اختلاف موجود تھا۔ اگر وہ ایک متحد قوت ہوتے تو یقیناً دولتِ امویہ کے لئے سخت خطرہ کا باعث بن جاتے۔ ان کے مختلف فرقوں اور

گروہوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی تھی۔ تاہم وہ تمام کے تمام اصولی طور پر اُن نظریات پر متفق تھے جو ہم اس باب کے شروع میں بیان کر چکے ہیں۔ البتہ ان نظریات کی فروعات اور تفصیلات میں ان کا بے حد اختلاف تھا۔

ان کا سب سے بڑا فرقہ "ازرقیہ" تھا۔ جو ان کے سب سے بڑے فقیہہ نافع بن ازرق کا متبع تھا۔ یہ فرقہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتا تھا اور اُس کا اعتقاد تھا کہ دوسرے مسلمان کہلانے والوں کے سلام کا جواب دینا، اُن کا ذبیحہ کھانا، اُن سے شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کرنا اُن کی وراثت سے حصہ لینا یا اپنی وراثت سے اُنہیں حصہ دینا سب حرام ہیں۔ وہ بھی عرب کے دیگر کفار اور بت پرستوں کی طرح ہیں اور لڑائی میں ان کے سامنے بھی وہی دو شرائط پیش کرنی چاہئیں جو دیگر کفار کے سامنے پیش کی جاتی ہیں یعنی یا "اسلام لاؤ[1] یا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

ایک فرقہ "نجدی" تھا۔ جو نجدہ بن عامر کو امام مانتا تھا۔ اس گروہ

---

[1] اس "اسلام" کا مطلب خوارج کے نزدیک یہ تھا کہ وہ عقائد اختیار کرو جو ان کے ہیں (مترجم)

کی اہم اور مخصوص تعلیمات یہ تھیں کہ اجتہاد کے بعد اگر کوئی شخص غلطی کرتا ہے تو وہ معذور ہے۔ دین اسلام صرف اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی معرفت پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ اور جو امور دینیہ ہیں اگر انسان ان سے ناواقف ہے تو جب تک ان کے بارہ میں اس پر حجت قائم نہ ہو جائے وہ معذور ہے۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اپنے اجتہاد سے کسی حرام چیز کو حلال یا حلال چیز کو حرام سمجھتا ہے تو اُسے معذور سمجھنا چاہیئے۔ اُن کے نزدیک سب سے بڑے گناہ زنا اور شراب خوری تھے۔

خوارج کا ایک مشہور فرقہ "اباضیہ" تھا۔ جن کا سردار عبداللہ بن اباض تمیمی تھا۔ اس فرقہ کے کچھ متبعین اب تک بلادِ مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ازرقیوں کی طرح اپنے مخالفوں کے بارہ میں غلو نہ کرتے تھے۔ دوسرے مسلمانوں سے شادی بیاہ اور وراثت کا سلسلہ قائم کرنا جائز سمجھتے تھے۔ اور باہمی صلح و صفائی کی جانب زیادہ مائل تھے۔ وہ اس وقت تک جنگ شروع نہ کرتے تھے۔ جب تک فریقِ مخالف کو اپنے عقیدہ کی دعوت نہ دے لیتے تھے اور اپنے خیال میں اپنی طرف سے اس پر اتمام حجت نہ کر دیتے تھے۔ عبداللہ بن اباض

پہلی صدی ہجری کے اواخر میں گزرا ہے۔ اس کے پیروکاروں نے عام طور پر دولتِ اسلامیہ سے چھیڑ چھاڑ کرنی پسند نہیں کی۔

ایک اور فرقہ "صفریہ" تھا جو زیاد بن اصفر کا مطیع و فرمانبردار تھا۔ یہ لوگ قریباً ازرقیوں کے ہم مسلک و ہم عقیدہ تھے۔

خوارج کے یہ چار بڑے بڑے مشہور فرقے ہیں جن کا ذکر اکثر کتابوں میں آتا ہے۔

خوارج کے گروہ میں زیادہ تر عرب کے بدو شامل تھے۔ گو بعض غلام بھی خلافت کے بارہ میں ان کے جمہوری نظریہ کی وجہ سے ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ تاہم ان کی تعداد بہت کم تھی۔ کیونکہ بدو اپنے سوا دوسرے لوگوں اور خصوصاً غلاموں کو بہت ہی حقیر جانتے تھے۔ اور خوارج میں بدوی عنصر زیادہ تھا۔

"تاریخ کا مطالعہ کرنے سے خوارج کی بعض ایسی صفات منظرِ عام پر آتی ہیں۔ جن میں وہ دوسرے مسلمانوں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کا سب سے اہم وصف عبادتِ الٰہی میں حد درجہ انہماک ہے۔ شہرستانی

لکھتے ہیں کہ وہ "صوم و صلواۃ کے انتہائی پابند تھے۔" مبرّد لکھتے ہیں کہ "تمام خارجی ہر جھوٹ بولنے والے اور ظاہری معصیت کا ارتکاب کرنے والے سے اپنی نفرت و بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔"

اُس زمانہ میں ظاہری تقویٰ اور بدنی عبادت میں استغراق کی نوعیت مخصوص صفت بن گئی تھی۔ ذیل میں ہم ایک مشہور خارجی ابو حمزہ کی بیان کردہ عبارت درج کرتے ہیں۔ جو اس نے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھی تھی۔ یہ عبارت فصاحت و بلاغت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔ وہ لکھتا ہے :۔

ینظر اللّٰہ الیھم فی جوف اللیل منحنیۃ اصلابھم علی اجزاء القرآن۔ کلّما مرّ احدھم بآیۃ من ذکر الجنۃ بکیٰ شوقاً الیھا، واذا مرّ بآیۃ من ذکر النار شھق شھقۃ کأن زفیر جھنم بین اذنیہ، قد اکلت الارض رکبھم وایدیھم وانوفھم وجباھھم، واستقلوا ذالک فی جنب اللّٰہ حتّی اذا رأوا السھام قد فوقت، والرماح قد اشرعت والسیوف قد انتضیت، ورعدت الکتیبۃ بصواعق الموت وبرقت

استخفر البوعيد الكتيبة لوعيد الله، ومضى الشاب منهم قدما حتى اختلفت رجلا، على عنق فرسه، وتخضبت بالدماء محاسن وجهه، فاسرعت اليه سباع الارض وانحطت اليه طير السماء فكم من عين فى منقار طير، طالما بكى صاحبها فى جوف الليل من خوف الله وكم من كف زالت عن معصمها، طالما اعتمد عليها صاحبها فى جوف الليل بالسجود لله ٭

ترجمہ: "اللہ تعالےٰ رات کے اندھیرے میں انہیں دیکھتا ہے کہ ان کی کمریں قرآن مجید کی جانب جھکی ہوئی ہیں۔ تلاوت کرتے ہوئے جب وہ ان آیات پر پہنچتے ہیں جن میں جنت کا ذکر ہوتا ہے تو بہشت کے اشتیاق کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آجاتے ہیں۔ مگر جب اُن آیات کی تلاوت کرتے ہیں جن میں دوزخ کا ذکر ہوتا ہے تو اس طرح چیخیں مارتے ہیں۔ گویا جہنم کا نظارہ ان کے سامنے ہے۔ زمین نے ان کے گھٹنوں ہاتھوں، ناکوں اور پیشانیوں کو کھا لیا ہے۔ میدان جنگ میں بھی اُن کی عبادت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ نماز کے وقت وہ تیروں کی بوچھاڑ، تیروں کے وار

اور تلواروں کی کاٹ کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ جس وقت میدانِ جنگ میں موت کی سی کڑک اور گرج سنائی دیتی ہے۔ اُس وقت جنگ کی ہولناک شدت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خوف اُن کے دلوں پر مستولی ہوتا ہے جنگ میں اُن کی ٹانگیں گھوڑوں کی گردنوں پر بیٹھے ہوئے کٹ جاتی ہیں۔ اُن کے چہرے خون سے تر بتر ہو جاتے ہیں، نیچے سے زمین کے درندے اور اوپر سے آسمان کے پرندے اُن پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور کتنی ہی آنکھیں، جو کبھی راتوں کے اندھیروں میں خدا تعالیٰ کے خوف سے پُرنم ہوئی ہوں گی، پرندوں کا نوالہ بن جاتی ہیں۔ اور کتنی ہی ہتھیلیاں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وقت زمین پر رکھی گئی ہوں گی اپنے بازوؤں سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔"

اس قدر ظاہری تقویٰ اور خوفِ خدا کے باوجود خوارج اپنے عقیدہ میں اس قدر غلو کرنے والے تھے کہ وہ کبیرہ گناہ اور بعض اوقات صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کو بھی کافر سمجھتے تھے۔ وہ لوگ معمولی غلطی کو بھی بخشنے والے نہیں تھے۔ اپنے علاوہ دوسرے تمام مسلمان ان کی نظر میں کافر تھے اور کافروں جیسے سلوک کے مستحق۔ یہی نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے بڑھ کر سختی برتتے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے اکثر

عورتوں، دودھ پیتے بچوں اور بوڑھوں پر بھی رحم نہیں کرتے تھے۔ اپنے مخالفوں سے وہ صرف یہ کہلوانے پر اکتفا نہیں کرتے تھے کہ عثمانؓ نے بعض نئی باتیں اختیار کرنے اور حضرت علیؓ نے تحکیم قبول کرنے میں غلطی کی۔ بلکہ وہ اسے مجبور کرتے تھے کہ وہ ان دونوں اور ان کے مددگاروں کے کافر ہونے کا اقرار کرے۔ اس تشدد کی نہ قرآن مجید اجازت دیتا ہے اور نہ سنتِ نبوی اسے جائز سمجھتی ہے۔ سختی اور اپنے مخالفوں کا بے دریغ قتل، یہ تھے وہ عوامل جنہوں نے بالآخر ان کی تحریک کو سخت نقصان پہنچایا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے نابود ہو گئے۔

ان کی شجاعت و بہادری میں بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ ان کا دشمن ان کے مقابلہ میں خواہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہوتا اور اس کے پاس کتنے ہی اعلیٰ ہتھیار کیوں نہ ہوتے۔ لیکن یہ اس کی قوت، تعداد اور ہتھیاروں کو مطلق خاطر میں نہ لاتے تھے اور بڑی بہادری اور دلیری سے اس کے مقابلہ پر ڈٹ جاتے تھے۔ ان کی جرأت اور بہادری کی کئی مثالیں صفحۂ تاریخ پر ثبت ہیں۔ ابن زیاد نے اسلم بن زرعہ کو دو ہزار جوانوں کے ساتھ خوارج کے ایک گروہ سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ لیکن ابو بلال خارجی نے صرف

چالیس آدمیوں کے ساتھ اسے شکست دیدی۔ ان کی عورتیں بھی بہادری جرأت اور شجاعت میں اپنے مردوں سے کم نہ تھیں۔ بلکہ بعض اوقات تو وہ دلاوری اور بے جگری میں مردوں سے بھی بڑھ جاتی تھیں۔

دین میں سختی، عقیدہ اخلاص اور بے نظیر شجاعت، یہ وہ صفات تھیں جن کی بدولت خوارج نے ایک خاص ادب تشکیل کیا جو تاثیر، الفاظ کی بندش، اسلوب بیان اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز حیثیت کا حامل تھا۔ ابوحمزہ نے اپنے ساتھیوں کے جو اوصاف بیان کئے ہیں اور جنہیں ہم اسی باب میں درج کر چکے ہیں وہ خوارج کے پیدا کردہ ادب کے بحر بے پایاں کے صرف چند قطرے ہیں ؛

شیعہ

شیعیت کی ابتدا سب سے پہلے اہل بیت اور اُن کے بعض حامیوں سے ہوئی۔ ان لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد دوسرے لوگوں کی نسبت حضرت علیؓ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

ابتدا میں شیعیت کی دعوت کا طریق کار بہت سادہ تھا۔ وہ اِس طرح کہ اسلام میں خلافت کے متعلق کوئی نص صریح موجود نہیں تھی کہ کسے خلیفہ بنایا جائے بلکہ یہ امر مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر موقوف تھا۔ مختلف گروہ اپنی خدمات کی بنا پر جو انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لئے کی تھیں، خلافت پر اپنا حق بتلاتے تھے۔ انصار کہتے تھے خلافت اُن کا حق

ہے۔ مہاجرینؓ کا دعویٰ تھا کہ خلیفہ اُن میں سے ہونا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کے مددگار یہ کہتے تھے کہ خلافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی میراث ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی جائداد ہوتی تو اس کے وارث یقیناً آپ کے رشتہ دار اور قریبی عزیز ہوتے۔ اسی طرح چونکہ خلافت بھی ایک میراث ہے اس لئے وہ آپ کے رشتہ داروں ہی کو ملنی چاہیئے۔

نظریات میں اختلاف اس لئے اور بھی زیادہ ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اشارۃً بھی ذکر نہیں فرمایا تھا، کہ آپ کے بعد کسے خلیفہ بنایا جائے۔ البتہ مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دینے سے لوگوں نے بطور خود یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش ہے کہ آپ کے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ شیعوں کے نظریات میں بھی سختی پیدا ہونے لگی اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا :-

"امامت کا شمار اُن مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ کہ جسے امت چاہے وہی ان کی نگرانی کا کام اپنے ہاتھ میں لے

بلکہ یہ بھی منجملہ دوسرے امور کے دین کا ایک رکن ہے اور نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں امام کا تعین کر جائے۔ وہ اس کی طرف سے غفلت برت کر اسے امت کے سپرد نہیں کر سکتا۔ امام کبائر اور صغائر گناہوں سے پاک ہوتا ہے اور حضرت علیؓ ہی وہ امام ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد امت کا نگہبان مقرر فرمایا۔"

اپنے نظریہ کی تائید میں وہ چند احادیث بھی پیش کرتے ہیں جنہیں اہل سنت قبول نہیں کرتے۔ روایات کے اختلاف اور روایت کرنے والوں کے مختلف عقائد کی وجہ سے ہم اس مسئلہ پر بحث کرنا نہیں چاہتے۔ پھر مختلف فرقوں کے باہمی اختلاف و نظریات پر اظہار خیال کرنا اور ایک فریق کے عقیدے کو دوسرے گروہ کے عقیدے سے برتر یا فروتر قرار دینا اور کسی فریق کے ذاتی عقائد و خیالات پر تنقید و تبصرہ کرنا ہمارے منصب اور کتاب کے موضوع سے بھی بالکل علیحدہ چیز ہے۔

شیعوں کے اس اعتقاد سے وصیت کا نظریہ پیدا ہوا اور حضرت

علی رض کا لقب "وصی" قرار دیا گیا۔ ان منقول ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رض کی خلافت کے لئے وصیت فرمادی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رض انتخاب کے ذریعہ خلیفہ مقرر نہیں ہوئے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت اور نص صریحہ کے ذریعہ ہی آپ کا تقرر ہو چکا تھا۔

اس نظریہ نے اس قدر زور پکڑا کہ اب وہ شیعوں کے عقیدے کا ایک جزو بن چکا ہے

شیعہ بھی اصحاب ثلاثہ (حضرت صدیق اکبر رض۔ فاروق اعظم رض اور عثمان غنی رض) کو اسی طرح برا بھلا کہتے ہیں جس طرح خوارج کہتے تھے۔ بلکہ بعض تو برا بھلا کہنے میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کے سوا جنہوں نے حضرت علی رض کا ساتھ دیا باقی سب صحابہ کو (منجملہ حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عمر فاروق رض) نعوذ باللہ کافر سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔ اکثر لوگ میانہ رو ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ گو حضرت ابوبکر رض۔ حضرت عمر رض اور حضرت عثمان رض نے یہ جاننے کے باوجود کہ علی رض ان سے افضل اور خلافت کے ان سے

زیادہ حق دار ہیں ۔ خود خلافت قبول کر کے غلطی کی لیکن چونکہ حضرت علیؓ نے
ان کی حکومت تسلیم کر کے اُن کی بیعت کر لی، اُن کے پیچھے نمازیں پڑھیں
اور انہیں بُرا بھلا نہیں کہا۔ اس لئے ہم بھی اُن کے متعلق خاموشی اختیار کرنے
کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔

جہاں تک خلفائے بنو امیہ کا تعلق ہے خوارج اور شیعہ دونوں کا یہ اعتقاد
ہے کہ وہ غاصب اور ظالم تھے۔ لیکن جہاں خوارج اُن سے کھلم کھلا لڑائیاں
کرتے اور بدوی طبائع رکھنے کے باعث صاف بات کہنے کے عادی تھے
اور تقیہ نہیں کرتے تھے وہاں شیعہ جہاں موقع دیکھتے وہاں تو کھلم کھلا حکومت
کی مخالفت کرتے تھے لیکن جہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہوتا وہاں تقیہ[1] اختیار
کرتے اور خفیہ طور پر مخالفت جاری رکھتے تھے۔

---

[1] تقیہ کا مطلب چوری چھپے اپنا کام چلانا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی جان، مال یا عزت بچانے کی
خاطر ایسے عقیدہ کا اظہار کرے جسے دل سے وہ صحیح نہ سمجھتا ہو یا وہ کسی مذہب کا پیرو ہو لیکن
بعض مجبوریوں کی وجہ سے وہ اپنا مذہب یا عقیدہ ظاہر نہ کر سکے اور اس کی بجائے کوئی
دوسرا عقیدہ ظاہر کرے تو اسے تقیہ کہتے ہیں۔ خوارج تقیہ کے قائل نہ تھے۔ اور اسے
اعلائے کلمۃ الحق کیلئے اور اپنے بچاؤ کے واسطے استعمال کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

چونکہ اکثر شیعہ تقیہ اختیار کرنے کے عادی تھے اس لئے بنو امیہ کی نظروں میں وہ خوارج سے زیادہ خطرناک تھے۔ انہوں نے شیعہ اکابر کی نگرانی کرنے اور ان کے خفیہ ارادوں کا پتہ چلانے کے لئے اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ عوام میں سے جس شخص کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ شیعہ خیالات رکھتا ہے اسے قید کر لیا جاتا اور اس کا مال و اسباب چھین لیا جاتا۔ عبیداللہ بن زیاد قاتل حسینؓ کے زمانہ میں تو یہ سختی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ذرا ذرا سے شک پر اہل بیت اور ان کے حامیوں کو گرفتار کر لیا جاتا اور انہیں سخت اذیتیں پہنچائی جاتیں۔ حتیٰ کہ ہاتھ اور پیر کاٹنے سے بھی دریغ نہ کیا جاتا۔

ڈاکٹر ولسن شیعہ مذہب کے بارہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

> "شیعہ مذہب نے مجوسیت سے زیادہ یہودیت سے اثر قبول کیا۔ کیونکہ اس فرقہ کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی الاصل تھا۔"

ڈوزی کے خیال میں شیعیت کی بنا ایران میں پڑی۔ اپنے دعوے کی دلیل میں وہ یہ امر پیش کرتا ہے:۔

"عرب جمہوری نظام حکومت اور آزادی کے دلدادہ تھے لیکن ان کے بالمقابل ایرانی شہنشاہیت کے پرستار تھے۔ جو باپ کے بعد بیٹے اور بیٹے کے بعد پوتے کی طرف منتقل ہو جاتی تھی۔ اگر شہنشاہ کے اولاد نہ ہوتی تھی تو اسی کے خاندان میں سے کسی شہزادہ کو بادشاہ مقرر کیا جاتا تھا۔ مگر کسی شخص کے انتخاب کے ذریعہ بادشاہ مقرر ہونے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے فتوحات اسلامیہ کے بعد ایرانیوں نے کثرت سے اسلام میں داخل ہونا شروع کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں چھوڑی تھی۔ اِس لئے اپنے ذہنی افکار کی وجہ سے لازماً انہوں نے حضرت علیؓ کو جو آپ کے چچازاد بھائی نیز داماد تھے۔ خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھا اور حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور خلفائے بنو امیہ کو خلافت پر ان کے بزعم ناجائز قبضہ کرنے کی وجہ سے

غاصب جانا۔ ایرانی اس بات کے بھی عادی تھے کہ بادشاہ کو ظل اللہ اور اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت جانیں۔ اسی نظر سے انہوں نے حضرت علیؓ اور آپ کی اولاد کی خلافت کو بھی دیکھا اور اس نظریہ کا اظہار کیا کہ سب سے مقدم امام کی اطاعت ہے اور اس کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔"

اسی مسئلہ پر مؤلف کتاب "فجر اسلام" اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"شیعیت کی بنیاد ایرانیوں کے اسلام میں داخل ہونے سے قبل ہی پڑ چکی تھی۔ لیکن اس وقت تک وہ بہت سادہ حالت میں تھی۔ ابتدا میں ان لوگوں کا صرف یہ دعوےٰ تھا کہ حضرت علیؓ دوسرے لوگوں کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ اول تو ان کی ذاتی شخصیت ہی بہت بلند ہے۔ دوسرے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں۔ عرب قدیم زمانہ سے خاندان اور ریاست پر فخر کرنے کے عادی

تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے اہل خاندان میں
سے بھی بعض لوگوں نے یہی طریقہ اختیار کیا لیکن مرور زمانہ کے ساتھ
ساتھ شیعی افکار نے ترقی کرنی شروع کی۔ جب دیگر اجنبی عناصر
یعنی یہودی، نصرانی اور مجوسی اسلام میں داخل ہونے شروع
ہوئے تو شیعیت نے ان سے بھی اثر قبول کیا۔ ہر قوم نے
اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر شیعیت کو اپنے رنگ میں
رنگنا شروع کیا۔ یہود نے اسے اپنے رنگ میں رنگا اور عیسائیوں
نے اپنے رنگ میں۔ لیکن چونکہ سب سے بڑا غیر ملکی عنصر جو
اسلام میں داخل ہوا وہ ایرانی عنصر تھا۔ اس لئے شیعیت
پر سب سے گہرا اثر بھی ایرانیوں ہی نے ڈالا"۔

خوارج اور حضرت معاویہؓ

۴۱ھ میں حضرت حسنؓ سے صلح کر لینے کے بعد حضرت معاویہؓ تمام مملکت اسلامیہ کے بلا شرکت غیرے حاکم بن تو گئے مگر دو گروہوں سے انہیں بدستور خطرہ لاحق رہا۔ ایک خوارج کی طرف سے دوسرے شیعوں کی جانب سے خوارج کا خطرہ شیعوں سے بہت زیادہ تھا کیونکہ شیعہ تو حضرت حسنؓ کے صلح کر لینے کی وجہ سے بظاہر دب گئے تھے لیکن خوارج تلواریں سونت کر اور کھلم کھلا بغاوت کر کے آپ کے خلاف لڑائی پر آمادہ تھے۔

خوارج کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنا، انہیں حکومت وقت کی فرمانبرداری

کی اطاعت پر آمادہ کرنا اور دلائل و براہین کے ذریعہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں شریک ہونے کی ترغیب دینا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن تھا کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ "جو مسلمان ان کی رائے سے ذرا بھی اختلاف کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس کا خون بہانا اس کا مال لوٹ لینا جائز ہے۔" اس صورتِ حال کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ ان سے سختی سے پیش آئیں اور مسلح تصادم اور جنگ و جدل کی صورت میں انہیں کچل کر رکھ دیں۔

خوارج کی نظروں میں حضرت معاویہؓ، حضرت علیؓ سے زیادہ برے تھے کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ "حضرت معاویہؓ نے مسلمانوں کے اموال کو نہایت بے دردی سے خرچ کر کے، اپنے لئے عظیم الشان محل بنوا کر اپنی حفاظت کے لئے پہرہ لگا کر عوام سے ایک قسم کا قطع تعلق کر کے اور اس طرح قیصرانِ روم اور کیاسرۂ ایران جیسی شان و شوکت اختیار کر کے اُن امور کا مظاہرہ کیا ہے جن کی نظیر اسلام کے ابتدائی زمانہ میں قطعاً نہیں پائی جاتی۔ اِسی طرح خلافت کا اعزاز انہوں نے مسلمانوں کے اجماع اور اُن کی مرضی سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ ناواجب طریقے اختیار کر کے بزور

حاصل کیا ہے۔"

حضرت حسنؓ سے صلح ہو جانے کے بعد ۴۱ھ میں خوارج نے حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگی تیاری شروع کر دی۔ سب سے پہلے جو گروہ لڑائی کے لیے نکلا، اس کی سرکردگی فروہ بن نوفل اشجعی کر رہا تھا۔ یہ شخص حضرت علیؓ کو چھوڑ کر پانچ سو خوارج کے ہمراہ قریہ "شہر زور" چلا گیا تھا جو فارس کے علاقہ میں واقع ہے۔ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی تو فروہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "اب وقت آگیا ہے کہ ہم میدان میں نکلیں اس لیے معاویہ کے مقابلہ کے لیے چلو اور اس سے لڑو۔"

چنانچہ ان لوگوں نے کوفہ کی جانب کوچ کر دیا جہاں اس وقت حضرت معاویہؓ مقیم تھے۔ آپ نے ان کے مقابلہ کے لیے شامیوں کا ایک لشکر بھیجا لیکن خوارج نے اسے شکست دے دی۔ یہ دیکھ کر حضرت معاویہؓ نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ان سے کہا۔

"خوارج شہر کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر تم نے ان کا مقابلہ نہ کیا تو میں تمہیں امان نہیں دوں گا۔"

چنانچہ اہل کوفہ خوارج کے مقابلے کے لیے نکلے۔ خوارج نے انہیں

دیکھ کر کہا:۔

"تم کس مقصد کے لئے باہر نکلے ہو؟ کیا معاویہ ہمارے اور تمہارے مشترکہ دشمن نہیں ہیں؟ ہمیں آگے لڑنے دو۔ اگر ہم فتحیاب ہو گئے تو تم معاویہ جیسے خطرناک دشمن سے نجات حاصل کر لو گے۔ لیکن اگر معاویہ کامیاب ہو گئے تو تمہیں ہماری طرف سے بے فکری ہو جائے گی۔"

لیکن اہل کوفہ نے ان کی ایک نہ سنی اور انہیں شکست دے کر ہی دم لیا۔

خوارج کا ایک اور سرکردہ شخص حوثرۃ الاسدی تھا جو حضرت معاویہؓ سے جنگ کے لئے اپنے ساتھیوں کو تیار کر رہا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کے باپ کو اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے سمجھا بجھا کر لڑائی سے باز رکھے باپ نے بیٹے کو بہت سمجھایا لیکن اس نے حضرت معاویہؓ کی اطاعت کرنے اور لڑائی سے باز آنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب آخری حربہ کے طور پر باپ نے کہا:۔

"میں تیرے بیٹے کو تیرے سامنے لاتا ہوں۔ شاید

اسے دیکھ کر ہی مجھے اس پر رحم آ جائے۔"

لیکن حوثرہ پر اس بات کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور وہ کہنے لگا:

"خدا کی قسم! نیزے کی انی پر لڑنا مجھے اپنے بیٹے

کو پیار کرنے سے زیادہ پسند ہے۔"

باپ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔ آخر دونوں فوجوں میں لڑائی شروع ہوئی باپ نے بیٹے کو مبارزت کے لئے بلایا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ جنگ کے دوران میں اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے حوثرہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ خوارج کو بری طرح شکست ہوئی۔

پچھلے باب میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ اگر خوارج ایک متحدہ قوت ہوتے اور ان کے تمام گروہ ایک کمان کے ماتحت ہو کر لڑتے تو "یقیناً" وہ اپنے مخالفوں کو شدید نقصان پہنچاتے اور ان پر غلبہ حاصل کر لیتے کیونکہ بہادری دلیری، عزم و استقلال، مصائب پر صبر، فنونِ جنگ میں مہارت اور جنگی چالوں سے اچھی طرح باخبر ہونے میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا لیکن بدقسمتی سے ان میں اتفاق و اتحاد مفقود تھا۔ نہ وہ ایک جھنڈے تلے ہو کر لڑتے

تھے اور نہ اپنے سردار کے سوا کسی اور کی سیادت قبول کرتے تھے۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ اپنے حریفوں سے جنگ کرتے تھے۔ اور یہی امر اُن کی ناکامی اور بالآخر تباہی کا موجب ہوا۔

فروہ بن نوفل کی شکست اور حوثرہ کے قتل کے بعد حیان بن ظبیان سلمی کی سرکردگی میں ایک اور جماعت حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں آئی جسے جنگ نہروان میں اپنی دردناک شکست اور اپنے مقتولین کی یاد دلا دلا کر جوش دلایا گیا تھا۔

حیان ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے جنگ نہروان کے موقعہ پر حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا تھا۔ اس جنگ میں یہ بُری طرح زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کی جان بخشی کر دی۔ تندرست ہوتے پر یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چپکے سے نکل کر "رے" چلا آیا اور حضرت علیؓ کی شہادت تک وہیں مقیم رہا۔ جب حضرت معاویہؓ اور خوارج کی چپقلش کی خبریں اُس تک پہنچیں تو اس نے بھی اپنے ساتھیوں کو کوفہ چلنے اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ جنگ کرنے پر ابھارنا شروع کیا۔ وہ ان کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور پرجوش الفاظ میں اس طرح خطبہ دیتا:-

فانصرفوا بنا رحمكم اللّٰہ الی مصرِنا، فلنأت اخواننا فلندعهم الی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر والی جهاد الاحزاب فانه لاعذر لنا فی القعود، وولاتنا ظلمة و سنة الهدی متروکة، وثأرنا الذین قتلوا اخواننا فی المجالس آمنون۔

ترجمہ:۔ اے میرے ساتھیو! میرا ساتھ دو اور قریہ بقریہ پھر کر اپنے بھائیوں کو امر بالمعروف نہی عن المنکر اور معاویہ کے لشکر سے جہاد کرنے کی تلقین کرو۔ اگر ہم اس وقت چین سے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے تو خدا تعالےٰ کے سامنے ہمارا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہمارے حاکموں نے ظلم و تشدد پر کمر باندھ لی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ ہمارے ہزاروں بھائی ان ظالموں کے ہاتھوں بے گناہ مارے گئے ہیں۔ پس کیا ہمارے لئے ان قاتلوں سے اپنے آدمیوں کا انتقام لینا ضروری نہیں؟

اس قسم کے خطبوں کا بڑا اثر ہوا اور خوارج نے چپکے چپکے کوفہ میں داخل ہونا شروع کر دیا۔ جہاں کے حاکم اس وقت حضرت مغیرہؓ بن شعبہ

تھے۔ وہ بہت [illegible] اور ہوشیار آدمی تھے۔ خونریزی سے انہیں نفرت تھی اور ہر کام بڑی تدبیر اور سوچ بچار کے بعد کرتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے ابتدا میں ان خارجیوں سے تعرض نہ کیا جو کوفہ میں حیان کے گھر پر جمع ہو کر حکومت کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ ان خارجیوں نے مستورد بن علفۃ التیمی کو اپنا سردار مقرر کیا اور یہ طے پایا کہ یکم شعبان ۴۳ھ کو یک دم کوفہ پر حملہ کر کے لڑائی کا آغاز کر دیا جائے۔

اب تک حضرت مغیرہؓ بن شعبہ خاموش تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ خوارج کی طرف سے پہل ہو تا کہ ان کے مقابلے کے وقت یہ امر ان پر بطور حجت پیش کیا جا سکے۔ لیکن جب خفیہ پولیس کے ذریعہ انہیں یہ خبریں ملیں کہ خوارج حیان کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اور یکم شعبان کا دن انہوں نے اپنی جنگی سرگرمیاں شروع کرنے کے لئے مقرر کیا ہے، تو انہیں ڈر پیدا ہوا کہ اگر اس موقع پر بھی انہوں نے خاموشی، درگذر اور چشم پوشی سے کام لیا اور حضرت معاویہؓ تک یہ خبر پہنچ گئی تو وہ انہیں برطرف کر کے کسی اور شخص کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیں گے۔ اس خوف کے پیش نظر انہوں نے پولیس کے افسر اعلیٰ کو حکم دیا کہ وہ پولیس کی ایک جمعیت کے

ساتھ حیان کے مکان پر جائے اور جتنے لوگ وہاں ہوں انہیں گرفتار کرلائے۔ چنانچہ وہ گیا۔ اور بیس آدمیوں کو گرفتار کرلایا۔ جب دیگر خارج نے یہ بات سنی تو وہ ڈر گئے۔ مستورد کوفہ سے نکل کر حیرہ چلا گیا اور وہاں سے اپنے آدمیوں کے ذریعہ کوفہ کے خارج کو خفیہ پیغام بھیجا کہ وہ لڑائی کی تیاریاں برابر جاری رکھیں اور موقعہ ملنے پر کوفہ سے نکل کر اُس کے پاس پہنچ جائیں۔ چنانچہ خوارج نے ایسا ہی کیا اور اکا دکا شہر سے نکل کر مستورد کے پاس جانے لگے۔ جب حضرت مغیرہؓ کو ان کی ان کارروائیوں کا پتہ چلا تو انہوں نے تمام قبائل کے رؤسا کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا جس میں انہیں دھمکی دی کہ "اگر کوفہ کے کسی قبیلہ کے ایک شخص نے بھی خارجیوں کا ساتھ دیا تو اس کی پاداشں میں اس کے سردار کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور قبیلہ کو بالکل برباد کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ دوسرے قبائل کے لئے عبرت کا موجب ہو۔"

تمام رؤسا اس دھمکی میں آگئے اور انہوں نے اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر لوگوں کو خدا تعالےٰ اور اسلام کے واسطے دئے کہ وہ فتنہ سے باز رہیں اور جماعت سے علیحدہ نہ ہوں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوارج

کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور "ستورد" کے گرد تین سو آدمیوں سے زیادہ جمع نہ ہو سکے۔ وہ انہیں لے کر "صراة"[1] کی جانب چلا اور وہاں سے "بہر سیر" کا رُخ کیا۔ جب حضرت مغیرہؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی لوگوں کو لڑائی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ تین ہزار سے زیادہ آدمی لڑائی کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ آپ نے معقل بن قیس الریاحی کو اس فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ اس لشکر کا خوارج سے پہلے تو "مذار"[2] کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ اس کے بعد "دیلمایا" کے مقام پر لڑائی ہوئی۔ "دیلمایا" "بہر سیر" کے علاقے میں "ساباط" کے قریب دجلہ کے کنارے پر ایک بستی ہے۔

دوسری جنگ میں خوارج کا بالکل صفایا ہو گیا۔ اور ان کے معدودے چند آدمی ہی اپنی جانیں بچا کر بھاگ سکے۔

---

[1] "صراة" بغداد کے نواح میں مدائن کے قریب ایک بستی ہے۔

[2] "مذار" واسط اور بصرہ کے درمیان واقع ہے۔

زیاد بصرہ میں

خوارج کے ان حملوں سے حضرت معاویہؓ کو پوری طرح احساس ہو گیا تھا۔ اور یہ بات آپ پر کامل طور سے عیاں ہو گئی تھی کہ اگر اس گروہ کی طرف سے ذرا بھی غفلت برتی گئی تو یہ لوگ ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے، آپ کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے اور انہیں آپ کے مقابل کھڑا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔

اس خطرہ کا انسداد کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ کو ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی جو خوارج سے اچھی طرح عہدہ برا ہو سکیں۔ اس غرض کے لئے آپ کی نظر انتخاب زیاد بن ابیہ پر پڑی اور آپ نے اسے

بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ کیونکہ فساد کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور فتنہ کو ابتدا ہی میں کچل دینے کا کام اُس وقت زیاد سے بہتر اور کوئی شخص سرانجام نہ دے سکتا تھا۔

زیاد حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے حامیوں اور حضرت معاویہؓ کے مخالفوں میں سے تھا۔ وہ حضرت علیؓ کی جانب سے ولایت فارس کا عامل تھا اور آپ کی شہادت کے بعد بھی بدستور فارس پر قابض رہا۔ حضرت معاویہؓ نے اُسے اپنے ساتھ ملانے کے لئے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو اس کے پاس بھیجا۔ مغیرہؓ نے اسے سمجھا بجھا کر حضرت معاویہؓ کی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کر لیا۔ زیاد جیسے شدید مخالف کو رام کر کے اُسے حضرت معاویہؓ کی اطاعت قبول کر لینے پر آمادہ کر لینا حضرت مغیرہؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے جو آپ نے حضرت معاویہؓ کے لئے سرانجام دیا۔

زیاد بڑا اولوالعزم اور نہایت بہادر شخص تھا۔ اگر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اپنی مخصوص تدابیر کے ذریعے اُسے مطیع کرنے کا کام اپنے ذمہ نہ لیتے تو حضرت معاویہؓ کے لئے یہ مشکل تھا کہ سخت خونریزی کے بغیر وہ اسے مطیع کر سکتے یا اس پر فتح پا سکتے۔

بعض روایات کے بموجب زیاد ہجرت کے پہلے سال حارث بن کلاؓ ثقفی کی ایک لونڈی سمیہ کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس کے باپ کا نام معلوم نہیں۔ ابھی یہ شباب کو بھی نہ پہنچا تھا کہ اس میں وہ خصائل ظاہر ہونے لگے۔ جن کے لئے قبیلہ ثقیف مشہور تھا۔ ذکاوت، فطانت، دور اندیشی، ہوشیاری، سختی اور تندی، یہ وہ صفات تھیں جو زیاد میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ کا والی مقرر فرمایا تو زیاد کو آپ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ قلیل عرصہ ہی میں اس کے جوہر کھلنے لگے۔ اس کی ذکاوت و فطانت اور سیاسی قابلیت کو دیکھ کر حضرت عمرؓ بھی متعجب ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اپنے ایامِ خلافت میں آپ زیاد کی اس غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے اس پر بہت مہربان رہے اور اس سے مختلف سیاسی امور میں مدد لیتے رہے۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ کے بعد حضرت علیؓ نے بھی اپنے ایامِ خلافت میں فتنہ و فساد فرو کرنے کے لئے اس کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے بھی ہمیشہ آپ کی توقع کے عین مطابق کام کیا اور بڑی وفاداری کے

ساتھ آپ کی خدمت کرتا رہا۔ تاآنکہ آپ ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

حضرت علیؓ کے بعد حضرت معاویہؓ نے اس جوہر قابل کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ اس غرض کے لئے آپ نے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو اس کے پاس روانہ کیا اور ان کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ اگر وہ ان کی اطاعت قبول کرے گا تو اسے کامل طور پر امان دے دی جائے گی۔ اس وعدہ کا زیاد کے دل پر خاطر خواہ اثر ہوا اور فارس کا خراج لے کر ـــ جس کی مقدار لاکھوں دینار تک پہنچتی تھی ـــ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ اس کی شدت و سختی، دور اندیشی اور انتظامی قابلیت سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کی ان خداداد قابلیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے اسے مزید خوش کرنے کا ایک اور طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کے والد ابو سفیانؓ نے اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے زمانہ کفر میں جاہلیت کی طرز پر سمیہ سے تعلق پیدا کیا تھا جس کے نتیجہ میں زیاد پیدا ہوا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے بعض مسلمانوں سے یہ شہادت لے کر کہ ابو سفیان نے ان کے سامنے زیاد کو اپنا بیٹا قرار دیا تھا۔ اسے اپنے نسب کے ساتھ

شامل کر کے اپنا سوتیلا بھائی تسلیم کر لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اسے بصرہ، خراسان اور سجستان کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا اور بعد ازاں ہند، بحرین اور عمان کو بھی اس کی ولایت میں شامل کر دیا۔

اس زمانہ میں عراق کا علاقہ فتنوں کا مرکز بنا ہوا تھا اور خوارج نے جابجا بغاوت کر کے ملک کے خرمنِ امن کو چنگاری دکھا دی تھی۔ ان حالات میں اگر حضرت معاویہؓ کو کامیابی نصیب ہوئی اور ان کا غلبہ و اقتدار مضبوط ہو گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے والیوں کے انتخاب میں انتہائی ہوشیاری، عقل مندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ آپ کو خوش قسمتی سے تین ایسے والی میسر آ گئے تھے جو اپنے وقت کے بہترین حاکم اور سیاستدان تھے۔ انھوں نے اپنی حیرت انگیز قابلیتوں اور خداداد صلاحیتوں کے باعث حضرت معاویہؓ کی سلطنت کو حد درجہ استحکام بخشا اور آپ کے خلاف تمام بغاوتیں اور تمام فتنے ان والیوں کے تدبر کی بدولت ختم ہو گئے۔

ہم اس جگہ ان والیوں کے اخلاق و عادات اور ان کے اس سلوک

سے بحث نہیں کر رہے جو انہوں نے اپنی سیاست اور اپنے اغراض و مقاصد
کی خاطر باشندگانِ ملک سے روا رکھا بلکہ صرف اُن کی اس اعلیٰ انتظامی
قابلیت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ جس سے کام لے کر انہوں نے
ملک میں امن و امان قائم کیا اور فتنوں کو اس طرح دبا دیا کہ حضرت معاویہؓ
کی بقیہ زندگی میں انہیں سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔

عراق کے زمانہ ولایت میں زیاد کے عادات و خصائل کو پوری طرح
ابھرنے کا موقع ملا۔ پروانۂ ولایت ملنے کے ساتھ ہی اُس نے وہاں کے
باشندوں پر انتہائی سختی کرنی شروع کی اور اس وقت تک دم نہ لیا
جب تک عراق کا کونہ کونہ حضرت معاویہؓ کا مطیع و فرمانبردار نہ ہو گیا۔
باغیوں کے کس بل نکالنے اور مفسدین کی گوشمالی کرنے کے لئے اس
کے دماغ میں جو طریقہ بھی آیا اُسے اختیار کرنے میں اُس نے مطلق تامل
نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق میں بہت جلد امن کا دور دورہ ہو گیا۔
اور وہ حصۂ ملک جس میں ایک عرصہ سے بدنظمی اور ابتری پھیلی ہوئی تھی
پورے طور پر ایک نظام میں منسلک ہو گیا۔

جس وقت زیاد حضرت معاویہؓ سے پروانۂ ولایت لے کر بصرہ

پہنچا تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ شہر کی جامع مسجد میں ایک نہایت سخت خطبہ دیا جسے تاریخوں میں خطبۃ البتراء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ابتدا اس سے پہلے تمام دوسرے خطبوں کی طرح حمد و ثنا سے نہیں کی گئی تھی۔ یہ خطبہ سن کر باشندگانِ شہر کے دل دہل گئے اور وہ حیران و پریشان ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ وہ باتیں جو زیاد نے اپنے خطبہ میں بیان کی ہیں وقوع پذیر بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن واقعات نے ثابت کر دیا کہ زیاد نے انتہائی سنجیدگی سے یہ باتیں کہی تھیں خالی دھمکیاں نہیں دی تھیں۔

حضرت معاویہؓ کے مقرر کردہ ایک اور والی حضرت عمروؓ بن العاص تھے۔ ان کے سپرد مصر کی ولایت ہوئی اور وہ اپنی وفات[1] تک اس عہدہ پر برقرار رہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص معمولی شخص

---

[1] حضرت عمروؓ بن العاص تہتر برس کی عمر پا کر ۴۳ھ میں فوت ہوئے۔

نہ تھے۔ آپ کی ذکاوت اور عقلمندی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم تک متاثر تھے۔ اور حضورؐ نے اپنی حیات میں ان سے کئی اہم کام لئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر انہیں مصر روانہ فرمایا تھا۔ جہاں پہنچ کر آپ نے قلیل ترین لشکر کے باوجود تمام مصر فتح کر لیا۔

حضرت معاویہؓ کی سلطنت کے استحکام میں بھی حضرت عمروؓ بن العاص کا بڑا ہاتھ تھا۔ اگر معرکہ صفین میں آپ حضرت معاویہؓ کے ساتھ نہ ہوتے اور اپنے اہم سیاسی مشوروں سے انہیں نہ نوازتے تو شامی لشکر کی شکست اور حضرت معاویہ رضؓ کی تباہی میں کوئی شبہ نہ تھا۔

حضرت مغیرہ رضؓ بن شعبہ حاکم کوفہ بھی اپنی عقلمندی، فراست اور حیرت انگیز سیاسی تدابیر اختیار کرنے میں اپنی مثال آپ تھے تاہم سختی اور رعب و داب میں زیاد ان دونوں سے بڑھا ہوا تھا۔ حق یہ ہے کہ امویوں کے عہد میں زیاد جیسی اہم شخصیتیں بہت ہی کم ملیں گی۔

جس طرح حضرت معاویہؓ کو مغیرہ اور زیاد جیسے والی مل گئے
تھے اسی طرح عبدالملک بن مروان کو حجاج جیسا شخص ہاتھ آگیا تھا
یہ عجیب بات ہے کہ یہ تینوں اشخاص طائف کے رہنے والے تھے
اس امر کی موجودگی میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ شہر بلند پایہ شخصیتوں اور
مملکت اسلامیہ کا نظم و نسق چلانے والے حاکموں کا مولد ہے تو اس
میں قطعاً مبالغہ نہیں۔

خطبۂ زیاد

زیاد ربیع الاول ۴۵ھ / ۶۶۵ء میں بصرہ روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے جامع مسجد میں لوگوں کے اجتماع کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو منبر پر چڑھ کر مندرجہ ذیل خطبہ دیا:

"خدا تعالیٰ نے اپنے افضال و انعامات اور احسانات کی جو بارش نازل فرمائی ہے ہم پر اس کا شکر واجب ہے اور ہم اس کے مزید انعامات کے طالب ہیں۔ اے اللہ! جہاں تو نے ہمیں انعامات سے نوازا وہاں ہمیں یہ بھی توفیق بخش کہ ہم تیرے احسانات کا کما حقہٗ شکریہ ادا کر سکیں۔ اما بعد: یاد رکھو کہ سخت جہالت اور تاریک گمراہی نے تم سب لوگوں

کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اِس جہالت اور گمراہی سے نہ کوئی نادان
بچا ہے نہ دانا۔ نہ کسی چھوٹے نے اِس سے کنارہ کشی کی ہے نہ بڑے نے
بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں
پر توجہ دی ہے اور نہ کتاب اللہ کو کھول کر دیکھا ہے۔ نہ تمہیں یہ پتہ ہے
کہ خدا تعالیٰ نے مطیع و فرمانبردار لوگوں کے لیے جنت میں کن کن نعمتوں
کا وعدہ فرمایا ہے اور نہ تمہیں یہ علم ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں کے
لیے جہنم میں کس قدر شدید عذاب تیار ہے۔ دنیا نے تمہاری آنکھوں پر
پردہ ڈال دیا ہے۔ اور نفسانی خواہشات نے تمہارے دلوں پر مہر لگا دی
ہے تم حیاتِ اُخروی سے ۔۔۔ جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ۔۔۔ بالکل
غافل ہو گئے ہو اور دنیا کی عارضی زندگی کو ۔۔۔ جو بہت جلد ختم ہو جانے
والی ہے ۔۔۔ تم نے اختیار کر لیا ہے۔ تمہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ تم
اسلام میں بدعتوں کی ترویج و اشاعت کا باعث بن رہے ہو کمزوروں
پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں لیکن تم ان کی مدد کے لیے نہیں
اُٹھتے۔ ضعیف عورتوں کا مال دن دہاڑے لوٹ لیا جاتا ہے لیکن تمہاری
غیرت ذرا بھی جوش میں نہیں آتی۔ کیا تم میں سے ایک بھی ایسا مردِ میدان

نہیں جورات کے اندھیروں میں چوروں کو نقب زنی سے اور دن کے اجالوں
میں ڈاکوؤں کو غارت گری سے روکے ؟ اس کے برعکس تمہاری تمام ہمدردیاں
اسی قماش کے لوگوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور جب کبھی اُن پر کوئی مصیبت
پڑتی ہے تو تم ان کی مدد کے لئے بے تاب ہو جاتے ہو۔ نہ تمہیں اپنی عاقبت
کا خیال ہے اور نہ اپنی معاد کی فکر۔ عقل اور سمجھ تم سے کوسوں دور ہو چکی ہے
اور نالائقوں اور نااہلوں کی صحبت تمہیں عزیز ہے۔ تمہارا اٹھنا بیٹھنا اور
کھانا پینا ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے۔ جس کے نتیجہ میں تم نے اسلام کے
احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

یہ صورت حال دیکھ کر میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ جب تک اس کا سختی
کے ساتھ انسداد نہ کروں اور جاہلیت کے زمانہ کی استوار کی ہوئی عمارتوں
کو ڈھا کر اور انہیں آگ لگا کر زمین کے برابر نہ کردوں اُس وقت تک مجھ
پر خواب و خور حرام ہے۔

تجربہ سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جب تک بنیاد کو مضبوط
نہ کیا جائے اس وقت تک عمارت کو درست کرنا بالکل بے کار ہے۔ اس
لئے میں خدائے عزوجل کی قسم کھا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ تم نے اپنی اصلاح

نہ کی تو پھر میں غلام کی بجائے آقا کو، مسافر کی جگہ مقیم کو، نافرمان کی جگہ فرمانبردار کو اور بیمار کی جگہ تندرست کو پکڑ کر سزا دوں گا اور یہاں تک سختی برتوں گا کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو ملے گا تو وہ کہے گا: "اے سعد! اپنے بچاؤ کا سامان کر لو کیونکہ سعید ہلاک ہو گیا۔" میری ان باتوں کو خالی دھمکیاں نہ سمجھو۔ میں عملی طور پر یہ سب باتیں کر کے دکھا دوں گا۔ اگر میری یہ باتیں جھوٹ ثابت ہوئیں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ جس شخص کے گھر میں رات کو نقب زنی ہو گی، میں اس شخص کے مال کی ادائیگی کا ضامن ہوں۔ خبردار! تم میں سے رات کو کوئی شخص باہر نہ نکلے۔ جو شخص رات کے وقت باہر پھرتا پایا جائے گا وہ فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ میں ان احکامات کو جاری کرنے کے لئے تمہیں صرف اتنے عرصہ کی مہلت دیتا ہوں جتنے عرصہ میں ایک شخص یہاں سے کوفہ تک جائے اور پھر لوٹ آئے۔

جاہلیت کی باتیں کسی شخص کی زبان سے نکلنے نہ پائیں۔ جو شخص ایسی باتیں اپنے منہ سے نکالے گا اس کی زبان کاٹ دی جائے گی۔ تم نت نئے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہو اس لئے ہم نے بھی ان جرائم

کیلئے نئی نئی سزائیں تجویز کرلی ہیں۔ جو شخص کسی شخص کو ڈبوئے گا ہم بھی اسے غرق کردیں گے۔ جو شخص کسی کو جلائے گا۔ ہم بھی اسے جلا دیں گے۔ جو شخص کسی کے گھر میں نقب لگائے گا ہم اس کے دل کو چھید ڈالیں گے۔ جو شخص کسی کی قبر کھودے گا ہم اسے اسی قبر میں زندہ دفن کردیں گے تم اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو مجھ سے روک لو۔ میں اپنے ہاتھوں اور زبان کو تم سے روک لوں گا۔ اگر کسی جانب سے میری مخالفت ہوئی تو میں مخالفت کرنے والے کی گردن اڑا دوں گا۔ قبل ازیں میرے اور بعض لوگوں کے درمیان دشمنی تھی۔ لیکن اس دشمنی کو میں نے اپنے قدموں کے نیچے دفن کردیا ہے۔ تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ نیکی کرنے والے کو نیکی میں اور بڑھنا چاہیئے اور برائی کرنے والے کو برائی سے باز آجانا چاہیئے اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میری دشمنی کی وجہ سے کوئی شخص سل میں مبتلا ہو گیا ہے تو میں اس کی پردہ دری نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ اس کا تمام اندرونہ میرے سامنے بالکل عیاں ہو جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص دشمنی سے باز نہ آیا تو میں اس سے مناظرہ اور بحث ومباحثہ نہ کروں گا۔ بلکہ بلا تامل اسے قتل کر ڈالوں گا۔ اس لئے تم اپنے طور طریقے درست کرو اور نیکی اختیار کرکے

اپنے اوپر رحم کرو۔ کئی لوگ ہیں جو ہمارے آنے سے غمگین ہیں۔ لیکن وہ بالآخر خوش ہو جائیں گے۔ اور کئی لوگ ہیں جو ہمارے آنے سے خوش ہیں لیکن ایک دن انہیں غمگین ہونا پڑے گا۔

اے لوگو! ہمیں تمہارا سردار مقرر کیا گیا ہے اور تمہاری حفاظت کی گراں بار ذمہ داری ہمارے سر پر ڈال دی گئی ہے۔ ہم خدا تعالےٰ کے عطا کئے ہوئے غلبہ سے تم پر حکومت کریں گے اور خدا تعالےٰ کی مدد کے ذریعہ تمہاری حفاظت کریں گے۔ تم پر ہماری اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے اور ہم پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنی فرض ہے۔ پس تم خیر خواہی کے ذریعہ ہمارے عدل و انصاف کے مستحق بن جاؤ۔ اور اچھی طرح یاد رکھو کہ میں اور باتوں میں خواہ کوتاہی کروں مگر تین باتوں میں کبھی کوتاہی نہ کروں گا۔

اول۔ کسی فریادی کو اپنے پاس آنے سے نہ روکوں گا خواہ وہ رات ہی کو کیوں نہ آئے۔

دوم۔ کسی کی روزی پر ہاتھ نہ ڈالوں گا۔

سوم۔ تمہیں ڈرانے کے لئے فوج اکٹھی نہ کروں گا۔

تم اپنے حاکموں کے لئے خیر کی دعا مانگو۔ کیونکہ وہ تمہارے سزاوار ہیں جو تمہیں ادب سکھاتے ہیں۔ وہ تمہاری پناہ گاہ ہیں جن کے سایہ عاطفت میں تم مشکلات کے وقت پناہ لیتے ہو۔ اگر تم درست رہو گے تو وہ بھی درست رہیں گے۔ اگر تم ٹیڑھے ہو جاؤ گے تو وہ بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے۔ لہٰذا تم اپنے دلوں میں ان کے بغض و عناد کو جگہ نہ دو۔ تم ان سے بغض رکھو گے تو ان کے خلاف تمہارا غیظ و غضب شدت اختیار کر جائے گا۔ اور تمہارے غم و حزن میں زیادتی ہو جائے گی۔ تم ان سے اپنی حاجتیں پوری نہ کروا سکو گے۔ بالفرض اگر تمہاری درخواستیں قبول ہو بھی گئیں۔ تب بھی تم کوئی بھلائی حاصل نہ کر سکو گے۔ بلکہ الٹا نقصان ہی اٹھاؤ گے۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کی مدد فرمائے۔

جب میں کسی حکم کا نفاذ کروں تو اس کی تعمیل میں ذرا بھی توقف نہ ہونے پائے۔ میں کسی قسم کی چون و چرا برداشت نہ کروں گا۔ میں تمہیں بتلائے دیتا ہوں کہ تم میں سے کئی آدمی میرے ہاتھ سے پچھڑنے والے ہیں پس ہر شخص اپنے آپ کو میرے ہاتھ سے پچھڑنے سے بچائے۔"

اِس خطبہ سے ــــ جس کا شمار عربی کے فصیح ترین تاریخی خطبوں میں ہوتا ہے۔ زیاد کی شخصیت اہلِ بصرہ کے سامنے ایک خوفناک اور مہیب شکل میں ظاہر ہوئی۔ وہ ان سزاؤں کا، جو زیاد نے اپنے خطبہ میں ان کے لئے تجویز کی تھیں، تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، بعض لوگوں نے اسے خالی دھمکیوں پر محمول کیا۔ کیونکہ یہ بات ان کے ذہنوں میں کسی طرح بھی نہیں آسکتی تھی کہ مجرم کے بدلے بے گناہ، بد کی بجائے نیک اور مسافر کی جگہ مقیم پکڑ لیا جائے گا۔ چنانچہ اسی وقت ایک خارجی ابو بلال مرداس بن اذیہ کھڑا ہوا اور زیاد سے کہنے لگا:۔

"تم نے اس وقت جو باتیں کہی ہیں وہ کلام اللہ کے بالکل برخلاف ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، وان لیس للانسان الا ما سعیٰ (کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور انسان کو اتنا ہی ملے گا جتنی اس نے کوشش کی ہو گی) لیکن تم کہتے ہو کہ گناہ کا بوجھ بے گناہ کو اٹھانا پڑے گا۔"

زیاد نے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا:۔

"معلوم ہوتا ہے تم لوگ اس وقت تک باز نہ آؤ گے
جب تک اچھی طرح خونریزی نہ ہو لے گی۔"

یہ کہہ کر وہ منبر سے اتر آیا۔ اُس نے عبداللہ بن حصن کو شہر کا کوتوال مقرر کیا اور ان احکام کے نفاذ کے لئے لوگوں کو صرف اتنے عرصہ کی مہلت دی جتنے عرصہ میں کوئی شخص کوفہ جائے اور وہاں سے واپس آجائے۔

زیاد عشا کی نماز تاخیر سے پڑھتا اور نماز کے بعد ایک شخص کو حکم دیتا کہ وہ سورۃ بقرہ یا اسی کے برابر قرآن کریم کا کوئی اور حصہ پڑھے۔ جب قاری تلاوتِ قرآن پاک سے فارغ ہو جاتا تو اتنا توقف کرتا کہ ایک شخص مسجد سے بصرہ کے آخری حصہ تک پہنچ سکے۔ اس کے بعد وہ کوتوال کو شہر کا گشت لگانے کا حکم دیتا اور تاکید کر دیتا کہ وہ جس آدمی کو شہر کی گلیوں میں پھرتا دیکھے اُسے گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کرے تاکہ وہ قتل کر ڈالا جائے۔

ایک رات کوتوال کو ایک بدو ملا۔ اس نے اسے زیاد کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ زیاد نے اس سے پوچھا:۔

"کیا تو نے میرا حکم نہیں سنا؟"

بدو نے قسم کھا کر کہا۔ "مجھے امیر کے حکم کی مطلق خبر نہیں میں تو جنگل میں اپنی بکریوں کا ریوڑ چرا رہا تھا۔ جب رات ہو گئی تو بسیرا کرنے کے لئے شہر میں داخل ہو گیا۔ اور بکریوں کو لے کر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ مجھے پتہ نہیں کہ امیر نے کیا حکم دیا ہوا ہے۔"

زیاد نے کہا:

"مجھے تو سچا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تیرے قتل کرنے میں امت کا فائدہ ہے۔ تاکہ لوگوں کو عبرت ہو اور کوئی شخص رات کو باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

یہ کہہ کر اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

زیاد پہلا حاکم ہے جس نے اپنے دورِ حکومت میں اس قدر سختی سے کام لیا اور حضرت معاویہؓ کی حکومت کو مضبوط تر کر دیا۔ ذرا ذرا سے شبہ پر سخت ترین سزائیں دینا اس کے لئے معمولی بات تھی۔

ان سختیوں سے لوگوں پر شدید خوف و ہراس طاری ہو گیا لیکن اس کا ایک زبردست فائدہ یہ ہوا کہ تمام شہر میں امن و امان قائم ہو گیا

اگر کسی شخص کے ہاتھ سے سہواً کوئی چیز گر جاتی تھی تو کوئی شخص اسے اٹھانے کی جرأت نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا مالک آتا اور اسے اٹھا کر لے جاتا۔ لوگ رات کو بلا کھٹکے اپنے مکانوں کے دروازے کھلے رکھ کر سوتے تھے۔

شہر کے لوگوں کی معاش کے لئے بھی ایسی دوررس تدابیر اختیار کیں جس سے دولت کی ریل پیل اور رزق کی فراوانی ہو گئی۔ شہر کے چار ہزار لوگوں کو اس نے پولیس میں بھرتی کر لیا بعض لوگوں نے اس سے کہا کہ شہر کے اس قدر لوگوں کو پولیس کے محکمہ میں بھرتی کرنا خطرے سے خالی نہیں تو اس نے جواب دیا:۔

"میں اس وقت تک بیرونی لوگوں سے مدد نہ لوں گا جب تک مجھے یہاں سے لوگ میسر آتے رہیں گے۔ اگر یہ لوگ مجھ پر غلبہ حاصل کر لیں گے تو باہر کے لوگ ان سے زیادہ غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔"

بصرہ کے نظم ونسق کو درست کرنے کے بعد زیاد نے دوسرے علاقوں کی طرف توجہ کی اور بتدریج ان کی حالت کو بھی ٹھیک کر دیا۔

اس باب کو ختم کرتے ہوئے ہم زیاد کے خطبہ کے متعلق کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس نے اس میں ایک نئی پالیسی کا اعلان کیا تھا۔

زیاد نے اپنے خطبہ کی ابتدا اہلِ بصرہ کے ان اعمال کی مذمت سے کی تھی جن میں بالعموم وہ اس وقت مبتلا تھے یعنی احکامِ الٰہی کی نافرمانی، فسق و فجور کی کثرت، سلطنت کے نافذ کردہ احکام سے سرتابی، بغاوت ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کی عادت۔

اس کے بعد اس نے اعلان کیا کہ مسلمانوں کے امور اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک ابتدا سے ان کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ نرمی کے موقع پر نرمی اور سختی کے موقع پر سختی برتنی چاہیے۔

پھر اس نے کہا کہ اہلِ عراق نے نئے نئے جرائم ایجاد کر لئے ہیں اس لئے ان جرائم کے لئے سزائیں بھی نئی نئی دی جائیں گی۔ اگرچہ وہ ظلم مسلمانوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود اور سزاؤں سے ہی کیوں نہ تجاوز کر جائیں۔ جو شخص کسی کو غرق کرے گا۔ اُسے غرق کر دیا جائے گا۔ جو کسی کو جلائے گا اُسے جلا دیا جائے گا۔ جو کسی کے گھر میں نقب لگائے گا اس کے دل میں شگاف دیدیا جائے گا۔ جو کسی کی قبر

کھودے گا اُسے اُسی قبر میں زندہ دفن کر دیا جائے گا۔

اسی خطبہ میں اس نے رات کو باہر نکلنے والے کے لئے قتل اور جاہلیت کی صدائیں بلند کرنے والے کے لئے زبان کاٹ دینے کی سزاؤں کا اعلان کیا رات کو باہر نکلنے کی ممانعت اس لئے کی کہ چوری اور نقب زنی کی وارداتیں ہوں۔

پھر اس دشمنی عداوت اور مخالفت کا ذکر کیا۔ جو اس کے اور لوگوں کے درمیان تھی اور انہیں حکم دیا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں۔

پھر اُس نے سلطنت پر بنو امیہ کا حق ثابت کرتے ہوئے کہا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ بلا چون و چرا حضرت معاویہؓ کی اطاعت کریں اور ان کی طرف سے کسی کینہ کو دل میں جگہ نہ دیں۔ یہ ان کے لئے اس ظاہری اطاعت سے زیادہ سود مند ثابت ہوگا جو دل سے نہ کی جائے۔

یہ خطبہ اگرچہ دوسرے عام خطبوں جیسا نہیں تھا۔ مگر اس سے زیاد کی ذکاوت و فطانت، طاقت و بصیرت اور رعب و داب کا ضرور اندازہ ہوتا ہے۔

زیاد کی حکمتِ عملی اور اُس کا نظم و نسق

زیاد نے عراق میں ایک نہایت سخت گیر حاکم کے طور پر حکومت کرنی شروع کی۔ جہاں وہ خیال کرتا کہ وہ لوگوں سے نرمی اختیار کرنے پر فتنہ اور زیادہ بھڑکے گا اور رعایا کے ساتھ بہ شفقت پیش آنے سے وہ اور زیادہ نڈر اور بے خوف ہو جائے گی تو ایسے موقع پر نرمی اور شفقت اس کے پاس بھی نہ پھٹکتی تھی۔ اور اس کے احتساب کا ڈنڈا بڑی بے دردی سے لوگوں کے سروں پر گردش کرنے لگتا تھا۔ جس سے ادنیٰ و اعلیٰ کوئی بھی نہ بچ سکتا تھا۔

تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس کی سرشت میں نرمی، عفو اور

درگزر کی صفات حسنہ سراسر مفقود تھیں۔ ایسا نہیں بلکہ وہ پُر امن شہریوں سے بالعموم بڑی نرمی اور مہربانی کا سلوک کرتا تھا۔ اس کی سختی و درشتی صرف حکومت کے باغیوں اور مفسدہ پرداز لوگوں کے لئے تھی۔ چنانچہ جس وقت وہ حاکم مقرر ہو کر بصرہ میں آیا تو اس نے اعلان کرا دیا کہ اگر لوگوں نے اپنی عادات وخصائل کی اصلاح کر لی۔ اور بغاوت وسرکشی پر کمر نہ باندھی تو وہ ان تمام معاندانہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دے گا جو عراق کے لوگوں کی طرف سے حکومت اور خود اس کے خلاف ایام گذشتہ میں کی گئی تھیں اس نے کہا کہ وہ اپنی حکومت کی ابتدا ایک ایسے پُرسکون مگر شاندار دور سے کرنا چاہتا ہے جس میں ہمدردی کے ساتھ لوگوں کی تکالیف دور کی جا سکیں اور ان کی فریادوں کو بغور سنا جا سکے تاکہ سلطنت کو آئے دن کی بغاوتوں سے نجات مل جائے۔ ابو العباس مبرد مؤلف کتاب "الکامل" زیاد کی اس صفت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"زیاد کی ایک عجیب عادت یہ تھی کہ وہ علی الاعلان مخالفت کرنے والوں کو تو ضرور قتل کروا دیتا تھا۔ لیکن جو شخص درپردہ اور خفیہ طور پر مخالفت کرتا تھا اس سے حتی الامکان چشم پوشی برتتا تھا۔ اور کوشش کرتا تھا کہ

کسی طرح اس کی اصلاح ہو جاتے۔ اس کی تلوار صرف کھلم کھلا بغاوت کرنے والوں پر چلتی تھی۔"

ایک دن اس نے ایک ایسے آدمی کو بلا بھیجا۔ جس کے عقائد خارجیوں جیسے تھے۔ جب وہ شخص اس کے پاس پہنچا تو زیاد نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ زاں بعد حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کی تعریف کی۔ اس کے بعد کہا کہ "اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے ہمارے پاس آنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اور ہم سے بے تعلقی اختیار کر لی ہے۔ ہمیں اس بات کا بہت افسوس اور رنج ہے۔"

خارجی سمجھ گیا کہ زیاد مجھے سزا دینا چاہتا ہے۔ اس نے فوراً جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا۔ صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی تعریف کی لیکن حضرت عثمانؓ کا ذکر نہ کیا۔ پھر زیاد سے کہنے لگا۔

"آپ کو اپنے قول و قرار کا پابند رہنا چاہئے۔ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ جو شخص اعلانیہ ہمارے مقابلہ کے لئے کھڑا نہ ہوگا ہم اس سے باز پرس نہیں کریں گے۔"

زیاد نے اُسے کچھ نہ کہا بلکہ انعام اور خلعت دینے کا حکم دیا۔

ایک مرتبہ اُس نے چند لوگوں کو، جن کے متعلق اُسے معلوم تھا کہ وہ اس کے مخالف ہیں اور اس کی سیاست پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں بلایا اور کہنے لگا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میرے پاس اس لئے نہیں آتے کہ تمہارے پاس سواریوں کا کوئی انتظام نہیں۔"

انھوں نے جواب دیا:۔

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

زیاد نے ان کے لئے اعلیٰ درجہ کی سواریوں کا انتظام کر دیا اور کہا:۔

"اب تم میرے پاس آیا کرو اور رات میرے پاس گزارا کرو تاکہ ہماری راتیں شعروشاعری اور مختلف تفریحات میں دلچسپی کے ساتھ بسر ہوں۔"

زیاد دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اب ان لوگوں کے ارادے اس کے متعلق کیا ہیں۔ چونکہ بالمشافہ گفتگو سے کچھ معلوم نہ ہو سکتا تھا۔

اِس لئے اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُس نے یہ چال چلی کیونکہ انسان کا خاصہ ہے کہ پرائیویٹ محفلوں میں بلاارادہ اس کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔ جو اس کے اصلی مقصد کی غمازی کرتی ہیں۔ زیاد نے انہیں پرائیویٹ مجلسوں میں شمولیت کی دعوت اِسی لئے دی کہ اس ذریعہ سے وہ ان کے خفیہ ارادوں کا ہوشیاری سے پتہ چلا سکے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز زیاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :۔

"زیاد نے اہل عراق کے لئے اِس طرح مال جمع کیا جس طرح چیونٹی اپنا آزوقہ جمع کرتی ہے۔ اور ان کی اس طرح نگہداشت کی جس طرح ماں اپنے چھوٹے سے بچے کی حفاظت کرتی ہے۔ اہل شام کے ذریعہ اس نے اہل عراق کی اصلاح کی لیکن پھر اہل شام کو شام ہی میں چھوڑ دیا عراق میں نہ رکھا اور عراق کی آمدنی گیارہ کروڑ اسی لاکھ تک بڑھا دی۔"

زیاد جب کسی شخص کو کسی جگہ کا حاکم بناتا تو اس کی روانگی سے پہلے اُس سے کہتا :۔

"مجھ سے اقرار کرو کہ تم نے حکومت کی فرمانبرداری کرنے

کا جو عہد کیا ہے اس پر پوری طرح کار بند رہو گے۔ تمہارے سپرد اُمت کی امانت کی گئی ہے۔ اگر تم نے اس امانت کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیا تو تمہاری کمزوری کی وجہ سے تمہیں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور تمہارے سپرد کی ہوئی امانت تم سے واپس لے لی جائے گی۔ لیکن اگر کوتاہی سے بھی بڑھ کر تم اس امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے نہ صرف امانت ہی تم سے واپس نہیں لی جائے گی۔ بلکہ تمہیں قرار واقعی سزا بھی دی جائے گی۔ ہاں اگر تم نے اپنی امانت کا حق ادا کر دیا اور تمہاری طرف سے کسی قسم کی کوتاہی اور خیانت کا ارتکاب نہ ہوا تو ہم تمہارے عہدے میں ترقی تمہاری قدر و منزلت میں اضافہ اور تمہارے مال و دولت میں زیادتی کریں گے۔ نیز تمہاری حکومت کا دائرہ وسیع کر کے بہت زیادہ لوگوں کو تمہارا مطیع و فرمانبردار بنا دیں گے۔"

زیاد کہا کرتا تھا۔

"تین قسم کے آدمیوں کے ساتھ ہمیشہ بھلائی سے

پیش آنا چاہیے

معزز اور شریف آدمی سے

عالم سے اور

بوڑھے سے

اگر کسی بوڑھے شخص کو نوجوان سے، عالم کو جاہل سے

اور معزز شخص کو کسی کمینہ آدمی سے شکایت ہو گی، تو میں

مؤخرالذکر اشخاص کو ضرور سزا دوں گا۔"

ایک دفعہ اُس نے اپنے دربان سے پوچھا کہ "تم لوگوں کو کس ترتیب

سے میرے پاس آنے کی اجازت دیتے ہو؟"

اُس نے جواب دیا۔

"سب سے پہلے میں آپ کے خاندان کے افراد کو اجازت دیتا

ہوں۔ پھر شریف النسب اور ذی عزت افراد کو باریابی کا موقع دیتا

ہوں۔"

اس نے پھر پوچھا کہ کن لوگوں کو باریابی میں مؤخر رکھتے ہو؟ دربان

نے جواب دیا۔

"ان لوگوں کو جن کی اللہ تعالےٰ بھی پروا نہیں کرتا۔"

زیاد نے حیران ہو کر پوچھا "وہ کون لوگ ہیں؟"

دربان نے جواب دیا "اس زمرہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو گرمی کے ایام میں جاڑے کا لباس پہنتے ہیں اور جاڑے کے دنوں میں گرمی کے کپڑے استعمال کرتے ہیں۔"

زیاد نے کہا۔

"تم جو کچھ کرتے ہو بالکل درست کرتے ہو۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ چار قسم کے لوگوں کو کبھی محل میں آنے سے نہ روکنا۔

اولؔ وہ لوگ جن کا کام رات دن لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی تلقین کرنا اور دین کا علم سکھانا ہے۔ ان لوگوں کا مرتبہ بہت بلند ہوتا ہے اور تمہارا ان پر کوئی غلبہ یا دباؤ نہیں۔

دوسرےؔ وہ لوگ جو رات کو آئیں۔ کیونکہ رات کو جو شخص آئے گا وہ یقیناً کوئی اہم اور بُری خبر لے کر ہی آئے گا۔ معمولی اور خیر کی خبریں لے کر کوئی شخص رات کو نہیں آیا کرتا۔

تیسرےؔ سرحدی افسروں کے ایلچی۔ اگر ان کو میرے پاس پہنچنے

میں ایک گھڑی کی بھی تاخیر ہو جائے تو بعض اوقات سخت نقصان اور تکلیف کا خطرہ ہے۔

چوتھے وہ لوگ جو کھانا لے کر آئیں۔ کیونکہ کھانا اگر دیر سے پہنچے گا تو خراب ہو جائے گا"۔

عتبی کہتے ہیں کہ زیاد کا دستور العمل یہ تھا۔

"سختی کے موقعہ پر سختی اور نرمی کے موقعہ پر نرمی برتتا تھا۔ جہاں نرمی سے کام چل سکتا تھا وہاں سختی سے کام نہ لیتا تھا۔ لیکن جہاں نرمی سے کام نکلتا نہ دیکھتا وہاں سختی کرنے سے کبھی دریغ نہ کرتا تھا۔ نیکی اور احسان کرنے والے کو نیکی اور احسان کا بدلہ ضرور دیتا تھا۔ مگر برائی کرنے والے کو سزا دینے سے بھی کبھی نہ چوکتا تھا۔ ہر سال خاص خاص دنوں میں لوگوں کو عطیات و اموال سے نوازتا تھا۔ رات کو آنے والوں اور سرحدی افسروں یا ان کے ایلچیوں سے ملنے میں کبھی دیر نہ لگاتا تھا۔ یہ نہ صرف اس کا اپنا دستور العمل تھا بلکہ اس نے اپنے مقرر کردہ حکام کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی سختی سے ہدایات دے رکھی تھیں۔"

زیاد باتوں کی بجائے کام کرنے کا قائل تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ

یہی چیز اس کی نیک نامی کا باعث ہو گی۔ اس نے بصرہ میں رفاہِ عام کے بہت سے کام کئے، نئے نئے محلے آباد کئے مساجد بنوائیں۔ آبپاشی کے لئے نہریں کھدوائیں اور پانی ذخیرہ کرنے کے لئے تالاب تعمیر کروائے لیکن یہ بہت ہی عجیب بات ہے کہ اس نے رفاہِ عام کا جو بھی کام کیا وہ کسی اور کی طرف منسوب ہو گیا[1]۔

زیاد نے یہ حکمت عملی عراق میں آ کر اختیار نہ کی تھی۔ بلکہ اس سے قبل وہ فارس میں بھی اس کا تجربہ کر چکا تھا۔ جس وقت اسے فارس کا امیر بنا کر بھیجا گیا اس وقت وہ سارا علاقہ بغاوت کی آگ میں بری طرح جل رہا تھا۔ لیکن زیاد نے اپنی دانائی و ہوشیاری سے کام لے کر آتشِ بغاوت کو فرو کیا اور وہاں کے باشندوں کو حکومتِ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری پر مجبور کر دیا۔ اس نے اس غرض کے لئے فوج کا استعمال نہیں کیا اور وہاں کے باشندوں سے جنگ نہیں کی بلکہ محض اپنے تدبر اور فرزانگی کی بدولت بغاوتوں اور سازشوں کا قلع قمع کر کے امن و سکون کی فضا پیدا کر دی۔ اہلِ فارس کہا

---

[1] کتاب البلدان مؤلفہ ابن فقیہ

کرتے تھے کہ

"نرمی کے موقعہ پر نرمی اور سختی کے موقعہ پر سختی، امورِ سلطنت
کے انصرام میں حد درجہ انہماک اور صوبہ کے تمام سیاسی حالات
پر کڑی نظر رکھنے میں ہم نے اس عربی نوجوان سے زیادہ
اور کوئی شخص کسریٰ نوشیروان کا ہم مرتبہ اور ہم پلہ نہیں پایا"

جس وقت زیاد فارس میں آیا تو سب سے پہلے اس نے وہاں کے سیاسی حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اہلِ فارس کو اپنے ڈھب پر لانے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں کہ وہاں کے باشندوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر اُن کی متحدہ قوت کو توڑ دیا جائے۔ اس طرح اُن پر نہایت آسانی سے قابو پا لیا جائے گا۔ چنانچہ اُس نے وہاں کے تمام رؤسا اور سرداروں کو اپنے حضور میں طلب کیا جن سرداروں کے متعلق اُسے یقین ہو گیا کہ انہیں آسانی سے اپنے ڈھب پر لایا جا سکتا ہے اُن سے تو اُس نے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس کی مدد کریں گے تو وہ بھی ان کا لحاظ و خیال رکھے گا اور انہیں ان کے دشمنوں اور مخالفوں سے محفوظ رکھے گا۔ لیکن جن سرداروں کے متعلق اُسے معلوم ہوا کہ اُن کے

دلوں میں مخالفت اور بغاوت کے جراثیم بدستور پرورش پا رہے ہیں انہیں اس نے شدید دھمکیاں دیں اور نتائج و عواقب سے خبردار کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد اپنے سوچے ہوئے منصوبہ پر عمل کیا یعنی ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے خفیہ منصوبے اور راز بتا کر ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار کر دیا اور اس طرح انہیں کمزور کر کے ان کی طاقت کو زائل کر دیا تاکہ وہ آئندہ کے لئے سر اٹھانے اور بغاوت کرنے کے قابل نہ رہیں۔

جس وقت اُسے عراق بھیجا گیا اُس وقت عراق بھی آتش فشاں پہاڑ کی حیثیت اختیار کر چکا تھا لیکن یہاں بھی اس نے اپنی حکمت عملی کی بدولت تمام ناموافق حالات پر قابو پا لیا اور یہاں کے باشندوں کو کامل طور پر حکومت بنو امیہ کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا۔

زیاد ہی تھا جس نے سب سے پہلے لگان وغیرہ کی تحصیل کیلئے نمبرداروں کا تقرر کیا اور بندوبست اراضی اور لگان کو منضبط کرنے کے لئے دفتر قائم کئے۔ جب وہ باہر نکلتا تھا تو چوب دار اس کے آگے آگے چلتے تھے۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے مساجد میں مقصورے بھی تعمیر کرائے۔ وہ فوجوں کی تیاری اور فراہمی سے بھی غافل نہ تھا۔ کوفہ

میں ستر ہزار اور بصرہ میں اسّی ہزار فوج ہر وقت تیار رہتی تھی۔ وہ فوجیوں کو تنخواہیں دینے میں کبھی تاخیر نہ کرتا تھا۔ تنخواہیں تقسیم کرنے کا جو دن مقرر تھا اُسی روز لازماً تمام تنخواہیں ادا کر دی جاتی تھیں۔

زیاد کو معلوم ہوا کہ ایک شخص ابوالخیر بہت عقلمند، باخبر اور جنگجو ہے لیکن وہ خارجی عقائد رکھتا ہے۔ اُسے بلایا اور چار ہزار درہم مقرر کر کے نیشاپور کی ولایت اس کے سپرد کر دی۔ اس ترکیب سے ابوالخیر رام ہو گیا۔ بعد میں وہ کہا کرتا تھا کہ "امیر کی اطاعت کرنے اور جماعت میں رہنے سے بہتر اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

کافی عرصہ تک ابوالخیر ولایت کے عہدہ پر سرفراز رہا لیکن بالآخر اس میں اور زیاد میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ زیاد نے اُسے قید کر دیا۔ یہاں تک کہ قید ہی میں اُس کا انتقال ہو گیا۔

چہرہ بارعب، صورت پرہیبت، رخسار سرخ، آنکھیں شرمیلی، داڑھی سفید اور مخروطی، لباس معمولی اور سادہ — یہ تھا زیاد بن ابیہ۔

زیاد اور مغیرہؓ

زیاد نے بصرہ میں جس شدت اور سختی سے کام لیا اس سے وہاں امن وامان اور طمانیت کی فضا پیدا ہو گئی۔ خوارج پر گرفت خصوصیت سے زیادہ تھی۔ اس لئے ان کا فتنہ مکمل طور پر دب گیا اور ان میں زیاد کے رعب وداب کی وجہ سے سلطنت کے خلاف اُٹھنے کی جرأت باقی نہ رہی۔ کوفہ کا بھی یہی حال تھا۔ وہاں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے اپنی سیاست اور حکمت عملی کی بدولت بہت جلد امن قائم کر دیا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ کو عراق کی طرف سے کامل اطمینان ہو گیا اور انہوں نے اپنی توجہ سلطنت کی مضبوطی اور استحکام کی طرف مبذول کرنی شروع کی۔

زیاد کے برعکس حضرت مغیرہؓ بن شعبہ والی کوفہ کی سیاست نرمی اور بردباری پر مبنی تھی۔ وہ عافیت کوش انسان تھے۔ جب تک خوارج اور شیعہ کھلم کھلا مخالفت پر نہ اتر آتے وہ اُن سے تعرض نہ کرتے تھے اگر کوئی شخص حکومت پر نکتہ چینی بھی کرتا تھا تو خاموش رہتے تھے۔ اکثر اوقات لوگ اُن سے آکر شکایت کرتے کہ "فلاں شخص شیعی خیالات رکھتا ہے" اور "فلاں شخص خارجی خیالات کا ہے"۔ تو وہ اس کے جواب میں صرف یہ کہہ دیتے تھے کہ "خداتعالیٰ کی مرضی ہی یہ ہے کہ اس کے بندوں میں اختلاف باقی رہے۔ قیامت کے دن ہی وہ اُن کے باہمی اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔"

خوارج جب آپس میں ملتے تھے تو حکومت کے اہل کاروں کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ جنگ نہروان اور دیگر جنگوں میں ان کے جو لوگ قتل ہو گئے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے علاوہ حضرت معاویہؓ پر بھی طعن و تشنیع کرتے تھے۔ لیکن حضرت مغیرہؓ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتے تھے اور ایسے لوگوں سے مطلق تعرض نہ کرتے تھے۔ البتہ جب خوارج اپنی سازشوں اور سب و شتم میں حد سے بڑھ گئے اور جیسا کہ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ انہوں نے مسلح بغاوت کے ذریعہ حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ تب حضرت مغیرہ کو بھی ان کے خلاف تلوار اٹھانی پڑی۔ انہوں نے کوتوال شہر کو بھیج کر سازش کے بانیوں کو گرفتار کر لیا اور مسلح لوگوں کے مقابلہ میں لشکر روانہ کیا جس نے جا کر انہیں شکست دی اور فتنہ کے سرغنے مارے گئے۔ اس طرح کوفہ میں امن قائم ہو گیا اور نظم و نسق کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں۔

حضرت مغیرہؓ سات سال اور ایک ماہ تک حضرت معاویہؓ کے ماتحت کام کرتے رہے۔ اس تمام عرصہ میں اُن کی کوشش یہی رہی کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ حسن سیرت، عافیت کوشی، صلح جوئی، ملائمت اور حکمت عملی کے ذریعہ اپنا کام چلائیں۔ وہ کہا کرتے تھے:

"میں یہ پسند نہیں کرتا کہ شہر کے لوگوں کو قتل کر کے خواہ مخواہ کی بدنامی اپنے سر لوں۔ وہ تو لوگوں کی نظروں میں سرخرو ہو جائیں اور میں شقی اور بدبخت بن جاؤں۔ معاویہؓ تو دنیا میں عزت حاصل کر لیں اور مغیرہؓ کو قیامت کے دن ذلت کا سامنا کرنا پڑے۔ یقیناً میں نیک لوگوں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤں گا۔ اور برے لوگوں سے درگزر کروں گا۔ شریف اور سلیم الطبع

لوگوں کی تعریف کروں گا اور بیوقوفوں اور نادانوں کو سمجھاؤں گا۔ یہاں تک کہ میرے اور ان کے درمیان جدائی ڈال دے۔ جب انہیں دوسرے سخت حاکموں سے واسطہ پڑے گا تب وہ مجھے یاد کریں گے"۔

حضرت مغیرہؓ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی۔ جہاں تک مملکت میں امن و امان قائم کرنے کا تعلق ہے۔ اس میں زیاد اور حضرت مغیرہؓ دونوں برابر ہیں۔ لیکن اگر اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے کہ حضرت مغیرہؓ نے امن و امان قائم کرنے میں بہت کم سختی اور شدت برتی اور ہمیشہ نرمی اور ملائمت ہی کو کام میں لائے تو لامحالہ زیاد کی نسبت آپ کو زیادہ مدبر اور قابل ماننا پڑے گا۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے کوفہ کی ولایت بھی زیاد ہی کے سپرد کر دی اس طرح وہ بصرہ اور کوفہ دونوں شہروں کا والی بن گیا۔ وہ پہلا شخص تھا جسے ان دونوں شہروں کی ولایت ایک ہی وقت میں حاصل ہوئی۔ وہ کوفہ پہنچا اور دستور کے مطابق لوگوں کو جمع کر کے جامع مسجد میں خطبہ دیا۔ مگر لوگوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں اور آوازے

کنے شروع کیے۔ یہ دیکھ کر وہ نہایت سکون کے ساتھ بیٹھ گیا۔ جب کچھ دیر کے بعد لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ تو اُس نے اپنے خاص آدمیوں کو بلایا اور انہیں مسجد کے دروازوں پر متعین کر دیا۔ پھر ایک کرسی منگائی اور مسجد کے دروازے میں بچھا کر اُس پر بیٹھ گیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ چار چار آدمی اس دروازے سے باہر نکلیں۔ ہر ایک سے وہ قسم لیتا کہ اس نے کنکریاں نہیں پھینکیں۔ جو شخص قسم کھا لیتا اُسے باہر جانے دیتا اور جو شخص قسم نہ کھاتا اُسے روک لیتا۔ اس طرح تیس آدمی روک لیے گئے۔ زیاد نے ان سب کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔

اس واقعہ کے بعد اُس نے مسجد میں اپنے لیے مقصورہ بنوایا۔

شروع میں اتنی سخت سزا کا یہ نتیجہ ہوا کہ پھر کسی کو اس کے سامنے زبان کھولنے اور اس کے خلاف شور مچانے کی جرأت نہ ہوئی۔

زیاد کا طریقہ یہ تھا کہ وہ چھ مہینے بصرہ میں رہتا اور چھ مہینے کوفہ میں۔

حضرت حسنؓ کی (حضرت معاویہؓ کے حق میں) خلافت سے دستبرداری

کی وجہ سے اگرچہ اہل کوفہ کے دلوں میں شیعیت کی روح بجھ گئی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ اور ان کے اہل بیت کو منبروں پہ بُرا بھلا کہنے کی جو رسم پڑ گئی تھی۔ اُسے دیکھ دیکھ کر شیعوں کے دل ضرور غمگین ہوتے تھے والی کوفہ حضرت مغیرہؓ کو بھی حضرت معاویہؓ کے دباؤ کے باعث منبر پر چڑھ کر حضرت علیؓ کی مذمت اور حضرت عثمانؓ کی تعریف کرنی پڑتی تھی۔ ایک دن وہ اسی طرح خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص حجر بن عدی کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"جسے آپ بُرا بھلا کہہ رہے ہیں فضیلت کا وہی مستحق ہے اور جسے آپ پاک وصاف سمجھتے ہیں وہی مذمت کے قابل ہے"

حضرت مغیرہؓ نے اس کا جواب صرف یہ دیا۔

"اے حجر! تم سلطان کے غضب اور اس کی سطوت سے ڈرو کیونکہ کبھی سلطان کا غضب تم جیسے لوگوں کو ہلاک کر دیتا ہے"

نوٹ: آگے چل کر مؤلف کتاب ہذا نے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؓ کو برسرِ منبر بُرا بھلا کہنے کی رسم کے موجد حضرت معاویہؓ نہیں تھے۔ بلکہ یہ بدعت مروان بن حکم کی جاری کردہ تھی۔ (مترجم)

مگر اس زبانی تنبیہ کے علاوہ انہوں نے اس کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ اور حجر حضرت مغیرہؓ کی وفات تک بنو امیہ کے خلاف سرگرم عمل رہا۔

حضرت مغیرہؓ کے بعد جب کوفہ کی ولایت زیاد بن ابیہ کے ہاتھ میں آئی تو اُس نے بھی حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے اور حضرت عثمانؓ کی تعریف کرنے کی رسم جاری رکھی۔ حجر اور اُس کے ساتھیوں کو یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی اور وہ خفیہ مجالس منعقد کر کے حضرت معاویہؓ اور ان کے عمال پر سب دشتم کرتے اور بنو امیہ کی سیاست اور پالیسی پر تنقید اور اعتراض کیا کرتے تھے۔

جب ان اجتماعات کی خبر زیاد کو پہنچی تو وہ بصرہ سے کوفہ آیا اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا جس میں اُس نے کہا:۔

یاد رکھو کہ سرکشی اور بغاوت کا نتیجہ نہایت خراب ہوتا ہے تم میں سے بعض فتنہ پرداز لوگوں نے حکومت کی مخالفت پر کمر باندھی ہے اور مجھے پتہ لگا ہے کہ وہ اپنی خفیہ مجالس میں بغاوت کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں لیکن یاد رکھو کہ اگر تم سیدھے نہ ہوئے تو میرے پاس ایسے ذرائع ہیں جن

سے کام لے کر میں تمہارا کس بل نکال دوں گا۔ میرا نام زیاد نہیں ہے
اگر میں کوفہ میں حجر کو رہنے دوں اور اسے دوسرے لوگوں کے لئے
عبرت بنا کر نہ چھوڑ دوں۔"

اس کے بعد زیاد نے حجر کو بلانے کے لئے اپنا ایک آدمی بھیجا
لیکن اس نے آنے سے انکار کر دیا۔ اس پر زیاد نے پولیس کے کچھ جوان
اسے گرفتار کرنے کے لئے بھیجے۔ جب یہ لوگ حجر کی قیام گاہ پر پہنچے، تو
اس کے ساتھیوں اور حامیوں نے انہیں گالیاں دیں اور انہیں ناکام
واپس آنا پڑا۔ اس پر زیاد نے پھر اہلِ کوفہ کو جمع کیا اور کہا:

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم ایک ہاتھ سے اپنا سر زخمی کرتے ہو
اور دوسرے ہاتھ سے اس کی مرہم پٹی کرنے لگتے ہو۔ تمہارے جسم میرے
ساتھ ہیں لیکن دل احمق حجر کے ساتھ۔ اس منافقت سے تمہاری اندرونی
گندگی ظاہر ہوتی ہے۔ خدا کی قسم یا تو تم اپنے عمل کے ذریعے حکومت
کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دو ورنہ میں ایسی قوم کو تم پر مسلّط کر دوں گا
جو تمہیں بالکل سیدھا کر دے گی۔"

زیاد کی ان دھمکیوں سے اہلِ کوفہ مرعوب ہو گئے اور کہنے لگے:

"معاذاللہ! ہم آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے روگردانی کر سکتے ہیں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہم بہرحال حکومت کے وفادار ہیں۔"

زیاد نے جواباً کہا۔

"اگر ایسا ہے تو ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو، جو حجر کے ساتھ ہیں، اُس کی ہمدردی اور اعانت کرنے سے روک دے۔"

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور حجر کے ساتھیوں کی ایک کثیر تعداد اُس سے الگ ہو گئی۔ اس کے بعد زیاد نے کوتوال شہر کو حکم دیا کہ:۔

"حجر کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ اگر وہ انکار کرے تو طاقت کا استعمال کرو اور اس کو اس کے ساتھیوں سمیت گرفتار کر کے فوراً میرے سامنے حاضر کرو۔"

چنانچہ کوتوال گیا اور حجر کو مع اس کے ساتھیوں کے گرفتار کر کے لے آیا۔ زیاد نے انہیں قید خانہ میں ڈالنے کا حکم دیا اور حجر کے باقی ماندہ ساتھیوں کی تلاش کا حکم بھی دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو بھاگ گئے کچھ پکڑے گئے۔ گرفتار ہونے والوں کی تعداد چودہ[۱۲] تھی۔

اس کے بعد زیاد نے حجر کے خلاف شہادتیں جمع کرنی شروع کیں

چنانچہ متعدد لوگوں نے آکر گواہیاں دیں کہ " حجر نے بغاوت کی تیاری کیلئے
لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کیا، اس کی مجالس میں حضرت معاویہؓ کو گالیاں
دی جاتی تھیں اور ان سے لڑنے کے لئے منصوبے بنائے جاتے تھے۔
یہ تمام کوششیں اس لئے کی جارہی تھیں کہ آلِ علیؓ کو دوبارہ پہنچنے کا
موقع مل سکے اور حجر کے ساتھ جو دوسرے لوگ گرفتار کئے گئے ہیں وہ
اس کے زبردست مددگاروں میں سے تھے۔"

زیاد نے یہ تمام شہادتیں قلم بند کرکے انہیں حجر اور اس کے ساتھیوں
کے ہمراہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ حضرت معاویہؓ انہیں لے کر
دمشق کے قریب ایک مقام "مرج عذرا" میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر
اُن میں سے آٹھ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا۔ باقی چھ جنہوں نے حضرت
علیؓ سے بیزاری کا اظہار کیا چھوڑ دئے گئے۔

اس طرح عراق اور کوفہ میں شیعوں کی سرگرمیاں بالکل ختم ہوگئیں
اس کی وجہ زیادہ تر یہ بھی تھی کہ شیعہ خوارج کی طرح ہتھیار نہ اٹھاتے تھے
اور اپنے مخالفین کے مقابلہ میں مسلح بغاوت اور کھلم کھلا لڑائی سے کنارہ
کش رہتے تھے۔

جہاں تک نظم ونسق کو خوبی کے ساتھ چلانے اور قلمرو میں امن و امان قائم کرنے کا سوال ہے زیاد کی گراں قدر کوششوں میں کوئی شبہ نہیں لیکن امن وامان کے قیام کے لئے اس نے جو ظالمانہ طریقے استعمال کیے اُن کی ہم کسی طرح حمایت نہیں کر سکتے۔ قتل و غارت کا جو سلسلہ اس نے شروع کیا تھا اس کی وجہ سے نہ صرف اس کی عزت لوگوں کی نظروں میں گر گئی بلکہ یہ چیز بنو امیہ کی سیاست کے لیے بھی مہلک ثابت ہوئی۔ ہر جگہ ابن زیاد اور بنو امیہ کے دشمن پیدا ہو گئے اور دلوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات ابھرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب زیاد کی ولایت ختم ہوئی اور حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا تو بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور ہر شہر سے فتنہ و فساد سر اٹھانے لگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زیاد فارس کی امارت کے زمانہ میں ایران کے قدیم شاہی نظام سے بہت متاثر ہوا تھا۔ چنانچہ جب اسے حضرت معاویہؓ نے بصرہ کا حاکم بنا کر بھیجا تو اس نظام کی بہت سی باتوں کو اس نے وہاں بھی رائج کیا۔ جب وہ شہر کی گلیوں میں چلتا تھا تو اس کے آگے پیچھے اس کے محافظوں کی ایک فوج ہوا کرتی تھی۔ اس کے محل کے دروازے

پر کم از کم پانچ سو مسلح سوار پہرہ دیا کرتے تھے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت معاویہؓ نے جتنے عمال مقرر کئے زیاد شان و شوکت، بہادری و شجاعت اور جرأت و ہمت میں ان سب سے بڑھ کر تھا۔ مشرق میں اس کی حکومت ہندوستان سے لے کر خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی اور عراق کا تمام علاقہ اس کے زیر نگیں تھا۔ لیکن اس قدر وسیع علاقے کی امارت پر بھی وہ قانع نہیں تھا۔ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں اس نے حضرت معاویہؓ سے درخواست کی تھی کہ اُسے حجاز کا والی بھی بنا دیا جائے۔ نہ معلوم حضرت معاویہؓ کا جواب کیا ہوتا۔ لیکن زیاد کی عمر نے زیادہ دیر تک وفا نہ کی اور اٹھاون برس کی عمر پا کر ۵۳ھ ۶۷۳ء میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

زیاد کی وفات کے بعد ۵۵ھ ۶۷۵ء میں حضرت معاویہؓ نے اس کے بیٹے کو (جو ابن زیاد کے نام سے مشہور ہے) اس کی جگہ عراق کا والی بنا دیا۔ اُس نے اپنے زمانۂ حکومت میں خوارج پر اس قدر سختی کی جس کی مثال نہیں ملتی۔ خوارج کی اٹھا دس بڑی بڑی جماعتوں کو اس نے موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ خوارج کے مشہور و معروف سردار ابوبلال بن مرداس بن ادیہ کا بھائی عروہ بن ادیہ بھی اُسی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

یہ واقعہ اِس طرح وقوع پذیر ہوا کہ ایک مرتبہ ابن زیاد گھوڑ دوڑ دیکھنے کے لئے شہر سے باہر نکلا۔ وہ بیٹھا ہوا گھوڑ دوڑ دیکھ رہا تھا اور کچھ لوگ اُس کے پاس جمع تھے۔ جن میں عروہ بن ادیہ بھی تھا۔ وہ ابن زیاد کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

"پانچ باتیں جو پہلی امتوں میں پائی جاتی ہیں ہم میں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہ کہہ کر اُس نے یہ آیت پڑھی۔

اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون، وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون، واذا بطشتم بطشتم جبارین

(کیا تم ہر بلند و بالا مقام پر بلا ضرورت اپنی یادگاریں تعمیر کرتے ہو اور [2] اِس خیال سے عظیم الشان محل بناتے ہو کہ تم دنیا میں برقرار رہو گے۔ اور [3] جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو اُسے ایسی سختی سے پکڑتے ہو جیسے نہایت ظالم اور جابر لوگ پکڑتے ہیں)

ان تین خصائل کے علاوہ دو خصلتیں اور بیان کیں جس پر ابن زیاد

نے خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے ساتھ کوئی مضبوط جماعت ہے، جبھی تو وہ اس قدر جرأت سے اُس سے کلام کر رہا ہے۔

یہ خیال کر کے وہ فوراً گھوڑ دوڑ کے میدان سے واپس چلا گیا اور عروہ کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ کچھ دن تک تو عروہ روپوش رہا لیکن آخر ایک دن زیاد کو اس کی خفیہ رہائش گاہ کا پتہ چل ہی گیا۔ اور اُس نے فوراً سپاہی بھیج کر گرفتار کرا لیا۔ جب وہ گرفتار ہو کر اس کے سامنے آیا تو اس نے اس کے ہاتھ اور پیر کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد اُس سے پوچھا۔

"اب تمہاری کیا رائے ہے؟"

عروہ نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم نے میری دنیا برباد کی اور اپنی آخرت"

ابن زیاد نے اُسے اور اس کی بیٹی کو قتل کرا دیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر عروہ کا بھائی مرداس چالیس آدمی اپنے ہمراہ لیکر اہواز کی جانب چلا گیا۔ ابن زیاد نے ابن حصن تمیمی کی زیر قیادت دو ہزار آدمیوں کا لشکر اس کی گرفتاری کے لئے روانہ کیا۔ مرداس نے اپنے چالیس ساتھیوں کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست فاش دی۔ اس

کے بعد ابن زیاد نے عباد بن اخضر کی سرکردگی میں تین ہزار کا ایک اور لشکر مرداس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ فارس کے ایک شہر "توج" کے قریب اس لشکر کی مٹھ بھیڑ مرداس سے ہوئی۔ جمعہ کے روز فریقین میں مقابلہ شروع ہوا۔ جب جمعہ کی نماز کا وقت آیا تو خوارج نے عباد سے کہا کہ اس وقت تک کے لئے جنگ بند کر دی جائے جب تک ہم نماز ادا نہ کرلیں۔ عباد راضی ہو گیا اور خوارج اطمینان سے نماز میں مشغول ہو گئے۔ لیکن نماز پڑھنے کے دوران ہی میں عباد نے ان پر حملہ کر کے سب کو قتل کر ڈالا اور ان کے سر ابن زیاد کے پاس بھیج دئے۔ ابن زیاد نے وہ سر کوفہ کے بازاروں میں لٹکانے کا حکم دیا۔

ایک عرصہ تک عباد بڑے اطمینان کی زندگی بسر کرتا رہا۔ خوارج پر فتح پانے کی وجہ سے ابن زیاد کے دل میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آخر خوارج ہی کی ایک جماعت نے سازش کر کے ایک روز دفعۃً حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

جب ابن زیاد کو کوفہ میں یہ خبر پہنچی تو اس نے بصرہ میں اپنے

نائب کو حکم بھیجا کہ وہ اُن تمام لوگوں کو جن پر خارجی ہونے کا شبہ ہو فوراً گرفتار کرلے اور اس کی آمد کا انتظار کرے۔ چنانچہ اس کے نائب نے ایسا ہی کیا۔ سنہ ۶۱ھ/۶۸۰ء میں ابن زیاد بصرہ آیا اور تمام گرفتار شدہ خوارج کو قتل کرادیا۔

عبیداللہ بن زیاد حضرت معاویہؓ کی وفات تک بصرہ کا والی رہا۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مصر کے والی حضرت عمرو بن العاصؓ تھے اور اپنی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ سنہ ۴۳ھ/۶۶۳ء میں ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے ان کے لڑکے کو مصر کا والی مقرر کردیا۔ لیکن بعد میں اسے معزول کرکے کسی اور شخص کو وہاں کا والی بنادیا۔

حجاز کی ولایت کلیۃً بنو امیہ کے ہاتھوں میں رہی۔ مدینہ کی ولایت مروان بن حکم اور سعید بن العاص کے درمیان جھکولے کھاتی رہی۔ کبھی مروان حاکم ہو جاتا اور کبھی سعید بن العاص۔ مدینہ کا والی ہی امیر حج کے فرائض بھی سرانجام دیتا تھا۔ کیونکہ حضرت معاویہؓ حج کے لئے صرف دو مرتبہ تشریف لائے۔ ایک مرتبہ سنہ ۴۴ھ/۶۶۴ء میں اور دوسری مرتبہ سنہ ۵۵ھ/۶۷۵ء میں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت معاویہؓ کی سیاست حجاز میں عراق سے بالکل مختلف تھی۔ عراق میں آپ اُن عمال کو بھیجتے تھے جو جرأت، دلیری اور بہادری میں اپنی نظیر آپ ہوتے تھے۔ آپ اُنہیں مکمل اختیار دیدیتے تھے کہ اس شورش انگیز خطہ میں امن برقرار رکھنے کے لئے وہ جو تدابیر مناسب سمجھیں اختیار کریں۔ لیکن حجاز اگرچہ حضرت امیر معاویہؓ کی مخالفت میں عراق سے کم نہ تھا تاہم بغاوتوں اور شورشوں کی کثرت میں اس کا مقابلہ عراق سے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے حضرت معاویہؓ اس علاقہ میں نسبتاً نرم آدمی والی بنا کر بھیجتے تھے۔

ایک اور امر بھی قابلِ ذکر ہے اور وہ یہ کہ حضرت معاویہؓ نے حجاز میں صرف اُن ہی اشخاص کو والی مقرر فرمایا جو قریش میں سے تھے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ اہلِ حجاز کے لئے صرف ایسے ہی والی بھیجے جائیں جن سے وہ اچھی طرح مانوس ہوں اور جو ان کے عادات و خصائل اور سیرت و سرشت سے بخوبی واقف ہوں۔ اہلِ حجاز پر اجنبی اشخاص کو والی بنا کر بھیجنا آپ نے مناسب خیال نہ کیا۔ یہ سیاست واقعی عقلمندی پر مبنی تھی اور اس دوراندیشی نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔

حضرت معاویہؓ کے عہد کی فتوحات

حضرت معاویہؓ کے عہد میں اگرچہ اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے بیرونی فتوحات کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوا تاہم مغربی جانب عربی فوجیں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی گئیں اور بحر متوسط (بحیرۂ روم) کے جزائر قبرص اور روڈس پر قبضہ کیا گیا۔

مشرق میں بھی جنگی سرگرمیاں محدود پیمانہ پر جاری رہیں۔ عبداللہ بن سوار عبدی نے جو سندھ کی سرحد پر متعین تھا دو مرتبہ "قیقان"[1] پر حملہ کیا۔

---

[1] مولف کتاب ہذا نے لکھا ہے کہ قیقان' خراسان سے متصل ہندوستان کا ایک شہر تھا لیکن یہ درست نہیں، "قیقان" کا موجودہ نام "قلات" ہے جو کچھ عرصہ قبل تک بلوچستان کی ریاست قلات کا دارالحکومت تھا۔
("تاریخ سندھ" مؤلفہ مولانا سید ابوظفر ندوی صفحہ ۳۶)
قلات اور خراسان کے درمیان زبردست فاصلہ ہے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مصنف خاران کی بجائے (جو قلات کے قریب ہے) غلطی سے خراسان لکھ گیا ہے۔ (مترجم)

دوسرے حملہ کے دوران میں اہل قیقان نے اپنے (ترک) مددگاروں کی ایک جماعت کی مدد سے عبداللہ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد مہلب بن ابی صفرہ ازدی نے سندھ پر حملہ کیا اور "لاہور"[1] تک پہنچ گیا۔ یہاں دشمن نے بھاری جمعیت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ قیقان میں مہلب کا سامنا اٹھارہ ترک سواروں سے ہوا۔ انہوں نے بڑی بہادری سے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا لیکن آخر تاب نہ لا سکے۔ تھوڑی دیر کی لڑائی کے بعد تمام ترک مارے گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی توجہ عرب کے شمال مغرب میں واقع رومی مملکت کی طرف زیادہ مبذول رہی[2]۔ حضرت معاویہؓ کے

---

[1] یہ لاہور مغربی پاکستان کا دارالحکومت نہیں بلکہ افغانستان کے علاقہ میں کابل کے قریب ایک قصبہ ہے۔ مہلب سندھ سے ہوتا ہوا افغانستان گیا اور اس قصبہ تک پہنچا۔ (مترجم)

[2] رومی سلطنت اس وقت دو بڑے حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ مغربی رومی سلطنت مشرقی رومی سلطنت۔ مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت اٹلی کا شہر روما تھا۔ اور مشرقی رومی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ۔ قیصر روم قسطنطنیہ کے علاوہ شام کے شہر انطاکیہ میں بھی اکثر سکونت رکھتا تھا۔ (مترجم)

عہد میں روم میں دو بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ پہلے ہرقل کا بیٹا کانسٹانٹز دوم[1] برسر اقتدار آیا۔ اس کا دورِ حکومت ۶۴۱ء سے ۶۶۸ء تک ہے۔ اس کے بعد کانسٹانٹن چہارم سریر آرائے سلطنت ہوا۔ جو پوناگوناتوس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا زمانۂ حکومت ۶۶۸ء سے ۶۸۵ء تک رہا۔

چونکہ رومی برابر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے اور اسلامی علاقوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت معاویہؓ نے بری اور بحری فوجیں مرتب کیں۔ بحری فوجوں کے لئے زبردست جنگی بیڑے تیار کئے۔ جن کے لئے لکڑی لبنان کے گھنے جنگلات سے حاصل کی جاتی تھی۔ بیڑے کے جہازوں کی تعداد سترہ سو تھی جو پوری طرح جنگی ساز و سامان سے لیس ہوتے تھے۔

ان جنگی جہازوں کا وجود مسلمانوں کے لئے نہایت سود مند ثابت ہوا اور ان کے ذریعہ جزیرہ قبرص، جزیرہ روڈس اور چند دیگر یونانی جزائر

---

[1] کانسٹانٹز دوم نے اپنے بھائی تھیوڈوسی کو جس نے چند روز ہی حکومت کی تھی۔ قتل کر ڈالا تھا اور بلا شرکتِ غیرے سلطنت کا مالک بن گیا تھا۔ (مترجم)

مسلمانوں نے فتح کئے۔ ان فتوحات میں اسلامی فوجوں کی کمان جنادہ بن ابی امیہ ازدی کے ہاتھ میں تھی۔

حضرت معاویہؓ سے پہلے مسلمانوں کی بحری طاقت بہت کمزور تھی ان کی جو اِکّا دُکّا کشتیاں سمندر میں چلا کرتی تھیں۔ انہیں ہر وقت رومیوں سے خطرہ رہتا تھا۔ کہ کہیں بے خبری میں وہ ان پر نہ آپڑیں اور انہیں اُڑا کر نہ لے جائیں۔ لیکن ان مضبوط بیڑوں کی وجہ سے مسلمانوں کے دل سے رومیوں کے اچانک حملوں کا ڈر بالکل جاتا رہا۔ بلکہ خود انہوں نے بڑھ چڑھ کر رومی علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دئیے۔ پہلے رومی مسلمانوں کی کشتیاں چھین لے جاتے تھے۔ اب مسلمانوں نے رومیوں کے جہازوں کو اپنے قبضہ میں کرنا شروع کیا۔ اور رومی ہر وقت مسلمانوں کے خوف سے لرزاں و ترساں رہنے لگے۔ سمندر میں جو فوجیں کام کرتی تھیں حضرت معاویہؓ ان کی نگہداشت کی طرف خاص توجہ دیتے تھے اور انہیں برابر داد و دہش سے نوازتے رہتے تھے۔

خشکی کے لئے بھی حضرت معاویہؓ نے دو فوجیں "شواتی" اور "صوائف" تیار کیں۔ "شواتی" وہ فوجیں تھیں جو موسم سرما میں مقابلہ کرنے کے لئے نکلتی

تھیں اور "صوائف" وہ لشکر تھے جو گرمیوں میں سرگرم عمل رہتے تھے ان فوجوں نے دشمن کے علاقہ پر پے در پے حملے کر کے انہیں نہایت مرعوب کر دیا اور اسلامی سلطنت کی سرحدیں دشمنوں کے تاخت و تاراج سے بالکل محفوظ ہو گئیں۔

عربوں نے جب سے شام فتح کیا تھا قسطنطنیہ کو تسخیر کرنے کا خیال بار بار ان کے دلوں میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت بیزنطینی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ اگر مسلمان اپنی ابتدائی فتوحات میں قسطنطنیہ کو بھی فتح کر لیتے تو یقیناً اسی زمانہ میں تمام شمالی یورپ پر بھی ان کا تسلط ہو جاتا اور تاریخ بالکل مختلف ہوتی لیکن حضرت عثمانؓ کے زمانہ تک مسلمانوں کو قسطنطنیہ فتح کرنے کا خیال پیدا نہ ہوا۔ ۶۵۳ء میں حضرت معاویہؓ نے (جبکہ وہ حضرت عثمانؓ کی طرف سے شام کے والی تھے) طرابلس الشام میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور بسر بن ابی ارطاۃ کو امیرالبحر بنا کر رومیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ بیڑہ بڑی شان سے رومی دارالحکومت کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اس کا مقابلہ رومی بیڑے سے ہوا جس میں رومیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی لیکن بعض وجوہات

کی بنا پر یہ بیڑا قسطنطنیہ تک نہ پہنچ سکا۔

سنہ ۴۴ھ / ۶۶۴ء میں جبکہ خلافت حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آچکی تھی آپ نے بسر بن ابی ارطاۃ ہی کی امارت میں ایک اور بحری بیڑا قسطنطنیہ روانہ کیا، جو طبری کی روایت کے بموجب وہاں تک پہنچ گیا تھا۔ اس کے بعد فضالہ بن عبید نے خلقیدونیہ پر لشکر کشی کی جو آبنائے باسفورس کے قریب واقع ہے۔ اس جگہ اُسے یزید بھی مل گیا جسے حضرت معاویہؓ نے لشکر کی امداد کے لئے بھیجا تھا۔[1]

بعض مورخین عرب ذکر کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے سنہ ۴۸ھ / ۶۶۸ء میں قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے بری اور بحری دونوں راستوں سے فوجیں روانہ کیں۔ لشکر کی کمان سفیان بن عوف کے ہاتھ میں تھی۔ آپ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی اس لشکر کے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر

---

[1] مورخ تیوفان نے لکھا ہے کہ یہ غزوہ سنہ ۶۶۱ء میں ہوا تھا۔ لیکن بعض دوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ یزید نے قسطنطنیہ کا محاصرہ سنہ ۵۱ھ / ۶۶۲ء میں کیا تھا۔

صحابہؓ بھی اس لشکر میں تھے۔

اناطولیہ کے راستے یہ لشکر قسطنطنیہ کی جانب روانہ ہوا اور اس کی فصیلوں کے سامنے جا کر ڈیرے ڈال دیئے۔ عربوں کے بحری جہاز بحیرہ مارمورہ کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیل گئے اور اپریل اور ستمبر کے درمیانی عرصہ میں قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا۔ لیکن اُسے فتح نہ کر سکے۔ سردی کا موسم شروع ہو جانے پر انہیں مجبوراً ایشیائے کوچک کے شمال مغرب میں "فیزیقیا" کی طرف واپس آنا پڑا۔

موسم بہار کی ابتداء میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا دوبارہ محاصرہ شروع کر دیا۔ بعض مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ مسلمان سات سال تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ آخر کار جب فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مجبوراً واپس ہونا پڑا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمانوں کی ناکامی کا بڑا سبب "آتش یونان" تھی۔ جس نے مسلمانوں کے بحری بیڑے کے ایک بڑے حصہ کو آگ لگا کر تباہ کر دیا اور جب مسلمان واپس

ؓ ایک شیعہ مورخ سید ذاکر حسین دہلوی اپنی تاریخ اسلام جلد اول کے صفحہ ۲۴۴ پر بحوالہ گبن لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ بھی اس فوج میں شامل تھے۔ (مترجم)

ہونے لگے تب بھی آگ برسا کر باقی ماندہ جہازوں کو سخت نقصان پہنچایا۔

گوروی اور عربی تاریخوں میں اس طویل جنگ کا ذکر ضرور آتا ہے۔ لیکن وہ اِس محاصرہ کے متعلق کوئی مفصل اور واضح بیان ہمارے سامنے پیش نہیں کرتیں۔ تاہم اغلب گمان یہ ہے کہ اس لشکر نے جو خشکی کی راہ سے حملہ آور ہوا تھا، قسطنطنیہ کا محاصرہ ۶۶۹ء میں شروع کیا اور ۶۷۳ء میں عربی بیڑا وہاں سے واپس ہوا۔

محاصرہ کے دوران ہی میں حضرت ابو ایوب خالد بن زید انصاری رضؓ کی وفات ہو گئی۔ آپ ہی وہ خوش قسمت بزرگ ہیں جنہیں ہجرت کے وقت رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا۔ آپ کو قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یہ مزار اب تک مرجع خاص و عام ہے بعد میں اس کے متصل ایک مسجد بھی بنا دی گئی[1]۔ تمام عثمانی سلاطین کی تاجپوشی کی تقاریب اسی مزار پر نہایت شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا کرتی تھیں۔

---

[1] یہ تاریخی مسجد آج بھی موجود ہے اور "جامع ایوب" کہلاتی ہے۔ (مترجم)

یہ ایک زبردست غلطی تھی جو ابوالمہاجر سے سرزد ہوئی۔ صرف ابوالمہاجر پر ہی موقوف نہیں۔ آج تک بھی مسلمانوں میں یہی ذہنیت کارفرما ہے کہ بعد میں آنے والے حاکم اپنے پیشروؤں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ان کی تحقیر اور تذلیل کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں تاکہ پہلوں کی وقعت لوگوں کے دلوں سے کم کر کے اپنے نام کو چمکا سکیں۔ لیکن اس طرح وہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اور اپنی کوتاہ اندیشی کی بدولت ایک ایسی قوت سے جو اُن کے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکتی تھی، محروم ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح پہلا افسر بھی کوشش کرتا ہے کہ بعد میں آنے والے حاکم سے ہر وہ بات چھپائے جو اُس کے لئے کسی طرح سود مند ثابت ہو سکتی ہو۔ اُس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ صرف اُسی کا نام روشن رہے کسی اور کا نام نہ چمک سکے لیکن جس قوم کا اندازِ فکر اس قسم کا ہوتا ہے اُسے دُنیا میں کبھی ترقی نصیب نہیں ہو سکتی۔

لبنان میں جراجمہ کی سرگرمیاں

رومیوں کو شام کی طرف سے غفلت برتنے کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی۔ جب عرب شام کی فتح سے فارغ ہوگئے اور انہوں نے ایشیائے کوچک میں رومی سلطنت پر حملے شروع کردیئے تو رومیوں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر سوچی کہ مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں میں رہنے والی بعض مضبوط جماعتوں کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما کردیا جائے تاکہ وہ جماعتیں مختلف علاقوں میں اسلامی لشکروں پر پے درپے حملے کرکے اور مقبوضہ علاقوں میں جنگ وجدل کے شعلے بھڑکا کر آہستہ آہستہ اُن کی طاقت زائل کردیں۔ اس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ اس

طرح مسلمانوں کی تمام تر توجہ اندرونی علاقوں میں امن وامان قائم کرنے اور بغاوت کے شعلے بجھانے کی طرف مبذول رہے گی اور انہیں رومی حدود پر حملہ کرنے کا موقع نہ مل سکے گا۔ دریں اثنا رومی اپنی حالت درست کر کے اپنی قوتوں کو مجتمع اور فوجوں کو از سرنو تیار کر سکیں گے اور ان بدترین واقعات کا اعادہ نہ ہونے دیں گے جو یرموک، اجنادین فلسطین اور مصر کے میدان ہائے جنگ میں انہیں قبل ازیں پیش آ چکے تھے۔

ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں کہ اسلامی فتوحات کے دوران میں عرب اپنے قدم صرف میدانی علاقوں میں جما سکے تھے۔ پہاڑی علاقوں میں ان کا اثر و نفوذ بہت کم تھا۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ میں ان علاقوں کے رہنے والے بہت حد تک آزادی سے بہرہ ور تھے اور عربی فوجیں ان سے چنداں تعرض نہ کرتی تھیں۔

شمالی جانب عربی یلغار انطاکیہ تک جا کر رک گئی تھی۔ چنانچہ مدت دراز تک عربوں کو جبال طورس پر چڑھائی کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اموی خلفاء کے زمانہ میں یہی سلسلہ ہائے کوہ اسلامی شام اور رومی ایشیائے کوچک کے درمیان حدِ فاصل بنا رہا۔

پہاڑوں کے اس سلسلے میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام مردہ[1] تھا۔ اس کا پیشہ لوٹ مار اور قزاقی تھا[2] اور یہ لوگ بڑی آزاد زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ دشوار گزار اور سخت کٹھن پہاڑی علاقوں میں رہنے کی وجہ سے رومیوں کو بھی اُن کے جذبۂ حریت کا مجبوراً احترام کرنا پڑتا تھا۔ اور وہ شہنشاہ سے اُن کی رسمی اطاعت کے اقرار ہی کو کافی سمجھتے تھے۔ بنیر لنطینی شہنشاہیت تک یہی حالت قائم رہی۔ رومی شہنشاہوں نے اُن کی اندرونی خودمختاری کو قائم رکھا۔ اور اُن کے بعض لوگوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے اور اُن کی لفظی اطاعت کے اقرار کو بہت غنیمت سمجھا۔

عربی فتوحات کے دوران میں جب ہرقل کو شکست فاش اٹھا کر قسطنطنیہ کی طرف پسپا ہونا پڑا اور عربوں کا انطاکیہ تک کے تمام علاقے پر قبضہ ہوگیا تو جراجمہ نے عربوں سے مصالحت کر لینے ہی میں اپنی خیر سمجھی اور بڑی خوشی کے ساتھ مسلمانوں کی یہ بات قبول کر لی کہ وہ عربوں

---

[1] عرب مردہ قوم کو "جرجوما" شہر کی مناسبت سے (جس میں ان کی رہائش تھی اور جو ان کا سب سے بڑا شہر تھا) جراجمہ کے نام سے پکارتے تھے۔

[2] میشال السوری جلد ۲ صفحہ ۴۵۵۔

کی طرف سے جبالِ طورِ روس کی محافظت اور رومیوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کے فرائض سرانجام دیں۔ نیز مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ اگر انھوں نے جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیا تو انہیں بھی غنیمتوں میں سے حصہ دیا جائے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جراجمہ پر اس وقت بدوی رنگ غالب تھا انہیں سوائے دوسری اقوام سے لڑنے بھڑنے اور اموال و غنائم حاصل کرنے کے اور کوئی کام نہ تھا۔ ان کی زندگی کا تمام تر لطف اِن ہی چیزوں میں تھا۔

جراجمہ کے اس طرزِ عمل پر جو "ارتھوڈکسی" عقیدے کے مسیحی بیزنطینیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تائید و حمایت پر مبنی تھا بعض مسیحی مؤرخین نے بڑی ناراضی اور غصہ کا اظہار کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ "چونکہ جراجمہ "ارتھوڈکسی" نہیں تھے۔ بلکہ "کاتھولکی" عقیدے کے پیرو تھے اِسی لئے انہوں نے "ارتھوڈکسی" مسیحیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی حمایت و نصرت کرنے کو ترجیح دی۔"

"تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جراجمہ مسلمانوں کے کامل فرمانبردار

بن گئے تھے اور بڑے اخلاص سے اُن کی اطاعت کر رہے تھے۔ بات یہ تھی کہ جہاں وہ بعض اوقات ان کی قرار واقعی مدد کرتے تھے وہاں اکثر وہ بنیز نطینیوں کے ساتھ مل کر اور ان کے حامی بن کر مسلمانوں کو سخت نقصان بھی پہنچاتے تھے۔ اس صورتِ حال سے لبنان کی سیاست میں ایک اضطراب برپا تھا۔

جب عرب بری اور بحری راستوں سے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کیلئے گھر ملے ہوئے تو بنیز نطینیوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس وقت جراجمہ کو عربوں سے بھڑا دیا جائے اور انہیں اسلامی حدود پر حملے کرنے کیلئے تیار کیا جائے تاکہ عربوں کی توجہ رومیوں سے ہٹ کر جراجمہ کی طرف منعطف ہو جائے۔ اور وہ اِس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنے نظام کو درست کرلیں اور جنگی لحاظ سے مضبوط ہو جائیں۔ چنانچہ شہنشاہ کانسٹنٹائن چہارم نے ۶۶۶ء کے قریب جراجمہ سے تعلق پیدا کیا اور انہیں بہت کچھ سبز باغ دکھا کر اور بعض بنیز نطینی دستوں کو ان کے ساتھ کر کے انہیں اِس بات پر آمادہ کرلیا کہ وہ اسلامی سواحل پر حملے شروع کر دیں۔

جراجمہ شہنشاہ کی باتوں میں آگئے۔ اور جبالِ لبنان تک پہنچ کر شام کے ساحل پر جو جبالِ طوروس سے فلسطین تک پھیلا ہوا تھا۔ حملے شروع کر دیئے۔

اِس جنگی چال کو ناکام بنانے کے لئے حضرت معاویہؓ کے سامنے دو راہیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ پوری طاقت سے جراجمہ پر حملہ کیا جائے اور اُنہیں اُن علاقوں سے نکال باہر کیا جائے۔ جہاں بیٹھ کر وہ شامی سواحل پر حملے کر کے سمندر کے راستے دمشق اور باقی اسلامی سلطنت کا تعلق منقطع کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ دوسرا طریق کا یہ تھا کہ فی الحال غزوات کے سلسلہ کو روک کر بیزنطینیوں سے صلح کر لی جائے اور پھر جراجمہ پر حملہ کر کے اُن کی قوت و طاقت کو نابود کر دیا جائے حضرت معاویہؓ نے بہت سوچ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کو ترجیح دی اور رومیوں کو کہلا بھیجا کہ وہ اُن سے صلح کرنے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ رومی اس بات کی ضمانت دیں کہ وہ جراجمہ کی حمایت سے دست کشی اختیار کر لیں گے اور انہیں کسی قسم کی مدد نہیں پہنچائیں گے۔

خود غرض رومیوں نے اِس پیش کش کو خوشی سے قبول کر لیا۔

کیونکہ اِس صلح سے انہیں وقتی طور پر اپنے علاقوں کی سلامتی کی طرف سے اطمینان کی ایک شکل نظر آ رہی تھی

معاویہؓ نے اس دوران میں لبنان میں جراجمہ پر پُرزور حملے کر کے ان کی قوت و طاقت کو ختم کر دیا اور ان کے بکثرت نوجوان موت کے گھاٹ اتار دیے۔ جو تھوڑی سی تعداد باقی بچی وہ عبدالملک بنؒ ان کے زمانہ تک پہاڑوں میں پناہ گزیں رہی[1]۔

اِس طرح حضرت معاویہؓ اپنی زندگی کے آخری ایام نہایت سکون و آرام سے گزارنے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں اپنی اس عظیم الشان سلطنت کے استحکام کی طرف سے کامل اطمینان ہو گیا جو مغرب میں بحیرۂ روم کے مشرقی جزائر تک اور مشرق میں سندھ اور ہندوستان کی حدود تک پھیلی ہوئی تھی۔

---

[1] رومی تاریخیں ناقل ہیں کہ معاویہؓ اور بنر نطینیوں میں ان تین شرائط پر صلح ہوئی تھی۔ اوّل یہ کہ معاویہؓ رومی شہنشاہ کو تین ہزار سونے کے ٹکڑے دیں گے۔ دوم یہ کہ آٹھ ہزار رومی قیدیوں کو رہا کریں گے۔ سوم یہ کہ پچاس عربی گھوڑے رومی شہنشاہ کو بھیجیں گے۔" لیکن عربی تاریخوں میں ان تفصیلات کا ذکر نہیں ہے۔

یزید کی ولی عہدی

مورخین عرب لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو سب سے پہلے جس شخص نے یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا وہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تھے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ سنہ ۵۶ھ ۶۷۶ء میں حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو کوفہ کی ولایت سے معزول کر کے اُن کی جگہ سعید بن عاص کو مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت مغیرہؓ کو بھی کسی طرح اس کا پتہ لگ گیا اس پر وہ فوراً شام روانہ ہو گئے اور سیدھے یزید کے پاس پہنچ کر اس سے کہنے لگے :۔

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہؓ اور قریش کے تمام

معمر ناادر سربرآوردہ اشخاص وفات پا چکے ہیں۔ اب ان کی اولاد باقی رہ گئی ہے۔ آپ حسب و نسب، بالغ نظری، اصابت رائے، بہادری وشجاعت، عقل و دانش، علم و فضل اور سیاسی سوجھ بوجھ میں اُن سب سے بڑھ کر ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا۔ کہ امیرالمومنین کو آپ کی ولی عہدی کی بیعت لینے میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟"

یزید نے حیران ہو کر پوچھا: "کیا یہ بات ممکن ہو سکتی ہے؟"

حضرت مغیرہؓ نے کہا: "کیوں نہیں۔"

چند روز اسی طرح گذر گئے۔ اس دوران میں یزید نے اس معاملہ پر اچھی طرح سوچا اور تمام نتائج و عواقب پر غور کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے پاس آیا اور حضرت مغیرہؓ والی گفتگو کا اُن سے ذکر کیا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو بلایا اور یزید نے جو باتیں اُن سے کہی تھیں وہ اُن کے سامنے دہرا کر اُن کی رائے دریافت کی۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا:

"امیرالمومنین! حضرت عثمانؓ کے بعد جو خونریزی ہوئی اور جس طرح اختلاف برپا ہوا وہ اب آپ کے سامنے ہے۔ یزید آپ کا بیٹا ہے اور آپ

کی جانشینی کے فرائض بخوبی بجا لا سکتا ہے۔ آپ اسے ولی عہد مقرر کر دیجئے تاکہ اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو وہ مسلمانوں کے لئے پشت پناہ ثابت ہو اور آپ کی جانشینی کے فرائض بحسن و خوبی سرانجام دے سکے۔ اس طرح خونریزی اور فتنہ و فساد کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہے گا۔"

معاویہؓ نے یہ سن کر کہا:۔

"لیکن اس بات کا کیا ذمہ ہے کہ کام سکون و اطمینان سے انجام پا جائے گا۔"

حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا:۔

"اہل کوفہ کا ذمہ تو میں لیتا ہوں۔ اہل بصرہ کو ہموار کرنے کا کام زیاد اچھی طرح کر سکتا ہے۔ جب ان دونوں شہروں کے باشندے یزید کی ولی عہدی قبول کر لیں گے تو اور کسی شخص کی مجال نہیں ہوگی کہ وہ اس تقرر کی مخالفت کر سکے۔"

کتب سیر میں لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے حضرت مغیرہؓ کو معزول کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق کوفہ جا کر یزید کی ولی عہدی کے لئے لوگوں کو آمادہ کریں

اس قرارداد کے مطابق حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کوفہ گئے اور وہاں یزید کی بیعت کے لئے کوشش کرنے لگے۔ جس پر امویوں کے مددگاروں نے خوشی سے یزید کی بیعت کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ دیکھ کر آپ نے اُن میں سے دس آدمیوں کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا، جنہوں نے جاکر تمام اہل کوفہ کی طرف سے بڑے اصرار کے ساتھ یہ بات کہی کہ یزید ہی کو ولی عہد بنایا جائے۔ اس پر حضرت معاویہؓ کے عزم میں مضبوطی ہوگئی اور وہ مطمئن ہوگئے کہ مغیرہ اس اہم کام کو کامیابی کے ساتھ پائیہ تکمیل کو پہنچا سکیں گے اور کوفہ والے بڑی خوشی سے یزید کی ولی عہدی قبول کرنے پر رضامند ہو جائیں گے۔

کوفہ کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد حضرت معاویہؓ نے بصرہ کی طرف توجہ کی اور وہاں کے حاکم زیاد کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھ کر اس کی رائے دریافت کی۔ زیاد کی رائے اس کے موافق نہ تھی۔ اُس نے جواباً لکھا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کیجئے اور خوب سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھائیے کیونکہ یزید میں خلافت کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔ اُس نے اپنے خط میں لکھا کہ یزید میں سستی اور کاہلی بے حد ہے اور وہ سلطنت کے

یزید زیاد کی نظر میں

امور میں دلچسپی لینے کی بجائے سیر و شکار میں اپنا وقت زیادہ صرف کرتا ہے۔"

جب زیاد کا قاصد دمشق پہنچا اور یزید کو زیاد کی رائے سے آگاہ کیا گیا تو یزید نے ان باتوں کو، جن کی نشاندہی زیاد نے کی تھی، ترک کرنا شروع کیا اور اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر جب حضرت معاویہؓ کو زیاد کا خط ملا تو آپ نے حاکم عراق کے مشورہ کو قبول کر لیا اور اس معاملہ میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔

دن گزرتے رہے اور اس معاملہ میں بالکل خاموشی رہی۔ اسی دوران میں زیاد کا انتقال ہو گیا۔ اب حضرت معاویہؓ بھی بہت ضعیف ہو گئے تھے اور انہیں اپنے جسم میں بے حد کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر آخر کار آپ نے یزید کی ولی عہدی کے بیعت لینے کا ارادہ کر ہی لیا اور سب سے پہلے عامل مدینہ مروان بن حکم کو یہ خط لکھا:۔

"میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میری وفات کے بعد کہیں امت میں اختلاف

نہ پیدا ہو جائے۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین کا تقرر کر جاؤں۔ اس کے لیے مجھے لوگوں کا مشورہ درکار ہے۔ تم لوگوں کو جمع کر کے یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھو اور ان کی آراء سے مجھے مطلع کر دو۔"

یہ خط پہنچنے پر مروان نے انصار اور حضرت معاویہؓ کے حامیوں کو بلایا اور حضرت معاویہؓ کا خط انہیں پڑھ کر سنا دیا۔ اس پر سب لوگوں نے حضرت معاویہ کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ "ہاں ضرور جانشینی کا مسئلہ طے ہو جانا چاہیئے۔" چنانچہ مروان نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت معاویہؓ کا جواب آیا کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ مروان نے مسجد میں یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنا دیا۔

یہ سن کر لوگوں میں ہیجان و اضطراب برپا ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے اٹھ کر کہا:

"تم لوگوں کے پیش نظر امت محمدیہ کی بھلائی اور خیر خواہی نہیں ہے

بلکہ تم یہاں قیصری نظام قائم کرنا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مر جائے تو اس کی جگہ اُس کا بیٹا تخت پر بیٹھے۔"

حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی اُٹھ کر یزید کو ولی عہد بنانے کی مخالفت میں تقریریں کیں۔ اس طرح ایک جماعت یزید کی ولی عہدی کے خلاف کھڑی ہو گئی۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے اس مخالفت کی پرواہ نہ کی اور اپنے عمال کو لکھا کہ وہ لوگوں سے یزید کیلئے بیعت لیں اور وفود روانہ کریں۔ جو یہاں آکر اعلان کریں کہ رعایا یزید کی ولی عہدی پر راضی ہے۔

چنانچہ یہ وفود دمشق آئے اور ان کی طرف سے ضحاک بن قیس فہری نے حضرت معاویہؓ سے درخواست کی کہ ان سے یزید کے لیے بیعت لے لی جائے حضرت معاویہؓ نے اطمینان کا سانس لیا اور ان وفود کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں اسلام اور خلافت کا ذکر کیا۔ یزید کی فضیلت اور اس کے سیاسی تدبر کا ذکر کیا اور بتلایا کہ اُس کی بیعت کر لینے سے مسلمان متحد رہیں گے جس کے باعث تمام مملکت میں امن قائم رہے گا۔
خطبہ دینے کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کے لئے بیعت لی

تاہم یہ بیعت عام نہیں تھی بلکہ خاص خاص آدمیوں اور وفود سے لی گئی تھی۔

اس وقت لوگ دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ پہلے گروہ نے تو بیعت کرنے سے کھلم کھلا انکار کر دیا تھا۔ البتہ دوسرا گروہ خوف اور طمع کے باعث بیعت کرنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اس صورت حال کی تصویر احنف بن قیس کی ایک گفتگو سے منظرِ عام پہ آتی ہے جب حضرت معاویہؓ نے اس بارہ میں اُن کی رائے پوچھی تو انھوں نے کہا:

"اگر ہم سچ بات کہتے ہیں تو آپ کی ناراضگی کا ڈر ہے اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو خدا تعالیٰ کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ امیر المومنین! آپ کو یزید کی زندگی، اس کے دن رات کے مشاغل اور اس کے خفیہ اور علانیہ افعال کا اچھی طرح پتہ ہے۔ اگر آپ کو یقین ہے کہ اس کو اپنا جانشین مقرر کرنے سے آپ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخرو ہو سکیں گے اور اس کے ولی عہد ہونے میں درحقیقت امت کی بھلائی مضمر ہے تو آپ کو ہم سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ لیکن اگر ایسا نہیں تو یزید کو ولی عہد مقرر کر کے اپنی عاقبت نہ بگاڑیئے۔ ہم تو بہرحال آپ کے خادم

ہیں۔ وہی کریں گے جس کا آپ ہمیں حکم دیں گے۔"

لیکن حضرت معاویہؓ یزید کو ولی عہد بنانے کا تہیہ کر چکے تھے۔ ان پر کوئی مشورہ کارگر نہ ہو سکا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کے عہد میں مملکت کے حالات پرسکون ہو چکے ہیں۔ داخلی اور خارجی طور پر مکمل امن قائم ہو چکا ہے اور ان کی سلطنت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو چکی ہے۔ اس لئے یزید کو ان کے بعد اہم خطرات سے دوچار ہونا نہیں پڑے گا اور وہ اطمینان سے کاروبار حکومت چلا سکے گا۔ باقی رہے اس کے ذاتی اخلاق و عادات، تو وہ ان کی وسیع و عریض مملکت کے انصرام کی راہ میں چنداں حائل نہیں ہو سکیں گے۔ ساتھ ہی ان کے دل میں یہ خیال بھی پوری سختی کے ساتھ جاگزیں ہو چکا تھا کہ صرف یزید ہی ان کا جانشین ہونے اور اس سلطنت کا وارث بننے کا حق دار ہے۔ جس کی بنیادیں اس کے باپ کے ہاتھوں خوب اچھی طرح مضبوط ہو چکی ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ مختلف تدابیر لوگوں کو رام کرنے کے لئے اختیار کیں۔ آپ ہر شخص سے خواہ وہ آپ کا کتنا ہی شدید دشمن اور مخالف کیوں نہ ہوتا، مدارات اور تلطف سے

پیش آتے اور اسے کثیر انعام و اکرام سے نوازتے۔ اس حسنِ سلوک کا اثر یہ ہوا کہ اکثر لوگوں نے یزید کی ولی عہدی کے لئے بیعت کر لی۔

جب اہلِ شام اور اہلِ عراق کی بیعت ہو چکی تو آپ بیعت لینے مدینہ تشریف لائے۔ وہاں حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ لیکن انہوں نے آپ کو کوئی امید افزا جواب نہیں دیا۔ اس پر وہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس گئے اور ان سے ان لوگوں کی شکایت کی کہ یہ لوگ یزید کی ولی عہدی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ ساتھ ہی دھمکی بھی دی کہ اگر یہ اپنی کارروائی سے باز نہ آئے اور یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہ کی تو انہیں ان کے خلاف سخت قدم اٹھانا پڑے گا۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں نرمی برتنے اور معاملہ کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرنے کی تلقین کی۔ اس پر حضرت معاویہؓ پھر ان تینوں حضرات سے ملے اور بہت کچھ ہدایا اور تحفے پیش کئے۔ ازاں بعد حرفِ مطلب زبان پر لائے۔ اس پر حضرت ابنِ زبیرؓ بولے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ تین باتوں میں سے ایک بات قبول کر لیں۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا: "وہ باتیں بیان فرمائیے۔"
ابن زبیرؓ نے کہا "وہ تین باتیں یہ ہیں کہ:۔
(۱) آپ اس معاملہ میں وہی کیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا،
(۲) اگر یہ منظور نہیں تو وہ کیجئے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا تھا۔
(۳) اگر یہ بھی منظور نہیں تو حضرت عمرؓ کا طریق کار استعمال کیجئے۔"
حضرت معاویہؓ نے پوچھا: "ان بزرگوں نے کیا کیا تھا؟"
ابن زبیرؓ نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانشین مقرر کئے بغیر وفات پا گئے۔ آپ کے بعد لوگوں نے بطور خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔"
حضرت معاویہؓ نے جواب دیا: "آج کل ابوبکرؓ جیسے لوگ کہاں ہیں؟ اگر میں نے اپنی زندگی میں اپنے جانشین کا تقرر نہ کیا تو بعد میں سخت اختلاف کا اندیشہ ہے۔"

ابن زبیرؓ نے کہا: "آپ سچ فرماتے ہیں۔ اِس لئے وہ کیجئے جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ انہوں نے قریش کے ایک شخص کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔ جو اُن کے بیٹوں یا عزیزوں میں سے نہ تھا لیکن اگر آپ یہ بھی نہیں کر سکتے تو وہ کیجئے جو حضرت عمرؓ نے کیا تھا۔ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے چھ آدمیوں کی ایک مجلسِ شوریٰ مقرر کر دی تھی۔ جس میں نہ اُن کا کوئی بیٹا شامل تھا اور نہ کسی بیٹے کا بیٹا۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا: "کیا اِن صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت بھی ممکن ہے؟"

ابن زبیرؓ نے جواب دیا: "نہیں۔"

حضرت معاویہؓ کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا۔ "آپ صاحبان کیا کہتے ہیں؟"

انہوں نے کہا: "ہمارا بھی وہی خیال ہے جو ابن زبیرؓ نے آپ سے کہا ہے۔"

اس پر حضرت معاویہؓ بولے: "میں اِس وقت آپ صاحبان سے

ہمیں دھمکی دی تھی کہ اگر ہم نے ایک لفظ بھی اس معاملہ کے متعلق اپنی زبانوں سے نکالا تو ہماری گردنیں تن سے جدا کر دی جائیں گی"۔[1]

اس طرح لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی اور خلافت اسلامی جمہوریت سے موروثی بادشاہت میں تبدیل ہو گئی۔

---

[1] مولف کتاب ہذا کا یہ بیان کچھ بہت عجیب سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ :-

(۱) اس طرح اُن جلیل القدر صحابہ پر بزدلی کا الزام عاید ہوتا ہے خصوصاً حضرت امام حسینؓ جیسے غیور اور شجاع انسان پر۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ حسینؓ جنہوں نے حق کی خاطر کربلا میں اپنی جان قربان کر دی۔ اس موقعہ پر تلوار کے ڈر اور جان کے خوف سے کلمۂ حق کہنے میں سکوت اختیار کر لیتے؟

(۲) پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل مدینہ دیکھ رہے تھے کہ ان تین بزرگوں کے سر پر دو دو آدمی تلواریں سونتے کھڑے ہیں تو انہوں نے کس طرح یقین کر لیا کہ انہوں نے برضا و رغبت بیعت کر لی ہے؟ اگر بالفرض انہیں یقین آبھی گیا تھا تو بعد میں جب انہیں اصل واقعات کا پتہ چلا اس وقت انہوں نے اس کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی؟ (مترجم)

حضرت معاویہؓ کی سیاست

حضرت معاویہؓ کی شخصیت گوناگوں صفات کی حامل تھی۔ آپ ایک اعلیٰ ترین سیاست دان، بہت بڑے مدبر، بے حد حلیم، نہایت بردبار اور بے نظیر عقل و دانش کے مالک تھے۔ یہ صفات ایسی ہیں جو شاذ و نادر ہی کسی فرد واحد میں جمع ہوتی ہیں۔

خلافت حاصل ہونے سے قبل بھی ایک لمبے عرصہ تک آپ کو مختلف ذمہ داریاں تفویض کی جاتی رہیں جن سے آپ کو اپنی ذہنی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں کافی مدد ملی۔ اس طویل تجربہ ہی کا نتیجہ تھا کہ خود مختاری ملنے پر حکومت کے نظم و نسق کو کامیابی کے ساتھ چلانے میں آپ کو کوئی

وقت پیش نہیں آئی۔ اور آپ نے اپنے عہد میں مملکت کا انتظام نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ سنبھالے رکھا۔

اسلام لانے کے بعد امیر معاویہؓ کی ترقی و عروج کی ابتداء اس وقت سے ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا کاتبِ وحی مقرر فرمایا۔ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اسلامی لشکر شام اور عراق کی طرف بھیجے جانے لگے تو آپ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کو شامی افواج کا سپہ سالار اور فتوحات کے بعد وہاں کا والی مقرر کیا گیا۔ یزید کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو شام کا والی مقرر فرمایا اور وہ کامل بیس سال تک وہاں کے حاکم رہے۔

شام کا ملک حضرت معاویہؓ کے لئے بہترین تربیت گاہ ثابت ہوا۔ جہاں انہوں نے سیاست اور نظم و نسق کے طریقوں سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت حاصل کی۔ ایرانیوں اور رومیوں کے میل جول سے آپ کے سامنے فکر و نظر کے نئے نئے میدان کھل گئے اور خیالات میں نہایت وسعت پیدا ہوئی۔ جس تدبّر سے آپ نے حکومت کی اور جن تدابیر سے کام لے کر آپ نے مخالف حالات کا مقابلہ کیا، اس کی لیاقت آپ میں وراثتاً موجود

تھی۔ آپ کے والد ابوسفیان (جن کا شمار قریش مکہ کے بڑے بڑے سرداروں میں ہوتا تھا) اکثر تجارتی قافلوں کے ہمراہ مختلف ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ انہیں وہاں جاکر ان ممالک کے باشندوں کے طور و طریق ان کے افکار و خیالات اور وہاں کی طرز حکومت کے مطالعہ کا بہترین موقع ملتا تھا جس سے ان کی سیاسی عقل نہایت تیز ہوگئی تھی۔ یہی لیاقت حضرت معاویہؓ کو ورثہ میں ملی۔

حضرت معاویہؓ میں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے، ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان کے غیظ و غضب اور جوش و خروش کو نرمی و بردباری اور عطایا و صلات سے فرو کرنے کا بڑا ملکہ تھا۔ ان کی نرمی اور بردباری اپنے بیگانوں و انصار اور مخالفین سب کے ساتھ یکساں تھی۔ اپنے عہد میں تلوار کا استعمال انہوں نے بہت کم کیا۔ جب تک انہیں کامل یقین نہ ہو جاتا۔ کہ مخالفین پر سختی نہ برتی گئی تو یہ چیز ان کی سلطنت کے لئے سخت خطرہ کا باعث ہوگی، اس وقت تک وہ تلوار کو میان سے نہ نکالتے تھے۔ آپ کی نرمی اور بردباری ضرب المثل بن چکی تھی۔ آپ نے اپنے مخالفین سے حسن سلوک کرکے آئندہ آنے والے حکام کے لئے سیاست میں ایک نئی

مثال قائم کردی اور آپ کی شخصیت فرمانرواؤں کے لئے آج تک ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس سے حکامِ وقت اپنے لئے راہِ عمل متعین کر سکتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے:۔

"میں اُس وقت تک اپنی تلوار نہیں اٹھاتا۔ جب تک میرا دُرّہ کام دیتا رہتا ہے۔ اور میں اُس وقت تک اپنے دُرّے کو استعمال نہیں کرتا۔ جب تک میری زبان کام دے سکتی ہے۔ اگر میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان بال برابر بھی تعلق قائم ہو تو وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب لوگ اُسے کھینچیں گے تو میں اُسے ڈھیلا چھوڑ دوں گا۔ اور جب وہ اُسے ڈھیلا چھوڑیں گے تو میں اُسے کھینچ لوں گا۔"

ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ آپ نے سختی سے کام لینا شروع کر دیا ہے تو آپ نے فرمایا:۔

"میں اُس وقت تک لوگوں اور اُن کی زبانوں کے درمیان حائل نہیں ہوتا۔ جب تک وہ میرے اور میری حکومت کے درمیان حائل نہیں ہوتے۔"

دراصل یہ کہنے سے آپ کا مقصد حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کے قتل کے واقعے کو جائز ٹھیرانا تھا۔ آپ ابتدا میں ان لوگوں سے اتنہائی درگزر سے پیش آتے رہے۔ لیکن جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ انہوں نے عوام کو کھلم کھلا آپ کے خلاف بغاوت پر اکسانا اور اہل بیت کی خلافت کا زور شور سے پروپیگنڈا کرنا شروع کردیا۔ تب آپ کی بھی طاقتِ احتساب حرکت میں آئی اور آپ نے انہیں قتل کرادیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت معاویہؓ اس وقت تک لوگوں کے خیالات اور عزائم سے تعرض نہ کرتے تھے۔ جب تک انہیں بغاوت کے پھوٹ پڑنے اور فتنہ کے پھیل جانے کا ڈر نہ ہوتا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ اکثر لوگ اپنی زبانوں سے ایسی ایسی باتیں نکالتے اور اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جنہیں پورا کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ساتھ ہی تمام لوگوں کی رضا اور خوشنودی کا حصول بھی ناممکنات میں سے ہے اس لئے جب تک معاملہ باتوں تک محدود رہتا اور اس سے بغاوت اور فتنہ انگیزی کا اندیشہ نہ ہوتا اُس وقت تک آپ لوگوں کو خیالات و افکار کی آزادی سے بہرہ ور کرتے رہتے تھے۔ لیکن جب معاملہ اس حد تک بڑھ

جاتا کہ لوگ اپنے باغیانہ ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے طاقت کے استعمال کو ضروری خیال کرنے لگتے اور ملک میں ایک عام فساد اور شورش برپا کر دیتے، تب آپ یقیناً "سختی" کا سلوک کرتے تھے اور ایسے لوگوں کی طاقت وقوت کو بزور کچل کر رکھ دیتے تھے۔ تاہم آپ تمام حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے اور برابر اپنے مشیروں سے ملکی معاملات کے متعلق مشورہ کرتے رہتے تھے۔ اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہوتا کہ وہ آپ کے دشمنوں سے تعلقات مودت رکھتا ہے یا ایسی باتیں اپنے منہ سے نکالتا ہے جو آپ کے خلاف ہوتی ہیں یا ایسی رائے دیتا ہے جو آپ کی رائے کے برعکس ہوتی ہے۔ تب بھی آپ اسے کوئی اہمیت نہ دیتے تھے اور جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ جب تک وہ کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ نہ ہو جاتا تھا اس سے تعرض نہ کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اپنی سلطنت کے استحکام اور اپنی سیاسی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے کئی موثر طریقے استعمال کئے۔ آپ نے مساجد اور فوجی چھاؤنیوں میں مقررین اور واعظین کا تقرر کیا جو لوگوں کے سامنے آپ کی تعریف و توصیف، حکومت کی شان و شوکت اور آپ کے کارناموں کی داستانیں بیان کیا کرتے تھے۔ اس طریقہ کی ابتدا، اس طرح ہوئی، کہ

حضرت علیؓ نے صفین سے واپسی پر نمازوں میں اپنی فتح کے لئے دعائیں مانگنی اور اپنے مخالفین کے لئے بددعائیں کرنی شروع کیں۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے بھی اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہا۔ چنانچہ آپ نے بعض لوگوں کو اس غرض کے لئے چنا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ صبح اور مغرب کی نمازوں کے بعد ان کی اور اہل شام کی تعریف و توصیف بیان کیا کریں جس سے لوگوں کے دل آپ کی طرف مائل ہوں۔ دمشق کے علاوہ مملکت کے دیگر شہروں میں بھی آپ نے یہی طریقہ رائج کر دیا۔

اس طرح جابجا مجالس کا سلسلہ شروع ہوگیا، جن میں یہ مقررین لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے، اپنی تقریروں کے ذریعے انہیں حکومت کا مطیع و فرمانبردار بنے اور سلطنت کے استحکام کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ طریق کار یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد امام سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد حضرت معاویہؓ آپ کے خاندان اور آپ کے لشکروں کی تعریف و توصیف شروع کر دیتا اور آپ کی کامیابی اور آپ کے

دشمنوں اور مخالفوں کی ناکامی کے لئے دعائیں مانگتا۔ بعض واعظین تقریر اور دعا کے وقت اپنے ہاتھ بھی اُٹھا لیتے۔ مثلاً سلیم ابن عتر، جو حضرت عمرو بن العاص کے زمانہ میں آپ کی فوج میں اسی غرض کے لئے مقرر تھا، ہاتھ اٹھا کر لمبی دعائیں مانگا کرتا تھا۔

تاریخ سے صرف اسی قدر ثابت ہے کہ واعظین اور مقررین اپنی تقریروں میں حضرت معاویہؓ کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے اور آپ کی کامیابی اور آپ کے مخالفین کی ناکامی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لیکن جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ہر خطبہ کے بعد حضرت علیؓ کو بُرا بھلا کہنے اور آپ پر لعن طعن کرنے کی رسم جاری کی یہ بالکل بے بنیاد ہے اور تاریخ سے اس کا کوئی واقعی ثبوت نہیں ملتا۔ یہ رسم در اصل مروان بن حکم نے جاری کی تھی۔ حضرت معاویہؓ اس الزام سے قطعی طور پر بری ہیں[1]۔ البتہ

---

[1] اپنے دشمنوں کو بر سرِ عام بُرا بھلا کہنے کی رسم جو پہلی صدی ہجری میں شروع ہو چکی تھی۔ آج بھی اپنے مخالفین کا مقابلہ کرنے اور اُن سے انتقام لینے کا ایک آسان ذریعہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ رسم تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ہنوز اسی طرح برقرار ہے اور مختلف طبقوں کی طرف سے خلفائے راشدین، نیز امویوں اور عباسیوں پر بدستور لعن و طعن جاری ہے۔ بعض لوگ تو سب و شتم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱ پر)

حضرت علیؓ اپنے خطبوں اور تقریروں میں امویوں کو برابر بُرا بھلا کہتے رہتے تھے جس کا نتیجہ آپ کی توقعات کے بالکل برعکس نکلا اور لوگوں کے دلوں میں اندر ہی اندر خود آپ ہی کے خلاف ناراضی کے جذبات پرورش پانے لگے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۰) کو اپنے مذہب کا ایک جزو سمجھتے ہیں بعض کی دریدہ دہنی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ انہوں نے شیخینؓ کو نعوذ باللہ "بتانِ قریش" کا لقب دے رکھا ہے وہ ان کی پاکباز اولاد پر بھی طعن و تشنیع کرنے سے باز نہیں رہتے۔ عباسیوں کے زمانہ میں یہ رسم شدت سے جاری تھی۔ جو شخص ان کے اقتدار اور حکومت کی مخالفت کرتا وہ ان کے لعن طعن سے بچ نہ سکتا تھا۔ معتضد نے حسب سابق معاویہؓ کو برسرِ منبر برا بھلا کہنے کا سلسلہ جاری کیا ہوا تھا۔ لیکن اپنے وزیر کے متنبہ کرنے پر کہ اگر یہ سلسلہ بدستور جاری رہا تو بالآخر عوام بھڑک اٹھیں گے۔ وہ باز آگیا۔ معتمد نے مصر اور شام کی ولایت پر قبضہ کر لینے کی وجہ سے ابنِ طولون کو بھی منبروں پر بُرا کہنے کا حکم دے رکھا تھا۔ چنانچہ بغداد اور تمام عراق کی مسجدوں میں اس کے خلاف سب و شتم کا سلسلہ جاری تھا۔ اس کے جواب میں ابن طولون بھی مصر کی تمام مسجدوں میں معتمد پر لعنت و ملامت کرایا کرتا تھا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اگر اس مسئلہ کو دیکھا جائے تو سوائے کفار پر لعنت بھیجنے کے اور کسی پر لعنت بھیجنی جائز نہیں ہے۔ (مؤلف)

حضرت علیؓ کی طرح حضرت معاویہؓ سے بھی ایک زبردست سیاسی غلطی سرزد ہوئی اور وہ یہ کہ آپ نے اپنی مروجہ سیاست کے بالکل برعکس (جو نرمی اور بردباری پر مبنی تھی) عراق میں زیاد کو کھلی چھٹی دے دی۔ کہ وہ وہاں کے لوگوں سے جیسا برتاؤ چاہے کرے۔ اس کے نتیجہ میں وہاں کے لوگوں میں حضرت معاویہؓ کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرنے لگے۔ حالانکہ آپ کو چاہئے تھا کہ عراق میں اپنی سیاست کو دوسرے علاقوں میں رائج کردہ سیاست سے ہم آہنگ رکھتے۔

لعن وطعن کا یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہوا کہ حضرت علیؓ کے حامی اپنی جگہ امویوں پر کھلم کھلا سب وشتم کرنے لگے اور اموی حضرت علیؓ کے حامیوں کو لعنت وملامت کے تیروں کا نشانہ بنانے لگے۔ چنانچہ ایک ہزار ماہ تک حضرت علیؓ کو منبروں پر برا بھلا کہا جاتا رہا۔ بالآخر حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے عہد میں اس بدعت کو ختم کیا جس آیت سے سے آپ نے استدلال کر کے اس فعل شنیع کو رد کیا وہ یہ تھی ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (اے ہمارے پروردگار! ہم پر اور ہمارے ان بھائیوں پر اپنی مغفرت نازل فرما جو ہم سے پہلے

ایمان لائے) ایک اور روایت کے بموجب آپ نے اس آیت سے استدلال کیا تھا۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر (یقیناً اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور قریبی عزیزوں کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے۔ نیز فحش اور نامعقول باتوں سے روکتا ہے)

جہاں اموی منبروں پر چڑھ کر حضرت علیؓ اور علویوں کو برا بھلا کہتے تھے۔ وہاں علوی بھی ہر نماز کے بعد بنو امیہ پر لعنت بھیج کر اپنے دلوں کو ٹھنڈا کرتے تھے۔

حضرت معاویہؓ حضرت عمرؓ بن الخطاب کی طرح اپنی رعیت کے احوال جاننے کے بڑے خواہشمند تھے تاکہ ان کی تکالیف کو دور کیا جائے آپ ہی کی پیروی میں زیاد بن ابیہ، عبدالملک اور حجاج نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔

جہاں تک حضرت معاویہؓ کے اپنے خاندان (بنو امیہ) کے ساتھ تعلق کا سوال ہے بغیر کسی شک وشبہ کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ

آپ نے انہیں ڈھیل دینے اور اس طرح فتنہ فساد کو بھڑکانے کی غلطی
نہیں کی۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اپنے قریبی
عزیزوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن آپ نے انہیں کبھی عراق
جیسے اہم علاقے کی ولایت سپرد نہیں کی۔ کیونکہ اس طرح وہاں شورش
اور بدنظمی کا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ انہوں نے بنو امیہ کو زیادہ تر حجاز جیسے
پرسکون علاقوں کی ولایت سپرد کرنے پر ہی اکتفا کی۔ جب کبھی اپنے
خاندان کے کسی شخص کو آپ حاکم بنانا چاہتے تو سب سے پہلے اسے
طائف کا والی بناتے۔ اگر وہ وہاں اپنا کام حسن و خوبی کے ساتھ انجام
دیتا اور وہاں کے باشندے اس سے مطمئن ہوتے تو مکہ کی ولایت بھی اس
کے سپرد کر دیتے۔ اگر ان دونوں شہروں میں وہ اپنا کام تسلی بخش طور پر
انجام دیتا اور حضرت معاویہؓ کی توقعات کو بہتر طریقے سے پورا کرتا تو طائف
اور مکہ کے علاوہ اسے مدینہ کا والی بھی بنا دیتے۔ لیکن ان والیوں کو
برابر متنبہ کرتے رہتے تھے کہ ان کے مستقبل کی بہتری اور آئندہ ترقی کا
مدار صرف اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک خلیفہ کی سچی فرمانبرداری اور
خدمت گزاری کرتے ہیں۔

حضرت معاویہؓ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اپنے قریبی عزیز یا قبیل کی فروگذاشتوں اور کسی حد تک خودسری کو برداشت کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امیر معاویہؓ کو خوف تھا کہ اگر انہیں ڈھیل دی گئی تو کہیں وہ اپنے علاقہ میں اپنے قدم مضبوطی سے نہ جمالیں۔ کیونکہ بنو امیہ میں سے ہر شخص اس بات کا دعویدار تھا کہ معاویہؓ کے بعد وہی خلافت کا حق دار ہے اور آپ کے بعد سلطنت کا تاج اسی کے سر پر رکھا جانا چاہیئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امویوں نے ہر موقع پر حضرت معاویہؓ کی زبردست اعانت کی تھی اور انہی کی امداد کے بل بوتے پر آپ خلافت کی گدی پر متمکن ہو سکے تھے۔ اس لیے طبعی طور پر حکومت میں ان کا زیادہ حق ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن آپ نے انہیں اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ آپ ملکی اقتدار، حکومت کا غلبہ اور خلافت کی شان و شوکت اپنے بیٹے اور بنو سفیان کی اولاد میں ہی دیکھنا چاہتے تھے آپ کے اسی اندازِ فکر کے باعث مروان اور دیگر امویوں میں آپ کے خلاف غیظ و غضب کے جذبات مشتعل ہونے لگے تھے۔

حضرت معاویہؓ نے بنو امیہ کو ہدایا اور تحائف دینے میں کبھی بخل

سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اس معاملہ میں نہایت فراخ دلی برتی اور انہیں ہمیشہ گراں قدر وظائف سے نوازا لیکن ان بیش قرار عطایا اور بخششوں کے باوجود انہیں کبھی مملکت کے امور میں زیادہ اثر اور رسوخ بڑھانے کی اجازت نہیں دی اور عراق جیسے اہم علاقوں کی ولایت سے انہیں بالکل محروم رکھا۔ البتہ آپ کے بھائی عتبہ (جنہیں آپ نے مصر کا حاکم بنایا) اور عبداللہ بن عامر (جنہیں بصرہ کی ولایت سپرد کی) اِس قاعدہ سے مستثنیٰ تھے۔ آپ نے ان دونوں کو بعض خاص اسباب کی بناپر بامرِ مجبوری اِن علاقوں کا حاکم مقرر کیا تھا۔

اِس ذیل میں حضرت معاویہؓ کی ایک عجیب عادت کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا۔ وہ عادت یہ تھی کہ آپ اکثر اوقات سیاسی جوڑ توڑ کے ذریعہ اپنے ان اقارب کے درمیان نفرت کے جذبات پیدا کر دیا کرتے تھے۔ جن کے متعلق آپ کو خوف ہوتا تھا کہ کہیں وہ اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ یزید اور اس کی اولاد کے لئے خطرہ کا باعث نہ بن جائیں۔ اِس سلسلہ میں مروان بن حکم اور سعید بن عاص کی طرف سے آپ کو خاص طور پر اندیشہ لگا رہتا تھا۔ مروان بنو امیہ کا نہایت معزز فرد تھا اور سعید بن عاص بھی بنو امیہ

میں زبردست اثر و رسوخ رکھنے والا شخص تھا۔

۵۴ھ (۶۷۴ء) میں حضرت معاویہؓ نے سعید بن عاص کو مدینہ کی ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ مروان کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے سعید بن عاص کو لکھا کہ "وہ مروان کا گھر منہدم کر دے، اس کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لے اور فدک کی جو جاگیر اسے دی گئی تھی۔ اس سے واپس لے لے۔" لیکن سعید بن عاص نے اس حکم پر عمل نہ کیا اور خاموش ہو رہا۔ حضرت معاویہؓ نے دوبارہ یاددہانی کرائی۔ لیکن سعید پھر بھی خاموش رہا۔ مگر دونوں فرمان سنبھال کر رکھ لئے۔

جب ادھر سے کوئی جواب نہ گیا تو حضرت معاویہؓ نے ناراض ہو کر سعید کو معزول کر کے مروان کو اس کی جگہ حاکم بنا دیا اور لکھا کہ "سعید بن عاص کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے اور اس کے گھر کو منہدم کر دیا جائے" مروان نے حکم کی تعمیل کرنی چاہی اور سعید کے گھر کو منہدم کرنے کیلئے موقعہ پر پہنچ گیا۔ سعید نے اس سے کہا:

"اے ابوعبدالملک! کیا تم میرا گھر منہدم کر دو گے؟"

مروان نے جواب دیا "بیشک! امیر المومنین نے مجھے ایسا کرنے کے لئے لکھا ہے۔ اگر وہ تمہیں میرا گھر منہدم کرنے کا حکم دیتے تو تم بھی ضرور حکم کی تعمیل کرتے۔"

سعید نے کہا "میں تو ایسا نہ کرتا۔"

مروان نے جواب دیا "میں کس طرح یقین کر لوں؟"

اس پر سعید نے اپنے غلام سے حضرت معاویہؓ کے خطوط لانے کو کہا۔ چنانچہ وہ دونوں خط لے آیا۔ جب مروان نے انہیں پڑھا تو اسے بڑا تعجب ہوا اور اس نے سعید سے پوچھا کہ "جب امیر المومنین نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا تھا تو تم نے حکم کی تعمیل کیوں نہ کی اور مجھے اس مطلع کیوں نہ کیا؟"

سعید نے کہا: "بات دراصل یہ ہے کہ امیر المومنین نے ہم دونوں کے درمیان عداوت پیدا کرنے کے لئے یہ طریق استعمال کرنا چاہا تھا ان کی سوائے اس کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ تمہیں مطلع کرنے کے لئے میں موقع کا منتظر تھا جواب آگیا ہے۔"

مروان نے کہا "خدا کی قسم! تم مجھ سے بہتر ہو۔" یہ کہہ کر وہ لفٹ

حکم کی تعمیل کئے واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سعید نے حضرت معاویہؓ کو حسب ذیل خط لکھا:۔

" امیر المومنین نے باوجود حد درجہ حلیم اور بردبار ہونے کے ہم قرابت داروں میں نفاق اور پھوٹ ڈلوانے، قطع رحمی کرنے اور ہماری اولاد دل میں بھی ایک دوسرے سے نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے۔ اس سے مجھے بے حد تعجب ہوا۔ خدا کی قسم! اگر ہم ایک باپ کی اولاد نہ ہوتے تو ہم امیر المومنین خلیفہ مظلوم کی حمایت کیلئے کبھی جمع نہ ہوتے۔ اس اتحاد و اتفاق کا یہ تقاضا تھا کہ امیر المومنین بھی اس کی نگہداشت کرنے اور اسے مضبوط کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش کرتے۔"

اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ کا معذرت کا خط آیا اور آپ نے آئندہ ان سے حسن سلوک کرتے رہنے کا وعدہ کیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک مرتبہ سعید حضرت معاویہؓ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے مروان کے متعلق پوچھا۔ اس نے بہت اچھے الفاظ میں اس کا ذکر کیا جس پر آپ کہنے لگے:۔

"اس امر کی کیا وجہ ہے کہ تمہارے اور مروان کے درمیان مخالفت نہیں ہوئی؟"

اس نے جواب دیا۔

"میں ڈرتا تھا کہ چونکہ مروان کو بنو امیہ میں بڑی مضبوط پوزیشن حاصل ہے۔ اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس پر سختی کرنے سے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ دوسری طرف مروان کو بھی میری پوزیشن کا احساس تھا۔ اس لئے اس نے بھی مجھ سے سختی نہیں برتی۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا۔ "اب تمہارا اس کے ساتھ حسن سلوک کیسا ہے؟"

سعید نے جواب دیا۔ "میں ہر آن اس کی خیر خواہی چاہتا ہوں اور اس سے مروت سے پیش آتا ہوں۔"☆

حضرت معاویہؓ کے مددگار

حضرتؓ عمروؓ بن العاص، حضرتؓ مغیرہؓ بن شعبہ اور زیادؓ بن ابیہ کے علاوہ حضرت معاویہؓ کے سات بہترین مددگار اور بھی تھے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) عبدالرحمن بن خالدؓ بن ولید (۲) حبیب بن مسلمہ (۳) بسر بن ابی ارطاۃ (۴) ضحاک بن قیس (۵) ابوالاعور سلمی (۶) حمزہ بن مالک (۷) شرجیل بن سمط کندی۔ یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے ان زبردست معاونین میں سے ہیں جن پر آپ کو پورا اعتماد تھا۔ لہٰذا آپ مطمئن تھے کہ ان لوگوں کے سپرد جو کام بھی کیا جائے گا وہ اسے نہایت عمدگی اور خوبی کے ساتھ انجام دیں گے۔

ان لوگوں سے امیر معاویہؓ کا تعلق حاکم و محکوم سے زیادہ دوست اور محب کا تھا۔ ان پر جو اعتماد آپ کو تھا وہ زیاد، مغیرہؓ، مروان بن حکم اور سعید بن عاص پر بھی نہ تھا۔ زیاد اور امیر معاویہؓ کا رابطہ محض سیاسی مصلحت کی بنا پر تھا۔ امیر معاویہؓ کو زیاد کی ضرورت تھی اور زیاد کو حضرت معاویہؓ کی لیکن مندرجہ بالا لوگوں کا شمار آپ کے دلی دوستوں اور نہایت مخلص ساتھیوں میں تھا۔ ان میں سے اکثر ابھی شباب کی منزلیں طے کر رہے تھے کہ شام کی ابتدائی جنگوں میں اسلامی افواج کے ساتھ بھیج دئیے گئے بعض نے حضرت معاویہؓ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کے ماتحت قابل قدر کارنامے سرانجام دئیے۔ یزید کے بعد جب حضرت معاویہؓ شام کے حاکم مقرر کیے گئے تو ان لوگوں نے آپ کی ماتحتی میں کام کرنا شروع کیا اور ہر آڑے وقت میں آپ کی دل وجان سے خدمت کی۔ اس سے اُن کے اس تعلق اور اخلاص کا پتہ چلتا ہے جو انہیں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا۔

حضرت معاویہؓ نے (اور آپ کی تقلید میں آپ کے بعد آنے والے اموی سلاطین نے بھی) یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ اپنے مخلص اور مضبوط

والیوں کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تبدیل نہ کرتے تھے بلکہ انہیں جس جگہ مقرر کرتے تھے، آخر تک انہیں وہیں رکھتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت معاویہؓ کے اقتدار کی مضبوطی اور ان کی سلطنت کے استحکام میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوا۔ کیونکہ عمال کے تبدیل کر دینے سے نظم و نسق کی مضبوطی میں فرق آجاتا ہے اور لوگوں کے دلوں سے حکومت کی ہیبت جاتی رہتی ہے۔ خصوصاً اس موقع پر جب کہ کسی والی کی تبدیلی لوگوں کے اصرار پر عمل میں آئے۔

حضرت معاویہؓ ان باتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے زیاد کو اس وقت تک بصرہ کا حاکم مقرر کئے رکھا جب تک زیاد کو آسمان سے بلاوا نہ آیا۔ حضرت مغیرہؓ کو اس وقت تک کوفہ میں رکھا جب تک اُن کی وفات نہ ہو گئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص اُس وقت تک مصر کے حاکم رہے جب تک اُن کا انتقال نہ ہو گیا۔ اسی قسم کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔

لیکن حجاز میں حضرت معاویہؓ کی سیاست اس کے برعکس تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حجاز کے حالات اس بات کے مقتضی تھے کہ وہاں والیوں میں تبدیلی اور تغیر سے کام لیا جائے۔ بایں ہمہ حجاز میں بھی حضرت معاویہؓ

کے مقرر کردہ والیوں کی تعداد بہت کم ہے۔ وہاں ولایت میں رد و بدل عموماً اِس طرح ہوتا تھا کہ پہلے والی کے بعد دوسرا والی اور دوسرے کے بعد پہلا والی مقرر کر دیا جاتا۔

حضرت معاویہؓ صرف اُسی شخص کو والی مقرر کرتے تھے جس کے متعلق اُنہیں یقین ہوتا تھا کہ وہ اُن کی سلطنت کی مضبوطی کے لئے ہر دم کوشاں رہے گا۔ اور کسی وقت بھی اُن کی حمایت ترک کر کے اپنے قدم پیچھے نہ ہٹائے گا لیکن ہمارے اِس بیان کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کے پیشِ نظر محض اپنے اقتدار کی مضبوطی تھی۔ اور رعایا کی ضروریات اور تکالیف کا آپ کو احساس نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی شخص کو کسی علاقہ کا حاکم مقرر کرتے وقت آپ اِس بات کا بھی اچھی طرح اندازہ کر لیتے تھے کہ آیا یہ شخص رعایا کی خیر خواہی اور بھلائی میں کوشاں رہے گا؟ لوگوں کے حالات سے آگاہی حاصل کرے گا؟ ان کی تکالیف دور کرے گا یا اور ایسے طریقے اختیار کرے گا جن سے رعایا کو سکون اور آرام پہنچے گا؟ اِس اندازہ کے بعد بھی اگر والی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہتا تو آپ اُسے

کسی دوسری جگہ تبدیل کر دیتے تھے۔ آپ ایک حقیقی عامل چاہتے تھے۔ جو اپنی تمام ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھائے۔ ایسا عامل نہیں جو آپ کو صرف دولت اکٹھی کر کے دے۔ اس ذیل میں یہ واقعہ پڑھنے کے قابل ہے:۔

ایک مرتبہ زیاد نے والئ خراسان کو خط لکھا کہ " وہ مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والا سونا اور چاندی فوج میں تقسیم نہ کرے بلکہ حضرت معاویہؓ کو بھیج دے کیونکہ اُن کے تازہ خط سے اُن کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے۔" اس پر والئ خراسان نے جواب بھیجا کہ " آپ نے اپنے رقعہ میں امیرالمومنین کے خط کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میں ہمیشہ کتاب اللہ کو امیرالمومنین کے احکام پر مقدم سمجھتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس گستاخی کی پاداش میں مجھے مصائب جھیلنے پڑیں۔ لیکن میرا اعتقاد ہے کہ اگر کسی بندے پر زمین و آسمان بھی پھٹ پڑیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے آسانی کا سامان خود بخود مہیا فرما دے گا۔ والسلام۔"

یہ خط بھیجنے کے بعد والئ خراسان نے تمام سونا چاندی لوگوں میں تقسیم کرا دیا اور خلیفہ کے احکام کی پروا نہ کی۔ کیونکہ اس کے سامنے جو ضروریات تھیں۔ وہ حضرت معاویہؓ اور زیاد کے سامنے نہ تھیں

اِس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ایمان دار اور متدین عامل کو آزادی حاصل تھی کہ وہ لوگوں کی بھلائی کے لئے جو طریقہ چاہے اختیار کرے۔ خواہ اُسے ایسا کرنے میں خلیفہ کے احکام کی خلاف ورزی ہی کرنی پڑے۔

زیاد بیان کرتا ہے کہ" امیر المومنین نے صرف ایک مرتبہ مجھ پر غلبہ حاصل کیا۔ ہوا یہ کہ میں ایک شخص کو سزا دینی چاہتا تھا لیکن وہ بھاگ کر حضرت معاویہؓ کے پاس چلا گیا۔ حضرت معاویہؓ نے اسے کچھ نہ کہا اور دارالخلافہ میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اِس پر مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے اُنہیں لکھا کہ اگر مجرم لوگ میرے پاس سے بھاگ بھاگ کر آپ کے پاس پناہ گزیں ہوتے رہے تو اس طرح میرے کام میں سخت خلل واقع ہوگا اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ کا یہ خط آیا:۔

" یہ مناسب نہیں ہے کہ ہم دونوں عام لوگوں کے لئے ایک ہی سیاست استعمال کریں۔ ہم میں سے ہر شخص کا مقام علیحدہ ہے اور اسے اپنے مناسب مقام پر ہی کھڑا ہونا چاہیے۔ تمہارا مقام سختی اور شدت کا ہے تم لوگوں سے سختی برتو۔ میرا مقام نرمی اور رحم دلی کا ہے۔ میں لوگوں سے

نرمی اور رحم دلی برتوں گا۔ اسی طرح لوگ ہمارے ہاتھوں آرام حاصل کر سکتے ہیں۔"

حضرت معاویہؓ کی یہ بات یقیناً بڑی دوراندیشی اور عقل مندی پر مبنی تھی۔

روایات میں آتا ہے کہ اس زمانہ میں چار آدمیوں کا شمار چوٹی کے عقل مندوں میں کیا جاتا تھا (۱) حضرت معاویہؓ کا غور و فکر اور تدبر میں جواب نہ تھا۔ (۲) حضرت عمروؓ بن العاص کو بدیہہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ (۳) حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سیاست کی لاینحل گتھیوں کو سلجھانے میں اپنی نظیر آپ تھے اور (۴) زیاد ہر کام کو نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینے میں ماہر تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ عرب کے عقل مند ترین، صاحب الرائے اور ماہرین سیاست اشخاص یہ تھے (۱) حضرت معاویہ (۲) عمروؓ بن العاص (۳) مغیرہؓ بن شعبہ (۴) زیاد (۵) قیس بن سعد اور (۶) عبداللہ بن بدیل بن ورقاء۔ ان میں اول الذکر چار اشخاص حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور انہوں نے آپ کی حکومت مضبوط کرنے میں کوشش کا کوئی دقیقہ باقی

نہیں چھوڑا۔ موخر الذکر دو اشخاص حضرت علیؓ کی جماعت میں شامل تھے۔

حضرت معاویہؓ جہاں تک ممکن ہوتا تلوار استعمال کرنے کی بجائے دوسرے طریقوں سے اپنا کام نکال لیتے تھے لیکن جب دوسرے تمام طریقے ناکام ہو جاتے تھے تب تلوار استعمال کرنے اور سختی برتنے میں بھی آپ کو باک نہ ہوتا تھا۔ مصر پر آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص جیسے مدبر انسان کو حاکم بنایا تھا۔ کیونکہ مصر والے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں پیش پیش تھے اور انہیں مطیع کرنے کے لئے حضرت عمروؓ بن العاص جیسے والی ہی کی ضرورت تھی۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی وفات کے بعد آپ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو وہاں کا والی مقرر کیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں طائف کے والی اور وہاں کے صدقات کی وصولی کے نگران تھے۔ عتبہ بہت فصیح البیان مقرر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بنو امیہ میں ان جیسا کوئی خطیب پیدا نہیں ہوا۔ وہ اہل مصر سے بہت سختی کے ساتھ پیش آئے اور اپنا رعب و داب، ہیبت اور خوف اُن پر طاری کر دیا۔ ذیل میں اُن کے خطبات کے بعض نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے اُن کے خصائل

کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا اور یہ بھی علم ہو جائے گا کہ ان کی سیاست بھی
حضرت معاویہؓ کی سیاست سے کتنی مشابہ تھی۔

ایک خطبہ میں انہوں نے کہا:۔

"اے اہلِ مصر! تمہاری زبانوں پر حق کی تعریف بہت کم سننے میں آتی ہے کیونکہ تمہیں حق سے کوئی واسطہ ہی نہیں اور باطل کی مذمت کبھی تمہاری زبانوں سے سننے میں نہیں آتی کیونکہ تم تو ہو ہی باطل پرست۔ تمہاری مثال اس گدھے کی سی ہے جو اپنی پیٹھ پر کتابیں لئے جا رہا ہو اور بوجھ نے اُسے تھکا دیا ہو۔ اُسے ان کتابوں کا علم کوئی فائدہ نہیں دیتا خدا کی قسم! میں تمہاری بیماری کا علاج تلوار سے نہیں کروں گا۔ میں اُس وقت تک تلوار نہیں اٹھاؤں گا جب تک میرا کوڑا مجھے کافی ہو گا اور اُس وقت تک کوڑا استعمال میں نہیں لاؤں گا جب تک میرا تسمہ کام دیتا ہے گا میں اسی شخص سے مقابلہ کروں گا جو میرا مقابلہ کرے گا۔ وہ شخص جو مجھ سے ڈرے گا مصیبتوں سے بچا رہے گا۔ اس لئے فضول باتیں ترک کر دو اور میری مخالفت کر کے اپنے لئے مصیبت مول نہ لو"

اس کے باوجود جب اہلِ مصر شرارتوں سے باز نہ آئے تو انہوں نے پھر ایک

خطبہ دیا جس میں کہا۔

"میں نے ایک لمبے عرصہ تک تم لوگوں سے چشم پوشی اختیار کی اور تمہاری خیر خواہی میں لگا رہا لیکن تمہاری مفسدہ پرداز طبیعتوں نے اس کی قدر نہ کی اور تم برابر سلطنت کے خلاف سازشوں اور بزرگانِ سلف کی تنقیص میں مشغول رہے۔ اس لئے میں تمہیں متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ اب نرمی کا وقت جا رہا ہے۔ میں کوڑے کو بری طرح تمہاری پیٹھوں پر برساؤں گا۔ اگر اس سے بھی تمہاری بیماری کا علاج نہ ہو سکا تو تلوار کی دھار سے تمہارا فیصلہ کیا جائے گا۔ ہم نے تمہیں حکمت کی باتیں سنائیں لیکن تمہارے دلوں نے انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تمہیں وعظ و نصیحت کی گئی مگر تم نے اس پر مطلق دھیان نہ دیا۔ لہٰذا اب جبکہ تم سرکشی پر تلے ہوئے ہو تو میں بھی سزا دینے میں کمی نہ کروں گا۔ تاہم میں مایوس نہیں ہوں۔ خدا کرے کہ تم سیدھی راہ اختیار کرو جس کے اختیار کرنے میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔"

ایک مرتبہ عتبہ دمشق آئے اور اپنے پیچھے کسی شخص کو اپنا نائب بنا گئے۔ اس شخص نے لوگوں پر سختی کرنی شروع کی جس پر لوگوں نے بھی اس

سے تعاون کرنا چھوڑ دیا۔ یہ دیکھ کر اُس نے عتبہ کو تمام حالات سے اطلاع دی۔ عتبہ فوراً مصر پہنچے اور مسجد میں لوگوں کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا۔

"اے اہلِ مصر! تم لوگوں کا عذر یہ ہے کہ میرے نائب کے مظالم کی وجہ سے تم نے اس سے تعاون ترک کر دیا۔ لیکن اس نے جو کچھ کہا تھا پورا کر دکھایا۔ پہلے اُس نے تمہیں ہاتھ سے سیدھا کرنا چاہا لیکن جب تم سیدھے نہ ہوئے تو تمہیں سیدھا کرنے کے لئے اسے تلوار استعمال کرنی پڑی ہر حال جو کچھ ہونا تھا سو ہو گیا۔ اب تم سے بیعت لی جائے گی۔ تم پر ہماری اطاعت واجب ہو گی اور ہم پر عدل و انصاف۔ البتہ جو شخص بد عہدی سے کام لے گا اُس کی ذمہ داری ختم سمجھی جائے گی۔"

اس پر چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ "ہم اطاعت قبول کرتے ہیں۔ ہم فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔" عتبہ نے بھی جواب میں اُن کو یقین دلایا کہ وہ اُن سے عدل و انصاف کا سلوک کرے گا اور رحم و مروت سے پیش آئے گا۔

اس طرح عتبہ نے نہایت ہوشیاری سے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ انھوں نے اہلِ مصر کو دھمکی دے کر اطاعت کرنے پر بھی مجبور کر دیا اور وعظ

نصیحت کے ذریعہ فتنہ کو بھی دور کر دیا۔

سنہ ۴۱ھ / ۶۶۱ء میں حضرت حسنؓ سے صلح ہونے کے بعد جب حضرت معاویہؓ تمام مملکت اسلامیہ کے بلا شرکت غیرے مالک بن گئے تو عتبہ نے حج کے موقعہ پر ایک خطبہ دیا جس میں لوگوں کو وہ پیشگوئی یاد دلائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے متعلق ارشاد فرمائی تھی۔ پھر کہا:۔

"اے لوگو! اب ہم اس شہر کے حاکم ہو گئے ہیں۔ جہاں اللہ تعالےٰ نیکی کرنے والے کو دُگنا اجر دیتا ہے اور برائی کا ارتکاب کرنے والے کو دُگنی سزا کا مستحق بناتا ہے۔ اس لئے تم ہماری نافرمانی کر کے اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو اور اپنی نظریں ہمارے علاوہ اور کسی کی طرف نہ جھکاؤ۔ کیونکہ اس میں سراسر تمہارا ہی نقصان ہے۔ بعض اوقات موت کی آرزو کرنے والا موت کے پنجہ میں گرفتار ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے اپنے واسطے عافیت کوشی کی راہ اختیار کرو۔"

ان اقتباسات کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے عمال نے کس طرح نئے نئے اسلوب بیان اختیار کر کے اُن لوگوں کو، جو فتنہ کی آخری حدود بھی پار کر چکے تھے، اپنی طرف مائل کیا۔ عتبہ اور اُن جیسے

دیگر عمال نے انتہائی کاوش کے ساتھ عوام کی عقلوں اور دلوں کو اپنی طرف پھیرا اور انہیں مجبور کیا کہ وہ سیاست میں دخل اندازی ترک کر دیں تاکہ ملکی نظم ونسق آسانی کے ساتھ چلایا جا سکے۔

ان عمال کی سیرت وکردار پر غور کرنے سے ایک عجیب انکشاف ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ لوگ رعایا کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور اپنے دشمنوں کو خوش کر کے اپنا مطیع وفرمانبردار بنانے کے لئے تو بے حساب خرچ کیا کرتے تھے لیکن خود نہایت تنگی ترشی سے گزارہ کیا کرتے تھے اور کبھی اپنے لئے اموال جمع نہ کرتے تھے۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں کہ صفین میں حضرت معاویہؓ کی مدد کرنیکے صلہ میں جب حضرت عمروؓ بن العاص کو دوبارہ مصر کی ولایت سپرد کی گئی تو آپ نے وہاں مالی لحاظ سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

حضرت عمروؓ بن العاص مصریوں کے ساتھ عتبہ کی طرح سختی سے پیش نہ آتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمروؓ بن العاص بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ لیکن عتبہ ادھیڑ عمر میں سے گزر رہے تھے۔ یہ طبعی بات ہے کہ بوڑھے لوگ حکومت کرتے وقت جوانوں کی طرح اپنی رعایا

پر سختی نہیں برتتے ۔ بلکہ عموماً نرمی سے پیش آتے ہیں ۔

حضرت معاویہؓ کے دوسرے عمال بھی حسب حال اپنے اپنے طریقوں پر قائم تھے ۔ بعض عتبہ کی طرح سختی سے کام لیتے تھے اور بعض حضرت عمروؓ بن العاص کی طرح خاموشی اور نرمی سے کاروبارِ حکومت چلاتے تھے ۔

حضرت معاویہؓ کا نظم و نسق

پروفیسر نکلسن اپنی کتاب ہسٹری آف عربک لٹریچر (HISTORY OF ARABIC LITERATURE ") میں حضرت معاویہؓ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

" حضرت معاویہؓ ایک تجربہ کار اور مدبر سیاست دان تھے اپنی مملکت کو متحد کرنے، مخالفتوں کو فرو کرنے، رعایا کے دلوں کو مسخر کرنے اور لوگوں کے برانگیختہ جذبات کو سرد کرنے میں آپ مشہور فرانسیسی سیاست دان "ریشیلو" کے ہم پلہ تھے۔ آپ کو انسانی طبائع کی معرفت کا اتنا عبور حاصل تھا کہ آپ اپنی تمام مخالف جماعتوں کے اعتدال اور صائب الرائے

اشخاص کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے۔"

اِس عبارت کے پہلے حصہ کے درست ہونے میں تو کوئی کلام نہیں لیکن جہاں تک آخری جملہ کا تعلق ہے وہ واقعات سے پورے طور پر منطبق نہیں ہوتا کیونکہ حضرت معاویہؓ کا اپنی مخالف جماعتوں کے تمام اعتدال پسند لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینا تاریخی حقائق کے برخلاف ہے یہ تو درست ہے کہ آپ نے ان پر تسلط حاصل کر کے اُنہیں خاموش کر دیا اور بظاہر وہ آپ کی حکومت پر راضی ہو گئے لیکن ان کے دل بدستور آپ کے خلاف تھے اور خفگی و ناراضگی کے جذبات اُن کے سینوں میں برابر بھڑک رہے تھے سلطنت پر آپ کے غلبہ و اقتدار کے باعث وہ زبانوں سے تو اپنی دلی نفرت کا اظہار نہ کر سکتے تھے لیکن بڑی بے صبری سے اس دن کا انتظار کر رہے تھے جب موقع پا کر وہ دوبارہ سر اٹھا سکیں اور شور و شغب، فتنہ و فساد اور سرکشی و بغاوت کے شعلے بھڑکا سکیں۔

حضرت معاویہؓ نہایت عاقل، عالم، حلیم، عزم و ارادہ کے پکے، بحرِ سیاست کے شناور، میدانِ جہانبانی کے شہسوار اور دنیوی اُمور میں ہر امر کے متعلق اسی کے موافق تدبیر کرنے والے انسان تھے۔ نرمی کے

موقعہ پر نرمی اور سختی کے موقعہ پر سختی برتنا اُن کا شیوہ تھا۔ لیکن بہر حال نرمی اُن پر غالب رہتی تھی۔ سخاوت میں آپ کا ہم پلّہ اور کوئی نہ تھا۔ آپ کے خزانے کے دروازے دشمنوں اور دوستوں دونوں کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے تھے۔ داد و دہش اور انعام و اکرام کے ذریعہ آپ لوگوں کی تسخیر کرتے۔ کینوں اور عداوتوں کو دُور کرتے اور لوگوں کو مملکت کی فرمانبردار رعایا بناتے تھے۔ آپ کے پاس حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ، ابان بن عثمانؓ بن عفان جیسے سرکردہ قریشی اور آل ابو طالب اکثر آیا کرتے تھے۔ آپ ان کی غایت درجہ مہمان نوازی اور عزت و تکریم کرتے اور اُن کی ضرورتوں کی تکمیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے اُن میں سے بعض لوگ آپ سے نہایت سختی سے بھی بات چیت کرتے تھے اور آپ کے منہ پر آپ کو بُرا بھلا کہتے تھے۔ لیکن آپ کبھی اِس کی پرواہ نہ کرتے تھے اور ہنس کر ٹال دیتے تھے۔ کوئی شخص بھی انعام و اکرام حاصل کئے بغیر آپ کے دربار سے واپس نہ جاتا تھا۔ ۵۸

ایک دن قیس بن سعد بن عبادہ، جو حضرت علیؓ کے بہت بڑے مددگاروں میں سے تھے۔ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے اُن سے کہا:

"اے قیس! میری خواہش ہے کہ میرے اور علیؓ کے درمیان جنگ
بند ہو جائے۔ کیا تمہارے زندہ ہوتے ہوئے ایسا نہیں ہو سکتا؟"

قیس نے جواب دیا:

"میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ جنگ اُس وقت تک برابر جاری رہے
جب تک آپ اپنے آپ کو امیر المومنین کہنا ترک نہ کر دیں۔"

بظاہر یہ ایک غصہ دلانے والی بات تھی۔ مگر امیر معاویہؓ یہ سن کر بالکل
خاموش ہو گئے اور قیس کو کچھ نہ کہا۔

صرف یہی ایک مثال نہیں۔ اِسی قسم کی اور بھی بیسیوں مثالیں اس
ضمن میں پیش کی جا سکتی ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ حکومت میں کئی چیزیں ایسی ایجاد کیں
جو ان کے پیشروؤں نے کبھی استعمال نہیں کی تھیں:

آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خلفاء کی حفاظت کے لئے باڈی گارڈ
کا تقرر کیا۔ آپ کے باڈی گارڈ اپنے ہاتھوں میں نیزے لئے آپ کے
آگے آگے چلتے تھے۔

آپ ہی نے سب سے پہلے مقصورہ بنوایا جس میں خلیفہ لوگوں

بالکل الگ ہو کر نماز پڑھایا کرتا تھا۔

آپ ہی سب سے پہلے مسلمان فرمانروا ہیں۔ جنہوں نے بیڑوں کے ذریعہ بحری لڑائیوں کا آغاز کیا اور جنگی جہاز بنانے کے لئے صور، عکہ اور طرابلس میں کارخانے قائم کئے۔ اس بیڑے کے ذریعہ آپ نے رومن مقبوضات پر پے در پے اور بھرپور حملے کئے۔ قبرص اور روڈس کی فتح کے وقت آپ کے پاس سترہ سو جنگی جہاز تھے۔

ان اولیات کے علاوہ آپ نے لشکروں کی تنظیم کی طرف بھی خاص توجہ کی۔ سپاہیوں کی تنخواہیں پہلے کی نسبت دگنی کر دیں اور تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے ایک دن مقرر کر دیا۔

خوش قسمتی سے آپ کو کارکن بھی ایسے مل گئے جنہیں نظم و نسق کا وسیع تجربہ حاصل تھا۔ ان میں سب سے بڑھ کر زیاد تھا۔ اور اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ، ضحاک بن قیس، ابوالاعور سلمی، مسلم بن عقبہ، بسر بن عقبہ، بسر بن ابی ارطاۃ، اور حبیب بن مسلمہ تھے۔

بعض اوقات آپ کے خاندان کے لوگ اعتراض کرتے تھے کہ آپ علویوں اور بنو ہاشم پر بہت زیادہ مال خرچ کرتے ہیں اور انہیں کثرت سے

اپنی داد و دہش سے نوازتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن آپ کا جواب ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ میں جو رقم فی الحال ان پر خرچ کر رہا ہوں جنگ کی صورت میں اِس سے کہیں زیادہ رقم خرچ کرنی پڑے گی

ڈاک کا انتظام بہتر بنانے میں بھی آپ نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ نے ایرانی زمینداروں اور واقف کار رومیوں کو جمع کیا اور اُن سے ڈاک کی ترسیل کے سلسلہ میں مشورے طلب کئے۔ ان کے مشوروں کے مطابق ہی محکمہ ڈاک کی تشکیل کی گئی، جس سے تمام اطراف مملکت کی خبریں بہت قلیل عرصہ میں دارالخلافہ میں اور دارالخلافہ کی اطلاعات اطراف مملکت میں پہنچنے لگیں۔ ڈاک لانے لیجانے کا کام خچروں کے ذریعہ انجام پاتا تھا۔

"آپ نے دیوان خاتم" نام کا بھی ایک محکمہ قائم کیا جس میں تمام فرامین کی نقلیں رکھی جاتی تھیں۔ اِس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ لوگ شاہی فرمانوں میں ردوبدل کر دیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے یہ دفتر قائم ہوا اور فرامین کی نقلیں رکھی جانے لگیں ردوبدل اور تحریف کا کوئی اندیشہ نہ رہا۔ دیوان خاتم کا نگران آپ نے عبداللہ بن اوس غسانی کو بنایا۔

آپ نے مملکت کے ہر شہر میں چند لوگ مقرر کر رکھے تھے جو ہر روز باشندگان شہر کے پاس جاتے اور ان سے پوچھتے کہ کیا ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے ؟ یا کوئی مہمان آکر اترا ہے۔ جو شخص بتاتا کہ اس کے ہاں یا اس کے جاننے والوں میں سے کسی کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے تو وہ اس کا نام لکھ لیتے۔ اس طرح جو شخص کسی مہمان کا نام بتاتا تو مہمان کا نام وغیرہ بھی لکھ لیا جاتا۔ اس کے بعد وہ تمام نام مع مختصر کوائف کے رجسٹر میں درج کر دئے جاتے۔ اس طرح حکومت کو باشندگانِ شہر کی تعداد اور ہر قسم کے لوگوں کی نقل و حرکت کی خبریں برابر ملتی رہتی تھیں۔

حضرت معاویہؓ نے کاروبارِ سلطنت انجام دینے کے لئے عیسائیوں کو ملازم رکھنے میں بھی کوئی تامل نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ اس معاملہ میں بہت سخت تھے۔ اور وہ عموماً کسی عیسائی کو جب تک وہ اسلام نہ لے آتا ملازم نہ رکھتے تھے[1]۔ حضرت معاویہؓ نے شام کے ایک عیسائی سرجون بن منصور کو محکمۂ مال

---

[1] بعض غیر مسلم حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی سرکاری ملازم تھے چنانچہ کوفہ میں حضرت عمرؓ کے حکم سے خزانہ کے لئے جو بیت المال بنا اس کی تعمیر کا مہتمم اعلیٰ روزبہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار تھا جس کی زیرنگرانی تمام عمارت تیار ہوئی (الفاروق جلد دوم صفحہ ۹۰) (مترجم)

گزاری کا افسر مقرر کیا ہوا تھا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو یہ عہدہ آپ نے اس کے بیٹے منصور بن سرجون کے حوالے کر دیا۔ سرجون کا والد منصور فتوحات اسلامیہ سے پہلے ہرقل کی طرف سے شام میں محکمۂ مال گزاری کا افسر تھا اور اس نے رومیوں سے جنگ کے دوران میں مسلمانوں کی عجیب طرح مدد کی تھی اس نے بادشاہ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ "ہمیں اپنی فوج میں معتدبہ کمی کر دینی چاہیے۔ کیونکہ جتنی زیادہ فوج ہو گی اخراجات بھی اتنے ہی زیادہ ہوں گے اور دمشق کے خزانہ میں اتنا مال نہیں جو اتنے عظیم الشان لشکر کی ضروریات کا متحمل ہو سکے۔" یہ لکھنے سے دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ جب سپاہ یہ سنے گی کہ دمشق کے خزانہ میں اتنا مال نہیں جس سے انہیں تنخواہیں دی جا سکیں تو وہ مجبوراً تتر بتر ہو جائیگی اور مسلمان اس شہر پر بآسانی قابض ہو سکیں گے

حضرت معاویہؓ ہر اس ہستی اور ہر اس طاقت سے فائدہ اٹھانے کیلئے تیار ہو جاتے تھے جس کے متعلق انہیں خیال ہوتا تھا کہ وہ اُن کی سلطنت کے استحکام میں ممد و معاون ہو سکے گی۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں غسانیوں[1]

---

[1] اسلامی سلطنت سے قبل شاہان روم کی طرف سے آلِ جفنہ عرب شام کے اور شاہانِ کسریٰ کی طرف سے آلِ نصر عراق عرب کے عامل تھے۔

کا بادشاہ جبلہ بن ایہم اپنے اوپر حد لگنے کے خوف سے روم بھاگ گیا تھا اور وہاں جاکر اپنے ارتداد کا اعلان کر دیا تھا حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں اُسے دوبارہ مسلمان ہونے اور شام واپس آنے کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ اگر وہ واپس آجائے گا تو اُسے "غوطہ" کی جاگیر بخش دی جائیگی۔

خلافت راشدہ میں دمشق کی حیثیت صرف شام کے صدر مقام کی تھی لیکن حضرت معاویہؓ کے عہد میں جب اُسے عروج نصیب ہوا' اور آپ نے اسے اپنا دارالحکومت بنالیا۔ تب اسلامی سلطنت کی سیاست بھی مدینہ سے وہیں منتقل ہوگئی۔ اہلِ شام پر حضرت معاویہؓ کی بہت زیادہ نظرِ عنایت تھی اور یہاں کے بلیشتر لوگ کاربار مملکت میں آپ کے شریک تھے صرف مسلمانوں پر ہی موقوف نہیں بلکہ ذمیوں کا قابل عنصر بھی کاروبار سلطنت میں آپ کا شریک تھا۔ حکومت اور سیاست کا محور ہونے کے باعث اطراف مملکت سے لوگ آآ کر شام میں آباد ہونے لگے تھے۔ ان میں عرب بھی تھے اور عجمی بھی، مسلمان بھی تھے اور غیر مسلم بھی۔ نصاریٰ کی اکثریت تو پہلے ہی سے شام میں آباد تھی۔

بصرہ سے قوم زط[1] کے افراد آ کر ساحلی علاقوں میں آباد ہو گئے اور کچھ نے انطاکیہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ فارس سے کچھ قبائل آ کر بعلبک، حمص اور انطاکیہ سے لے کر سواحل اردن اور صور تک بس گئے۔ بصرہ اور کوفہ سے اساورہ[2] قبائل کی ایک جماعت آ کر بعلبک اور حمص سے انطاکیہ تک پھیل گئی۔ ان کے علاوہ عربوں کے بھی بے شمار قبائل نے شام آ کر سکونت اختیار کر لی۔ اور اصلی آبادی میں گھل مل گئے۔ غرض شام کا ساحلی علاقہ عربی اور عجمی آبادکاروں سے پٹ گیا۔

عربوں، ایرانیوں اور شام کے اصلی باشندوں کے ایک جا ہونے کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ قومی منافست عود کر آئی اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا حریف بن گیا۔ جس وقت جزیرہ قبرص فتح ہوا تو وہاں کے باشندوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ خواہ وہ شام میں سکونت اختیار کر لیں خواہ رومی سلطنت میں چلے جائیں۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں جہاں دمشق اسلام کا سیاسی مرکز

---

[1] "زط" دراصل سندھ کے باشندے تھے یہ لوگ سیاہ فام ہوتے تھے۔

[2] "اساورہ" کا شمار عجمی قوموں میں ہوتا تھا۔ یہ قبائل مدت سے بصرہ میں آباد تھے۔

بن گیا تھا۔ وہاں مدینہ دینی لحاظ سے عروج پر تھا۔ تمام بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ اور فقیہہ وہیں مقیم تھے اور اپنے نور سے تمام عالم اسلام میں ضوفشانی کر رہے تھے۔ آپ نے دمشق کو دارالخلافہ اس لئے بنایا تھا کہ آپ کو وہاں کے باشندوں کے اخلاص کی طرف سے کامل اطمینان تھا۔ اپنے طویل عہدِ امارت میں آپ وہاں کے لوگوں کے عادات و خصائل اور ان کی سرشت سے اور وہاں کے لوگ آپ کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے۔ ان کی طبائع میں امیر کی اطاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

دمشق کو دارالخلافہ بنانے کی ایک اور وجہ بھی تھی وہ یہ کہ دمشق حجاز کی نسبت بلادِ اسلامیہ کے وسط میں واقع تھا۔ شام اپنے قدرتی وسائل کی فراوانی کے لئے مشہور تھا۔ صنعتی میدان میں اس کے ہمسایہ ملک اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکتے تھے۔ لشکر کی ضروریات کی ہر چیز یہاں سے بآسانی مہیا ہو سکتی تھی۔ فوجی حکام اور امراء کے لئے شام ایک بہترین تربیت گاہ تھا۔ اسی لئے دمشق کی حیثیت حضرت معاویہؓ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء کے عہد میں ایک ایسے مدرسہ کی سی رہی

جس سے سپہ سالار، امراء اور لشکر تربیت پا کر نکلتے تھے۔

رائے عامہ کو مسخر کرنے اور اس پر اثر ڈالنے کے لئے آپ نے کئی شاعروں کی خدمات بھی حاصل کیں، شعراء کی حیثیت اُس زمانہ میں ایسی ہی تھی جیسی آج کل صحافیوں کی ہے سلطنت کے استحکام اور عربی وطنیت کے قیام میں آپ نے شعراء سے بے حد کام لیا اور قبائل کی ہجو کرنے کے ناپسندیدہ کام سے ہٹا کر انہیں ایک اچھے کام کی تکمیل میں لگا دیا۔

حضرت معاویہؓ نے سلطنت کے دوسرے مشاغل میں مصروف رہ کر زراعت کی ترویج کی طرف سے غفلت نہ برتی۔ حجاز میں آپ نے خصوصیت سے اس جانب توجہ کی بنجر زمینوں کو آباد کیا اور انہیں سیراب کرنے کے لئے جا بجا کنوئیں کھدوائے اور جہاں ممکن ہو سکا بند بندھوائے۔ آپ کے اہل خاندان اور معاصرین بھی اس معاملہ میں آپ کے نقش قدم پر چلے اور حجاز نے اس زمانہ میں ایسی ترقی کی کہ بعد میں اسے کبھی ایسی ترقی نصیب نہ ہو سکی۔ آپ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ اہل حجاز کا گزارہ محض عطایا، صدقات اور حج پر ہی رہے۔ کیونکہ آمدنی کے یہ ذرائع سراسر

غیر طبعی ہیں اور ان پر مستقل زندگی کی بنیادیں کبھی بھی استوار نہیں کی جا سکتیں۔

حضرت معاویہؓ نے رومیوں سے اس شرط پر صلح کر رکھی تھی کہ رومی ایک مقررہ رقم بطورِ خراج ان کی خدمت میں سال بسال بھیجتے رہیں گے آپ نے بطورِ یرغمال چند معزز رومی بھی اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ جو بعلبک میں مقیم تھے۔ ایک مرتبہ رومیوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور خراج ادا نہ کیا۔ حضرت معاویہؓ چاہتے تو اس کے بدلے بڑی آسانی سے ان رومیوں کو قتل کرا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ انہیں آزاد کر کے واپس جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا "بد عہدی کے بدلے وعدہ کو وفا کرنا بدعہدی کرنے سے اچھا ہے۔"

جس طرح حضرت عمرؓ نے خلافتِ راشدہ کے قیام میں گراں قدر خدمات سرانجام دی تھیں اسی طرح حضرت معاویہؓ نے دولتِ امویہ کے قیام میں بہت بڑا کام کیا۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ سے حضرت معاویہؓ کے زمانہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:۔

"اس زمانہ میں لوگوں کی حالت آل مظلوموں کی سی تھی جو انصاف

سے قطعی محروم ہوں اور ظالم اُن پر ظلم کرنے سے باز نہ آئے۔"

اُن بزرگ کا منشا، دراصل یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کا زمانہ ایسا نہیں تھا جیسا حضرت عمرؓ کا تھا لیکن انہوں نے یہ امر نظر انداز کر دیا کہ ہر زمانہ کے لوگ اور طریقے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور یہ امید رکھنا کہ بعد میں آنے والے لوگ پہلے زمانہ کے لوگوں کی کامل اقتدا کریں گے محض دل کو خوش کرنے والی بات ہے اور کچھ نہیں۔

حضرت معاویہؓ کے متعلق غلط فہمیاں زیادہ ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے حالات پر اچھی طرح غور نہیں کیا گیا۔ یہ طبعی بات ہے کہ کسی چیز کو دور سے دیکھنے والا شخص اس چیز کے متعلق اتنا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا، جتنا قریب سے دیکھنے والا شخص لگا سکتا ہے۔ اگر اُن حالات پر جو حضرت معاویہؓ کو پیش آئے، اچھی طرح غور و خوض کیا جائے اور اُن کی بنظرِ تعمق جانچ پڑتال کی جائے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں جو کچھ کیا وہ اس کے کرنے کے لئے مجبور تھے۔

لوگ اس بات کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ عدل و انصاف

کے قیام اور سلطنت کی بہبودی کا سارا دارومدار محض خلیفہ اور اس کے نائبین و عمال کے احکامات و تدبیر ہی پر نہیں بلکہ سلطنت کے احوال کی اصلاح میں خود عوام کی کوششوں کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ اگر عوام سیدھے رہیں گے تو وہ خلیفہ اور اس کے عمال کو بھی سیدھا رہنے پر مجبور کر دیں گے اور اگر عوام میں کجی آجائے گی تو خلیفہ میں بھی لامحالہ کجی پیدا ہو جائے گی ؂

حضرت معاویہؓ کے شب و روز

مشہور شیعہ مؤرخ اور جغرافیہ نویس علامہ مسعودی حضرت معاویہؓ کے پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"حضرت معاویہؓ صبح کی نماز پڑھتے ہی سلطنت کا کام شروع کر دیتے تھے۔ پہلے وہ تمام رپورٹیں سنتے جو اطراف ملک سے آئی ہوتیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ تلاوت کے بعد بعض ضروری احکامات دے کر گھر چلے جاتے۔ وہاں جا کر اشراق کی نماز پڑھتے اس کے بعد باہر آکر دربار منعقد کرتے جس میں خاص خاص اشخاص آپ کے مشیرانِ کار اور وزراء کو آنے کی اجازت ہوتی تھی۔ آپ اُن سے

سلطنت کے مختلف امور کے متعلق مشورے لیتے اور دون ظہر کے ضروری کاموں کے بارہ میں تبادلۂ خیالات کرتے۔ اس کے بعد کھانا تناول فرماتے یہ کھانا عموماً رات کے بچے ہوئے ٹھنڈے گوشت یا چوزے یا اسی قسم کی کسی اور چیز پر مشتمل ہوتا تھا۔ پھر آپ گھر آتے اور کچھ دیر آرام کر کے مسجد میں تشریف لاتے اور غلام کو حکم دیتے کہ کرسی مسجد میں لے کر چلو۔ چنانچہ وہ کرسی مسجد میں لے جاتا۔ اور آپ مقصورہ کی ٹیک لگا کر کرسی پر بیٹھ جاتے۔ یہاں دربارِ عام منعقد ہوتا تھا جس میں چھوٹے بڑے ضعیف و کمزور بچے بوڑھے، عورتوں اور غلاموں کو آنے کی عام اجازت ہوتی تھی۔ آپ کے سامنے مقدمات پیش ہوتے۔ کوئی کہتا مجھ پر ظلم ہوا ہے۔ آپ حکم دیتے کہ اس کی دادرسی کی جائے۔ کوئی کہتا مجھ پر زیادتی ہوئی ہے۔ آپ فرماتے اس کے ساتھ کسی کو تحقیقات کے لئے بھیجو۔ تیسرا کہتا میرے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہے۔ آپ فرماتے اس کے معاملہ کی تفتیش کرو۔ جب تمام موجود الوقت لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ ہو جاتا تو پھر ایک خاص محفل منعقد کرتے۔ خود تخت پر بیٹھ جاتے اور فرماتے "معززین کو علیٰ قدر مراتب آنے کی اجازت دو" چنانچہ لوگ آنے شروع ہوتے

السلام علیکم کہتے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ جاتے۔ جب سب لوگ آچکتے تو
آپ فرماتے "اے لوگو! تمہیں اشراف اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمہیں اس
مجلس میں آنے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے ان لوگوں کی ضروریات
میرے سامنے بیان کرو جو اس مجلس میں حاضر نہیں" کوئی کہتا فلاں شخص شہید
ہو گیا۔ آپ فرماتے اس کے بیٹوں کے لئے وظیفہ مقرر کر دو۔ کوئی کہتا فلاں
شخص اپنے اہل وعیال سے غائب ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا۔ آپ
فرماتے "اس کے اہل وعیال کی خبر گیری رکھو' ان کی ضرورتوں کو پورا کرو
اور سرکاری مخبر اس آدمی کی تلاش کریں۔" اس کے بعد کھانا حاضر کیا جاتا
آپ کا کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) آپ کے برابر کھڑا ہو جاتا اور باریاب
ہونے والوں کو ایک ایک کر کے آپ کے سامنے پیش کرتا رہتا۔ جو شخص
آتا آپ اس سے کہتے "بیٹھ جاؤ اور کھانا کھاؤ" وہ شخص بیٹھ جاتا اور ہاتھ بڑھا کر
دو تین لقمے کھا لیتا۔ دریں اثنا کاتب اس کی عرضداشت آپ کو پڑھ کر
سناتا۔ عرضداشت سن کر آپ اس کے بارہ میں اپنا حکم صادر کرتے۔ اس
کے بعد دوسرا شخص حاضر ہوتا۔ اس کے بعد تیسرا۔ اسی طرح تمام لوگ
بھگت جاتے۔

بعض اوقات اتنے لوگ آجاتے کہ کھانا ختم ہو جاتا۔ تب آپ کہتے کہ باقی لوگ کل حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ آپ بھی اپنے گھر چلے جاتے۔ اور کچھ آرام کرتے۔ ظہر کی نماز کے وقت باہر آتے اور مسجد میں چار رکعت نماز ادا کرتے۔ اس کے بعد پھر مجلس منعقد کرتے جس میں خاص خاص لوگ شریک ہوتے۔ اسی وقت آپ ناشتہ کرتے۔ اگر سردی کا موسم ہوتا تو خشک حلوا، دودھ اور مٹھاس میں گندھی ہوئی میدے کی ٹکیاں۔ بسکٹ اور خشک پھل تناول کرتے اور اگر گرمی کا موسم ہوتا تو صرف موسمی پھلوں پر اکتفا کرتے۔ اس دوران میں اپنے وزراء سے مختلف امور کے متعلق مشورہ کرتے رہتے۔ یہ مجلس عصر تک رہتی۔ عصر کے وقت آپ مسجد میں آتے اور نماز پڑھا کر واپس چلے جاتے اور اس وقت کسی شخص کو باریابی کا موقعہ نہ دیتے۔

مغرب سے کچھ پہلے گھر سے برآمد ہوتے اور تخت پر بیٹھ جاتے لوگ بھی علیٰ قدر مراتب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے۔ اسی وقت رات کا کھانا حاضر کیا جاتا۔ مغرب کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ مغرب کی اذان سنتے ہی دسترخوان لپیٹ دیتے اور مسجد میں آکر نماز پڑھاتے۔ نماز پڑھانے

کے بعد چار رکعت علیحدہ پڑھتے اور ہر رکعت میں پچاس آیات تلاوت کرتے کبھی بالجہر اور کبھی آہستہ۔ اس کے بعد گھر آتے اور عشار کی نماز تک وہیں رہتے۔ عشار کی نماز کے بعد خاص الخاص لوگوں' وزرا اور اپنے حاشیہ نشین لوگوں کی مجلس منعقد کرتے۔ پہلے وزرا سے امور سلطنت کے بارہ میں مشورہ کرتے پھر تہائی رات تک عرب کے قدیم بادشاہوں کے حالات اقوام عالم کی تاریخ اور سیاسیات پر بحثیں ہوتی رہتیں۔ اسی اثنا میں آپ کی بیویوں کی طرف سے کوئی میٹھی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی۔ اس کے بعد آپ آرام کرنے کے لئے تشریف لے جاتے۔ رات کا ایک تہائی حصہ باقی ہوتا تھا کہ اٹھ بیٹھتے۔ اس وقت آپ کی خدمت میں کتابیں پیش کی جاتیں۔ جن میں گذشتہ بادشاہوں کی سیرت' ان کی سیاست کے تذکرے' ان کے عہد کے واقعات اور جنگوں کی تفصیل ہوتی تھی۔ دو غلام باری باری یہ کتابیں آپ کو سناتے۔ رات کے آخری حصہ تک آپ ان ہی کتابوں کے سننے میں مشغول رہتے۔ فجر کی اذان ہوتی تو دو رکعت پڑھ کر آپ مسجد میں چلے جاتے اور اگلے روز کے لئے پھر وہی پروگرام شروع ہو جاتا۔"

مسعودی شیعہ ہونے کے باوجود حضرت معاویہؓ کے رحم و کرم اور حسن سیرت سے انکار نہیں کر سکے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"حضرت معاویہؓ کی سیاست' آپ کے اخلاق' آپ کی نیکی اور سخاوت اور بے پایاں احسانات نے لوگوں کے دلوں کو یہاں تک موہ لیا تھا کہ وہ اپنے اہل و عیال اور عزیزوں کے مقابلہ میں آپ کو ترجیح دیتے تھے آپ کے بعد بھی عبدالملک بن مروان اور بعض دیگر شاہان بنو امیہ نے حضرت معاویہؓ کی تقلید کرنے کی کوشش کی لیکن نہ وہ آپ کے حلم کو پہنچ سکے نہ آپ کی سی سیاست برت سکے، نہ لوگوں سے اُن کے مرتبہ کے مطابق سلوک کر سکے۔ نہ آپ جیسی نرمی اختیار کر سکے اور نہ امور سلطنت کو اس خوبی سے انجام دے سکے۔ جس طرح آپ سرانجام دیا کرتے تھے۔"

حضرت معاویہؓ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ "انہوں نے اپنی مطلب براری کے لئے حیلہ جوئی' جوڑ توڑ اور فضول خرچی سے کام لیا۔ آپ قبائل عرب کو اپنا مطیع بنانے کے لئے بے دردی سے سلطنت کا خزانہ خرچ کیا کرتے تھے۔ اور اس طرح سیم و جواہر کے ذریعہ انہیں خرید اکرتے تھے۔"

اگرچہ یہ درست ہے کہ آپ نے قبائل عرب اور برگزیدہ لوگوں کو اپنی

طرف مائل کرنے کے لئے بے حد روپیہ خرچ کیا۔ لیکن جس طور پر خرچ کیا وہ قابل اعتراض نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ روپیہ آپ نے محض اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے خرچ کیا اور سلطنت کے استحکام کے لئے روپیہ خرچ کرنے پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ہر زمانے میں سلطنت ایسا کرتی رہی ہے۔

جس فراخ دلی سے آپ لوگوں پر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص آپ سے روپیہ لے کر آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔ اور نہ ہی آپ پر کسی اور شخص کو ترجیح دے سکتا تھا۔

طبری نے لکھا ہے کہ قبیلہ بنو تمیم کے ایک سردار ابو منازل کو آپ نے ستر ہزار درہم دئے اور بعض ایسے لوگوں کو جو اس کے مرتبے کو نہیں پہنچتے تھے ایک لاکھ درہم دئے۔ اس پر ابو منازل کہنے لگا۔

"آپ نے مجھے قبیلہ تمیم میں ذلیل کر دیا۔ کیا میرا حسب و نسب صحیح نہیں ہے؟ کیا میں سن رسیدہ نہیں ہوں؟ اور کیا میرے قبیلہ میں میری بات مانی نہیں جاتی؟"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا۔ "یقیناً۔"

ابومنازل نے کہا: "تب آپ نے مجھے دوسرے لوگوں سے کم کیوں دیا؟"

آپ نے جواب دیا: "میں نے ان لوگوں سے ان کا دین خرید لیا ہے۔ لیکن چونکہ تم حضرت عثمانؓ کے بارہ میں اچھی رائے رکھتے ہو اور اس طرح ہمارے بھائی ہو۔ اس لئے میں نے تمہیں دین ہی کے سپرد کر دیا ہے۔"

ابومنازل کہنے لگا: "تب آپ مجھ سے بھی میرا دین خرید لیجیے۔"

حضرت معاویہؓ نے اسے اور اُسے بھی ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

حضرت معاویہؓ کی نظر بڑی دور رس تھی۔ اسی دور رسی کے باعث آپ مخالف کیمپ کے کمزور مقامات کو بڑی آسانی سے تاڑ لیا کرتے تھے۔ اور اس طرح اپنے دشمن کو ایسی مشکلات میں مبتلا کر دیا کرتے تھے۔ جس سے نکلنا اس کے لئے آسان نہ ہوتا تھا۔ اگر انہیں اپنے رشتہ داروں سے بھی یہ ڈر ہوتا کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر اُن کی زندگی میں یا اُن کے بعد اُن کے بیٹے کے عہد میں سلطنت کے لئے خطرہ کا باعث ہوں گے تو وہ جوڑ توڑ سے کام لے کر اُن میں

پھوٹ ڈلوا دیا کرتے تھے۔ یہ امر آپ کی سیاسی سوجھ بوجھ اور آپ کی ہوشیاری و بالغ نظری پر دلالت کرتا ہے۔ اپنی کامیابی اور اپنی مملکت کی تاسیس کے لئے آپ جو دوسرے ذرائع استعمال کرتے تھے اُن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یعنی مختلف طبقات کے درمیان عصبی منافرت پیدا کر کے انہیں کمزور کر دینا اور داد و دہش کے ذریعہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لینا۔ چنانچہ انعام و اکرام کے ذریعہ آپ نے اکثر اوقات سخت ترین مخالفین تک کے منہ بند کر دئے ہیں۔

حضرت معاویہؓ خود اپنی کامیابی کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"علیؓ بن ابی طالب مجھ سے چار خصائل کی وجہ سے مات کھا گئے

(۱) وہ اپنا بھید کسی سے چھپاتے نہیں۔ لیکن میں اپنا راز کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔

(۲) جب تک مصیبت اُن پر ہر چہار طرف سے نہ ٹوٹ پڑے وہ اُس سے بچاؤ کی فکر نہیں کرتے۔ لیکن میں پہلے سے مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہوں۔

(۳) انہیں بدترین ساتھیوں سے پالا پڑا ہے۔ جو کبھی اُن کی بات

نہیں مانتے۔ لیکن میرا لشکر نہایت مطیع و فرمانبردار ہے۔

(۴) انہیں نسبتاً قریش کی زیادہ حمایت میسر نہیں لیکن مجھے ان کی پوری حمایت حاصل ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بنو امیہ میں حضرت معاویہؓ جیسا زیرک و دانا انسان اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ بنو امیہ کے مروانی خلفاء نے آپ کی قدر و منزلت کم کرنے اور آپ کے مرتبہ کو گھٹانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مروان بن حکم کی حضرت معاویہؓ سے ناراضی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کے بعد خود خلیفہ بننے کا خواہشمند تھا اور دلیل یہ پیش کرتا تھا کہ وہ بنو امیہ کا بزرگ ترین فرد اور حضرت عثمانؓ کا معتمد علیہ تھا۔ یزید کی بیعت اس نے بامر مجبوری اس لئے کی تھی کہ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اس وقت یزید کی بیعت نہ کی گئی تو سرے سے بنو امیہ کا اقتدار ہی ختم ہو جائے گا اور بعد میں اس کے اور اس کی اولاد کے لئے خلافت حاصل کرنے کا کوئی موقعہ باقی نہیں رہے گا۔

حضرت معاویہؓ بھی مروان کے ارادوں اور خواہشات سے بے خبر

نہیں تھے۔ انہیں اچھی طرح پتہ تھا کہ مروان کے دل میں اپنی خلافت کے متعلق کیا کیا امنگیں پیدا ہو رہی ہیں۔ لیکن انہوں نے اس پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی کہ انہیں اس کے ارادوں کا پتہ ہے وہ بظاہر اس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے رہے لیکن اندر ہی اندر اس کے اور دیگر بنو امیہ کے درمیان پھوٹ ڈلوانے اور مروان کے اثر و رسوخ کو کم کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ حضرت معاویہؓ کی پالیسی یہ تھی کہ اپنے حریف رشتہ داروں سے نہ تو وہ سختی کا برتاؤ کرتے تھے اور نہ انہیں اتنے قرب کا موقع دیتے تھے جس سے وہ مغرور ہو جائیں۔

حضرت معاویہؓ کو خلافت ملنے کا سب سے زیادہ رنج اور افسوس بنو امیہ میں مروان کو ہوا۔ کیونکہ بنو امیہ کا سب سے زیادہ سن رسیدہ شخص ہونے کی وجہ سے اس کا خیال تھا کہ خلافت کا حق صرف اس کا ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش کا سب سے زیادہ فائدہ حضرت معاویہؓ کو پہنچا۔ اس لئے مروان اپنی مخالفت کا اظہار برملا کرتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ تمام خبریں باقاعدگی سے بلا کسی تاخیر کے پہنچتی رہتی تھیں۔ ان جاسوسوں کی ـــــ جن کا جال تمام مملکت میں پھیلا ہوا تھا ـــــ یہ کوشش

ہوتی تھی کہ قاصدوں کے ذریعہ تمام خبریں بسرعت تمام حضرت معاویہؓ تک پہنچتی رہیں تاکہ وہ مملکت کے تازہ ترین واقعات و حوادث سے پوری طرح باخبر رہ سکیں۔

مؤرخین حضرت معاویہؓ اور ان کے تین جلیل القدر عمال کو عرب کے عقلمند ترین لوگوں میں شمار کرتے ہیں۔ ایک مؤرخ کا قول ہے:-

"میں نے حضرت معاویہؓ سے زیادہ حلیم و بردبار، حضرت عمرو بن العاصؓ سے زیادہ لوگوں پر اثر ڈالنے والا اور زیادؓ سے زیادہ اپنے راز کو مخفی رکھنے والا اور کوئی شخص نہیں دیکھا۔"

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کے متعلق یہ مؤرخ لکھتا ہے:-

"اگر مغیرہؓ کسی ایسے شہر میں ہوں جس کے آٹھ دروازے ہوں اور بغیر کسی سخت تدبیر کے کسی دروازہ میں سے بھی نکلنا ممکن نہ ہو تب بھی مغیرہؓ اپنی حیرت انگیز دانشمندی اور ہوشیاری کی بدولت ان آٹھوں دروازوں سے نکل آئیں گے۔"

انعام و اکرام دینے اور لوگوں کو داد و دہش سے نوازنے کی عادت حضرت معاویہؓ کو اسی وقت سے پڑی ہوئی تھی۔ جب وہ خلفائے راشدین

کے عہد میں شام کے حاکم تھے۔ جب انہیں خود خلافت حاصل ہوگئی تو اس داد و دہش میں اور زیادتی ہوگئی۔ آپ بنو ہاشم پر خصوصیت سے بہت زیادہ مال و دولت خرچ کرتے تھے۔ تاکہ ان کے دلوں میں خلافت ہاتھ سے نکل جانے کے باعث جو کدورت اور عداوت اُن کے خلاف بھری ہوتی ہے۔ وہ اگر بالکل نہ نکل سکے تو کچھ کم ضرور ہو جائے چنانچہ جب بھی بنو ہاشم میں سے کوئی شخص آپ کے پاس آتا تو آپ اُس کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے اور جس ضرورت کیلئے وہ شخص حاضر ہوتا بلا تامل وہ ضرورت پوری کر دیا کرتے تھے۔ آپ کی مجلسوں میں وہ لوگ اکثر خلافت پر اپنے حق کا ذکر کرتے تھے اور صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ ایک نہ ایک دن وہ اُن سے خلافت چھین کر رہیں گے۔ لیکن حضرت معاویہؓ یہ تمام باتیں خوشی سے سنتے اور مسکراتے رہتے اور انہیں کچھ نہ کہتے تھے۔

شان و شوکت اور رعب و دبدبہ قائم رکھنا حضرت معاویہؓ نے رومیوں سے سیکھا تھا۔ جس وقت آپ بازار میں نکلتے یا مسجد میں تشریف لاتے تو نیزہ بردار نیزہ سلئے ہوئے آپ کے آگے آگے چلتے تھے اپنے

لئے آپ نے ایک محل تعمیر کرایا تھا جس کے ساتھ ایک تخت بھی بنوایا تھا محل کے دروازے پر شب و روز دربان پہرے دیا کرتے تھے۔ مسجد میں آپ کے لئے ایک مقصورہ بنا ہوا تھا۔ جب آپ نماز کے لئے تشریف لاتے تو اسی مقصورہ میں نماز پڑھتے۔ ریشم اور دیباج پہننے میں بھی آپ نے رومیوں ہی کی تقلید کی تھی۔

دمشق کی جامع مسجد میں مقصورہ تعمیر ہوتے وقت لوگوں میں زبردست شور و شغب برپا ہوا تھا بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ایسا کرنا صریحاً دین کے احکامات کی خلاف ورزی اور خانۂ خدا میں عام لوگوں پر اپنے آپ کو ترجیح دینے کی ایک نئی مثال ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں مقصورہ بنانے میں آپ حق بجانب تھے۔ اصل سبب یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کو خوارج اور اپنے دیگر مخالفین کی طرف سے حملہ کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا خصوصاً جب کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ پچھلے چار خلفاء میں سے تین خلفاء حفاظت کا ناکافی انتظام ہونے کی وجہ سے شہید کر دئیے گئے تھے۔ اس صورتِ حال کی موجودگی میں دور اندیشی اور عقل مندی کا تقاضا

یہ تھا کہ آپ ایسے انتظامات کرتے جن کی وجہ سے آپ کی ذات کو خطرہ لاحق نہ رہتا۔

آپ اپنی جان کی حفاظت کے لئے اِس قدر انتظامات کرنے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوئے۔ بلکہ یہ بھی حکم دیا کہ مسجد میں نماز پڑھاتے وقت آپ کے پہرہ دار آپ کے سامنے کھڑے رہیں اور لوگوں کی نگرانی کرتے رہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اسلام میں یہ ایک بالکل نئی چیز تھی۔

ایک اور بات بھی حضرت معاویہؓ نے نئی کی۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے لیکن حضرت معاویہؓ نے یہ سنت بدل دی۔ اور بیٹھ کر خطبہ دینے لگے اِس امر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ پر فارسی اور بیزنطینی رسوم کا گہرا اثر پڑا تھا۔

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں مسجدوں میں منبروں کی وہ شکل نہیں تھی جو آج کل ہے۔ اور اُن کا استعمال بھی آج کل کے زمانہ سے بالکل مختلف تھا۔ موجودہ زمانہ میں منبر نماز جمعہ کے موقع پر

خطیب کے خطبہ دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن ایام گذشتہ میں منبر اس نشست کو کہتے تھے جو عام لوگوں کی نشستوں سے کچھ بلند ہوتی تھی۔ یہی بلند نشست خلافت کا مظہر اور نشان ہوتی تھی۔ اسی مقام پر بیٹھ کر خلیفہ لوگوں سے خطاب کرتا تھا۔ یہیں لوگوں کے مقدمات سنتا اور اُن کا فیصلہ کرتا یہیں اُن کی بیعت لیتا تھا اور اسی جگہ پر بیٹھ کر باہر سے آنے والے وفود سے ملتا تھا۔

حضرت معاویہؓ پر مخالفوں کو زہر دلانے کے الزامات

حضرت معاویہؓ ان عقلمند ترین سیاست دانوں میں سے ہیں جن کی قابلیت کا لوہا مستشرقین تک مانتے ہیں۔ اُن کی نظروں میں ایک عقلمند فرمانروا کی تعریف یہ ہے کہ وہ:۔

(۱) سیاسی امور کا ماہر ہو اور ہر قسم کی پولیٹیکل الجھنوں کو اپنے ناخنِ تدبیر سے حل کر سکتا ہو۔

(۲) اعلیٰ درجہ کا منتظم ہو۔

(۳) جلد بازی سے کام لینے والا نہ ہو۔

(۴) کسی کام کے کرنے کا اس وقت تک ارادہ نہ کرے جب

تک اس میں کامیابی کا پورا پورا وثوق نہ ہو۔

(۵) اپنے مافی الضمیر کو رعایا کے دلوں میں عمدگی کے ساتھ ذہن نشین کرا سکے۔

(۶) اپنے مخالفوں پر اچھی طرح قابو پانے والا ہو اور

(۷) نہایت دوررس نظر رکھتا ہو

حضرت معاویہؓ میں یہ تمام صفات بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں اور اسی لئے مستشرقین کی نظروں میں ان کا درجہ تالیران اور بسمارک سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ حضرت معاویہؓ کی نظر میں جو وسعت تھی اور سیاست میں جو بصیرت آپ کو حاصل تھی۔ وہ ان مشہور و معروف یورپین سیاست دانوں میں موجود نہ تھی۔

ولسن کہتا ہے کہ "معاویہؓ ایک عقل مند اور زیرک سیاست دان تھے۔ نہ کسی کام میں جلد بازی سے کام لیتے تھے اور نہ بے محل کوئی کام کرتے تھے۔ ہر شخص کو وہی مرتبہ دیتے تھے۔ جس کا وہ حق دار ہوتا تھا۔ ان کی سیاسی قابلیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے شامیوں کو پورے طور پر اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ نظم ونسق میں ان کے

بے پناہ تجربہ کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ اُنھوں نے امورِ سلطنت کی انجام دہی کے لئے جن آدمیوں کا انتخاب کیا وہ اپنی عقل مندی، ذکاوت، جرأت، دلیری اور انتظامی امور سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہونے کے لئے موزوں ترین اشخاص تھے۔ کسی ایک آدمی پر بھی آپ کی نظرِ انتخاب غلط نہیں پڑی۔"

آپ کے مخالفین کو بھی آپ کی ہوشیاری اور سیاست دانی کا اعتراف تھا۔ وہ ہر آن آپ سے خوف کھاتے رہتے تھے کہ نہ معلوم حضرت معاویہؓ کب اور کس وقت کس حربہ سے کام لے کر ان کے لئے مشکلات پیدا کر دیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت ہمیں اس خط سے ملتا ہے جو حضرت علیؓ نے زیاد کو اُس وقت بھیجا تھا۔ جب وہ آپ کے ماتحت ایک علاقہ کا عامل تھا۔ اس خط میں حضرت علیؓ نے زیاد کو ہدایت کی تھی کہ وہ معاویہ کی سیاسی تدابیر سے ہر دم باخبر رہے۔ کیونکہ وہ بہت ہوشیار آدمی ہیں۔

حضرت معاویہؓ کے عہد اور اُن کی سیاست پر تبصرہ اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا۔ جب تک ان الزامات کی تحقیق نہ کی جائے جو اپنے

مخالفین کو زہر دلوانے کے متعلق حضرت معاویہؓ پر لگائے جاتے ہیں۔
اور جنہیں کئی مؤرخین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے:

اِس ذیل میں حضرت معاویہؓ پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے جاتے
ہیں:-

(۱) حضرت حسنؓ کو زہر دلوایا

(۲) عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کو شام میں اثر و نفوذ حاصل کرنے کے خوف سے زہر دے کر مروا ڈالا۔

(۳) حضرت علیؓ کے بہت بڑے مددگار اشتر نخعی کو اس وقت زہر سے ہلاک کروا دیا جب وہ مصر کا والی بن کر جا رہا تھا۔

اگرچہ یہ درست ہے کہ حضرت معاویہؓ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے مختلف جنگی حربوں سے کام لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود اُن کی ذکاوت و فطانت، دور اندیشی اور غایت درجہ احتیاط سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ فضائل جس آدمی میں پائے جائیں وہ کبھی کوئی ایسا کام نہیں کر سکتا۔ جو اس کے لئے آئندہ چل کر نفرت

اور بدنامی کا موجب ہو

جن روایات میں ان تین اشخاص کو زہر دینے کا ذکر آیا ہے اگر اُن کی چھان بین کی جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل کچھ بھی نہیں حضرت حسنؓ کے متعلق آتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کی بیوی کو انہیں زہر دینے کے لئے آمادہ کیا۔ اور اس نے انہیں کھانے میں زہر دے دیا۔

بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت حسنؓ کی وفات اچانک ہوئی تھی اس لئے لوگوں نے بطور خود یہ سمجھ کر کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت حسنؓ سے برابر یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں وہ اُن سے خلافت نہ چھین لیں، حضرت معاویہؓ پر اُن کی وفات کی ذمہ داری ڈال دی۔

لیکن یہ روایت سراسر من گھڑت ہے۔ ہمارے پاس کوئی قرینہ بھی ایسا نہیں جو اس کی تائید کرتا ہو۔ بلکہ اس روایت کا بناوٹی ہونا خود اصل روایت ہی سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اگر امر واقعہ اسی طرح ہوتا تو حضرت معاویہؓ کے مخالف اس بات کو لے کر آپ کی زندگی ہی میں لوگوں کو بھڑکا دیتے اور انہیں آپ کے خلاف کھڑا کر دیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی زندگی میں کسی ایک شخص نے بھی آپ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ نے

حضرت حسنؓ کو زہر دلوایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت آپ کے انتقال کے بعد بلکہ اغلب یہ ہے کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بھی بعد گھڑی گئی ہے۔

عبدالرحمٰن بن خالدؓ بن ولید کی موت کے متعلق مستشرقین میں بہت کافی اختلاف ہے۔ دی غوبی اس بارہ میں لکھتا ہے :-

"وہ روایت جس میں عبدالرحمٰن کی موت کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ پر ڈالی گئی ہے بالکل ضعیف ہے۔ واقعہ دراصل یہ ہوا عبدالرحمٰن ایک جنگ سے بیمار ہو کر لوٹے حضرت معاویہؓ نے اپنے خاص معالج کو ان کے علاج کے لئے بھیجا۔ لیکن علاج سے کوئی افاقہ نہ ہوا اور عبدالرحمٰن وفات پا گئے۔ حضرت معاویہؓ نے عبدالرحمٰن کا عہدہ ان کے بیٹے خالد کو سونپ دیا۔ ادھر عبدالرحمٰن بن خالدؓ کے ایک رشتہ دار نے اس طبیب کو جس نے عبدالرحمٰن کا علاج کیا تھا، کسی بات پر قتل کر دیا۔ اس وجہ سے اس تہمت کو پھیلنے کا موقع ملا اور عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ "معاویہؓ نے اپنے طبیب کے ذریعہ عبدالرحمٰن کو زہر دلوایا ہے۔" ؎

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

کتب سیر میں یہ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ "عبدالرحمٰن بن خالد کو شام میں دن بدن بہت زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہونے لگا اور اہل شام ان کے والد حضرت خالدؓ بن ولید کی شخصیت اور ان کی بہادری کی وجہ سے ان کے گرویدہ رہنے لگے۔ حضرت معاویہؓ کو یہ دیکھ کر ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ انہیں اور ان کے بعد ان کی اولاد کو نقصان پہنچانے کا باعث نہ بنیں۔ اس لئے انہوں نے "ابن اثال" طبیب کو ان کی ہلاکت کے لئے مامور کیا۔ اور اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے یہ کام کر دیا تو اسے حمص کا والی بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ "ابن اثال" نے ان کے بعض غلاموں کے ساتھ مل کر انہیں زہر آلود شہد پلا دیا جس کے اثر سے ان کی وفات ہو گئی۔ اور حضرت معاویہؓ کو اپنے ایک زبردست حریف سے نجات مل گئی[1]۔"

اس روایت کو بنظر تعمق دیکھنے سے اس کے بناوٹی ہونے کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ اصل قصہ صرف اس قدر ہے کہ حضرت معاویہؓ

---

[1] ابن اثیر

عبدالرحمٰن کی بیماری کا حال سن کر اپنے خاص طبیب کو اُن کا علاج کرنے کے لیے بھیجا۔ لیکن طبیب کامیاب نہ ہو سکا اور اُن کی وفات ہو گئی۔ اگر حضرت معاویہؓ کو انہیں قتل کرانا ہوتا تو دُور اندیشی اور ہوشیاری کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے خاص طبیب کو عبدالرحمٰن کے پاس نہ بھیجتے۔ تاکہ اُن پر کسی قسم کا شک نہ ہو سکتا اور یہ تہمت خواہ مخواہ ان کے سر نہ منڈھ سکتی۔

اب باقی رہ جاتا ہے اشتر کے قتل کا قضیہ تو مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اُسے مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ لیکن ابھی وہ راستہ ہی میں تھا کہ حضرت معاویہؓ کو بھی خبر مل گئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ اگر اشتر مصر کا والی ہو گیا تو یہ امر خود اُن کے لئے سخت خطرہ کا باعث ہوگا۔ اس لئے انہوں نے مصر میں ایک خارجی جالیستار نامی کو یہ پیغام بھیجا کہ:-

"اشتر کو مصر کی ولایت سپرد کی گئی ہے۔ اگر تم کسی طرح فوری طور پر اس کا خاتمہ کر سکو تو میں تم پر عائد کردہ تمام ٹیکس معاف کر دوں گا۔ تمہیں چاہئے کہ اس کے قتل کرنے کی کوئی تدبیر نکالو۔"

جالیستار حضرت معاویہؓ کا یہ حکم پا کر شہر قلزم میں آیا جو مصر کی

سرحد پر واقع ہے اور وہاں اشتر کے پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب اشتر وہاں پہنچا تو جابستار اس کے استقبال کے لئے نکلا اور اس سے مل کر کہنے لگا :-

"میری خواہش ہے کہ آپ کچھ دیر میرے پاس قیام فرمائیں میں نے آپ کی دعوت کا سامان کیا ہے۔ اگر آپ اس دعوت کو قبول فرمالیں گے تو یہ امر میرے لئے نہایت اعزاز کا باعث ہوگا۔"

جابستار کے اصرار پر اشتر اس جگہ ٹھہر گیا۔ اس نے اسے نہایت پُر تکلف کھانا کھلایا اور کھانے کے بعد پینے کے لئے شہد دیا جس میں اس نے زہر گھول رکھا تھا۔ شہد پیتے ہی زہر اشتر کے سارے بدن میں سرایت کر گیا اور وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ادھر جابستار کے جانے کے بعد حضرت معاویہؓ نے شامیوں سے کہا :-

"علیؓ نے اشتر کو مصر کا حاکم بنا کر بھیجا ہے تم دعا کرو کہ اللہ اس کا خاتمہ کر دے۔"

چنانچہ اہل شام روزانہ اشتر کے لئے بددعا کرنے لگے۔ اسی اثنا

جاں نثار اپنا کام پورا کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا اور اشتر کی ہلاکت کی خبر سنائی۔ یہ سن کر حضرت معاویہؓ جامع مسجد میں پہنچے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دینا شروع کیا۔ پہلے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہا:۔

"علی بن ابی طالب کے دو بازو تھے۔ ایک بازو صفین کے دن کٹ گیا (یعنی عمار بن یاسر) اور دوسرا آج قطع ہو گیا" (یعنی اشتر[1])

جب حضرت عمروؓ بن العاص کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے کہا:۔

"خدا تعالیٰ نے شہد کے لشکر بھی ترتیب دے رکھے ہیں جو دشمنوں کی ہلاکت کا موجب ہوتے ہیں[2]"

طبری کی روایت کا ماحصل بھی تقریباً یہی ہے۔ لیکن یہ روایت ... چھان بین، نقد و تبصرہ اور غور و فکر کی محتاج ہے۔ حضرت معاویہؓ ... ہوشیار اور ذکی انسان کے متعلق یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اپنے ایسے ارادوں کا جامع دمشق میں علی الاعلان تذکرہ کیا ہو گا

---

[1] ابن اثیر۔ [2] المقریزی

اگر یہ درست ہے کہ انہوں نے جابستار کو اشتر کے قتل کے لیے مامور کیا تھا تو سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اس راز کو صرف اپنے تک محدود رکھتے اور اہلِ شام سے ہرگز اشتر کے برخلاف بددعا کرنے کو نہ کہتے۔ کیا حضرت معاویہؓ یہ موٹی سی بات بھی نہ سمجھ سکتے تھے کہ اگر انہوں نے اِس وقت لوگوں کو اشتر کے خلاف بددعا کرنے کے لئے کہا اور کل اشتر کی ہلاکت کی خبر آگئی تو خواہ مخواہ لوگوں کو یہی خیال ہو گا کہ انہوں نے اُسے مروایا ہے اور اس طرح شبہ یقین میں بدل جائے گا۔

پھر اشتر نہایت پوشیدہ طور پر اکیلا سفر کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اکیلا سفر کر رہا ہو وہ بہت تیزی سے سفر کی منزلیں طے کرتا ہے اگر حضرت معاویہؓ کے جاسوسوں کو اس کے سفر کا علم ہو بھی گیا تھا تب بھی انہیں یہ خبر حضرت معاویہؓ کو پہنچانے میں خاصا وقت لگتا اور اس مدت میں اشتر یقیناً صحرا قطع کر کے مصر پہنچ جاتا۔ حضرت معاویہؓ کیلئے بھی یہ بات ناممکن تھی کہ آپ اِس قلیل وقت میں جابستار کو یہ خبر مصر بھیج سکتے اور وہ اشتر کو زہر دینے کے لئے مصر کی سرحد پر پہنچتا۔

پھر ایک اور امر بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ اشتر اکیلا سفر کر رہا تھا

حضرت معاویہؓ کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ فوج کا ایک دستہ بھیج کر اُسے گرفتار کرا لیتے اور قتل کرڈالتے اور لوگوں کے سامنے قتل کی وجہ جواز یہ پیش کرتے کہ "یہ شخص قاتلین عثمانؓ میں شامل تھا اور فتنہ کے بھڑکانے میں اس کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس لئے انہوں نے موقعہ پاکر اُسے قتل کرادیا۔" اگر وہ یہ وجہ پیش کرتے تو کسی ایک شخص کو بھی اس کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان ضعیف اور کمزور روایات کی موجودگی میں حضرت معاویہؓ پر یہ الزام کہ انہوں نے اپنے مخالفین کو زہر کے ذریعہ ہلاک کیا۔ بالکل بے بنیاد ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ اس کی تائید میں کوئی وزنی اور ٹھوس دلیل پیش نہیں کی جاسکتی۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے جن طریقوں سے کام لیا دوسرے لوگوں کو ان کے جائز ہونے میں تامل ہو۔ لیکن اپنے مخالفین کو زہر دلانے کی جتنی روایتیں ملتی ہیں ہمیں اُن کے صحیح اور درست ہونے کا یقین کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ واقعات اور شواہد ان کے خلاف ہیں اور وہ روایتیں کسی ٹھوس بنیاد پر قائم نہیں۔

یورپین مستشرقین کا بھی وہی خیال ہے جو ہم نے صفحات ماسبق

میں بیان کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا شمار نہ حضرت علیؓ کے حامیوں

میں ہو سکتا ہے اور حضرت معاویہؓ کے طرفداروں میں۔ اس قضیے میں وہ

بالکل غیر جانب دار ہیں۔ اُن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ جو تاریخی

حقائق ان کے سامنے آئیں انہیں بلا کم و کاست بیان کر دیں چنانچہ

وہ ایمانداری کے ساتھ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضرت معاویہؓ مخالفین

کو زہر دلانے کے الزام سے بالکل پاک ہیں اور حق بھی یہی ہے کہ حضرت

معاویہؓ کی نسبت یہ گمان کسی صورت میں بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے

اپنی مطلب براری کے لئے ایسے اوچھے ہتھیاروں سے کام لیا جو اُن کی

شان کے بھی خلاف تھے اور مصلحتِ وقت کے بھی۔

حضرت معاویہؓ کے عہد میں سلطنت کی خوشحالی

حضرت معاویہؓ کے عہد میں سلطنت اسلامیہ خوشحالی اور آسودگی کے جس دور سے گزر رہی تھی اس کا ذکر کرنے سے پہلے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے مالی امور اور اس دور کی دولت و ثروت کا مختصر سا تذکرہ کر دینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ بحث میں تسلسل قائم رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں سلطنت کا خزانہ زیادہ تر زکوٰۃ کے اونٹوں، گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ ان مویشیوں کے لئے خاص چراگاہیں مقرر تھیں۔ جہاں دوسرے لوگوں کے مویشی

نہیں چر سکتے تھے۔ زکوٰۃ کے ان مویشیوں کی تعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں چالیس ہزار اونٹوں اور گھوڑوں تک پہنچ گئی تھی[1]۔ اُس وقت زکوٰۃ کے علاوہ صدقات کا بھی کچھ مال جمع ہو جاتا تھا۔ جسے غزوات کی تیاری اور فقراء، مساکین اور دیگر حاجت مندوں کی ضروریات پر خرچ کیا جاتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی خلیفہ ہوئے تب بھی سلطنت کے خزانہ کی یہی حالت رہی اور اس میں چنداں فرق نہ آیا۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس درہم و دینار کی بہت کمی تھی۔ لیکن جب ایران اور روم کی فتوحات شروع ہوئیں تو مالِ غنیمت نہایت وافر مقدار میں آنے لگا۔ اُس وقت حضرت عمرؓ نے اس کے انتظام اور حساب کے لئے باقاعدہ دفاتر قائم کئے اور عمال اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو مال و دولت جمع کرنے، جاگیریں حاصل کرنے اور کھیتی باڑی کرنے کی ممانعت کر دی کیونکہ تمام مسلمانوں اور ان کے اہل و عیال کے، حتیٰ کہ ان کے غلاموں کے

---

[1] شرح مؤطا۔

بھی روزینے بیت المال کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے اور انہیں روزی حاصل کرنے کے لئے محنت و مشقت اور تجارت کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ مسلمان کامل طور پر جہاد اور اعلاء کلمۃ الحق میں مشغول رہیں۔ اسی لئے آپ نے انہیں مال و دولت جمع کرنے اور کھیتی باڑی کرنے سے روک دیا[1] تھا تاکہ مال و دولت کی فراوانی عیش و آرام کی کثرت اور زراعت میں مشغولیت انہیں اُن کے اصلی مقصد سے نہ روک دے۔ آپ نے اس سلسلہ میں اتنی سختی برتی کہ اگر مفتوحہ ممالک کے ذمی باشندوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تھا تو اُس کے پاس جتنی زمین ہوتی تھی۔ وہ اس سے لے لی جاتی تھی اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اُس کے بدلہ اُنہیں اُس کے حصہ کا جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ مسلمان ہونے والے شخص کے لئے دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا[2]۔ اور غیر مسلم ہونے کی حالت میں لڑائی کے وقت اس کا جو مال و منال غلام اور مویشی وغیرہ بطور مالِ غنیمت مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتے تھے

---

[1] تاریخ مقریزی۔ [2] تاریخ ابن عساکر

وہ ان سے واپس کر دئے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی غرض ایسا کرنے سے یہ تھی کہ مفتوحہ ممالک کی اراضیات مسلمانوں کے فائدے کے لئے استعمال ہوتی رہیں اور جہاد اور غزوات کے سلسلہ میں جو اخراجات ہوں وہ ان زمینوں کی مال گزاریوں سے پورے ہوتے رہیں۔ اگر مسلمان جائدادیں خرید لیتے تو ان کی کوشش یہ ہوتی کہ ان سے حاصل ہونے والی آمدنی سے خود ہی فائدہ اٹھائیں۔ ان زمینوں کی کاشت میں مصروف ہونے کی وجہ سے جہاد میں مشغولیت اور اعلاء کلمۃ الحق کے فرض سے غفلت کا بھی اندیشہ تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ یہ زمینیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہ آئیں بلکہ بدستور مفتوحہ باشندوں کے ہاتھوں میں رہیں۔ تاکہ انفرادی طور پر فائدہ حاصل کرنے کی بجائے مجموعی طور پر تمام قوم اُن سے فائدہ اٹھائے اور مجاہدین کی ضروریات ہر وقت آسانی سے پوری ہوتی رہیں۔

تاہم حضرت عمرؓ کی مال جمع نہ کرنے کی پالیسی زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔ یہ پالیسی اسی وقت تک کامیاب رہی جب تک مسلمانوں پر بدوی رنگ غالب رہا اور وہ میدان ہائے کارزار میں مصروف کار رہے

لیکن فتوحات کے دوران میں جب انہوں نے اپنے سامنے ایک نئی دنیا دیکھی اور فارس وروم کی عظیم الشان با جبروت اور نہایت مالدار قوموں سے ان کا میل ملاپ ہوا تو اُن کی معاشرتی حالت میں تبدیلی واقع ہونے لگی اور آہستہ آہستہ وہ بھی ان ہی قوموں کے رنگ میں رنگے جانے لگے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے جائدادیں خریدنی، کھیتی باڑی کرنی اور مال و دولت جمع کرنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں بعض صحابہ کے پاس کثیر دولت جمع ہو گئی جس سے انہوں نے جائدادیں خریدیں چنانچہ اس وقت بعض لوگوں کی آمدنی ہزارہا درہم فی ہفتہ تک پہنچ گئی تھی۔

اس ذیل میں ایک اور امر بھی قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ جب مسلمانوں نے شام فتح کیا تو وہاں کی زمینیں اُن کے اصلی مالکوں کے ہاتھوں ہی میں رہنے دیں لیکن کافی زمینیں ایسی بھی تھیں جو رومی لبطریقوں، لشکر کے سپہ سالاروں اور ان کے علاوہ ایسے کثیر التعداد رومیوں کی ملکیت میں تھیں جو یا تو جنگوں میں قتل ہو چکے تھے یا شکست کھا کر روم کی طرف

بھاگ گئے تھے۔ اور اب وہ زمینیں خالی پڑی تھیں۔ ان زمینوں کو حکومت کی ملکیت میں دے دیا گیا اور ان کی آمدنی تمام کی تمام بیت المال میں داخل کی جانے لگی۔ جس وقت حضرت معاویہؓ شام کے والی ہوئے تو انہوں نے رومیوں سے کافی حد تک اثر قبول کیا اور اپنے لئے بھی اسی شان وشوکت کو اختیار کیا جو ان کے پیشرو رومیوں کا خاصا تھی۔ چونکہ ان کی تنخواہ اس شان وشوکت کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ میرے پاس مختلف ملکوں اور شہروں سے وفود اور قاصد اور رومیوں کے سفیر آتے رہتے ہیں جن کی مہمانداری اور آرام وآسائش کے انتظام میں کافی رقم خرچ ہو جاتی ہے لیکن اس کے مقابلے میں میری تنخواہ کم ہے (حضرت عمرؓ نے آپ کو شام کا والی مقرر کرتے وقت آپ کی تنخواہ ایک ہزار دینار سالانہ مقرر کی تھی[1]) اور ان اخراجات کے نکالنے کے بعد جو رقم میرے پاس باقی رہ جاتی ہے وہ گزارہ کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔ شام میں بعض زمینیں ایسی موجود ہیں جن کے مالک یا تو لڑ کر قتل ہو چکے ہیں یا رومی علاقے میں بھاگ گئے

---

[1] تاریخ مقریزی

ہیں پس یہ زمینیں نہ تو ذمیوں کی ملکیت ہیں اور نہ ان کا شمار خراجی زمینوں میں ہوتا ہے۔ اس لئے ان کو اگر میری تحویل میں دے دیا جائے تو نہ تو خراج میں کمی آئے گی اور نہ کسی ذمی باشندے کی حق تلفی ہو گی۔ ان زمینوں کی آمدنی سے وفود اور سفیروں کی مہمانداری کے اخراجات بہ احسن وجوہ پورے ہو جایا کریں گے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ درخواست قبول کر لی اور وہ زمینیں جن کا کوئی مالک نہ تھا حضرت معاویہؓ کی تحویل میں دے دیں۔ مگر آپ نے انہیں اپنی ذاتی جاگیروں میں تبدیل کر دیا۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ نے اپنے عہد میں حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ قاعدہ کے برخلاف مسلمانوں کو جائدادیں خریدنے کی بھی اجازت دیدی۔

حضرت معاویہؓ کی پیروی میں اُن کے عمال اور کئی صحابہ مثلاً حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد، لیلی وغیرہم نے بھی جائدادیں خریدنی شروع کر دیں۔ بہ اموال اور زمینوں کی وسیع پیمانے پر خرید و فروخت کے نتیجہ میں مال و دولت کی فراوانی درہم و دینار کی کثرت ہونے لگی۔ خود حضرت عثمانؓ نے بھی کثرت سے زمینیں خریدیں جس کی وجہ سے آپ کی آمدنی میں جو زیادتی ہوئی اُس

کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ شہادت کے وقت آپ نے ترکہ میں ایک لاکھ پچاس ہزار دینار اور دس لاکھ درہم نقد اور وادی القریٰ اور حنین میں ایک لاکھ درہم کی مالیت کی جائدادیں چھوڑیں۔[1]

حضرت معاویہؓ کی مال و دولت جمع کرنے کی روش ہی کی وجہ سے ان کا حضرت ابوذر غفاریؓ سے اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت ابوذرؓ حضرت عمرؓ کی زاہدانہ پالیسی کے زبردست حامی اور مال و دولت جمع کرنے کے سختی سے مخالف تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے پاس ایک دن اور ایک رات سے زیادہ کی خوراک یا کوئی ایسی چیز رکھے جسے وہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہو۔ وہ ہر روز شام کے وقت سرِ راہ کھڑے ہو جاتے اور کہتے:۔

"اے دولت مندو اور غریبو! یاد رکھو کہ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ تو اسی چاندی اور سونے سے قیامت کے دن اُن کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ کے اس وعظ و نصیحت کا اثر یہ ہوا کہ غریبوں

---

[1] تاریخ مسعودی

اور مسکینوں کے حوصلے بڑھنے لگے اور انہوں نے امیروں پر دست درازیاں شروع کر دیں۔ جس پر امیروں نے حضرت معاویہؓ کے پاس جا جا کر حضرت ابوذرؓ کی شکائتیں کیں۔ مگر حضرت معاویہؓ خود ہی ابوذرؓ سے تنگ تھے کیونکہ کئی بار وہ اُن کے پاس بھی آ کر انہیں مال و دولت جمع کرنے پر سخت الفاظ میں زجر و توبیخ کر چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے دمشق میں قصر خضرا تعمیر کرایا اور اس کے بارہ میں حضرت ابوذرؓ کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے کہا:۔

" اگر آپ نے یہ محل اللہ تعالٰے کے مال سے بنوایا ہے تو خیانت کی ہے اور اگر اپنے مال سے بنوایا ہے تو اسراف سے کام لیا ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ شیخینؓ کے عہد میں مسلمان دولت و ثروت سے عموماً نا آشنا تھے لیکن جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہ حالت اُسی وقت تک قائم رہی جب تک حضرت عمرؓ زندہ رہے۔ اگر ان کے بعد بھی مسلمان اپنی عربی بدوی حیثیت جاری رکھتے تو یہ حالت بھی بدستور قائم رہتی لیکن جب رومیوں اور ایرانیوں سے ملے ان کے دلوں میں بھی شان و شوکت

کے حصول اور مال و دولت جمع کرنے کا جذبہ ابھر آیا۔ حضرت معاویہؓ کی انعام و اکرام اور داد و دہش کے ذریعہ قبائل اور افراد کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے کی عادت نے اِس جذبہ کو ابھرنے اور پھیلنے میں مزید مدد دی۔

حضرت عثمانؓ کے خلیفہ ہونے پر حالات بالکل تبدیل ہو گئے۔ آپ نے مفتوحہ ممالک کی خالی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنی شروع کر دیں۔ کیونکہ وہ ایک عرصہ سے بے کار اور بے مصرف پڑی تھیں اور ان پر زراعت نہ ہونے کی وجہ سے غلہ کی پیداوار میں کمی ہو رہی تھی۔ مسلمانوں نے وہ زمینیں لے کر اُن پر کاشت شروع کر دی اور ان سے فائدہ حاصل کرنے لگے اس طرح وہ بھی زمینداری میں رومیوں اور ایرانیوں کے ہم پلہ ہو گئے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قریش بطور خود کاشت نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی زمینیں اپنے غلاموں یا ذمی کاشتکاروں کو بٹائی پر دے دیتے تھے۔ حکومت مسلمان زمینداروں اور کاشت کاروں سے دسواں حصہ بطور محصول وصول کرتی تھی۔ اس طرح فان کریمرؒ کے اندازہ کے مطابق حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتوحات اور غزوات سے حاصل ہونے والے مال کے علاوہ مملکت کی سالانہ آمدنی پانچ کروڑ درہم تک پہنچ گئی تھی۔

حضرت معاویہؓ لوگوں کی خوشنودی کے حصول اور اپنی سلطنت
کے استحکام کی خاطر روپیہ خرچ کرنے میں بہت فیاض تھے۔ یہی حال
ان کے امراء اور عمال کا تھا۔ وہ بھی اپنے مددگاروں اور حامیوں پر دل
کھول کر روپیہ خرچ کرنے میں حضرت معاویہؓ سے کم نہ تھے۔ حضرت معاویہؓ
ہر اس شخص کو انعام و اکرام سے نوازتے تھے۔ جس نے مشکل کے وقت
میں ان کی مدد کی تھی۔ اور جو لڑائیوں میں آپ کے ساتھ رہا تھا شعراء پر
بھی آپ کی نظر عنایت بہت وسیع تھی۔ آپ نے ان کی بیش قرار تنخواہیں
مقرر کر کے انہیں اپنی سیاست کا ہم نوا بنا لیا تھا۔ اور وہ آپ کی مدح
سرائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ
حضرت معاویہؓ کی ہم نوائی اور آپ کی امداد کا نتیجہ سونے اور چاندی
کے ہزاروں ٹکڑوں کی صورت میں ملتا ہے۔ اس لئے وہ جوق در جوق
حصول مراد کے لئے آپ کے دربار میں حاضر ہوتے۔ اس طرح آپ کی
ذات بہت جلد مرجع خلائق بن گئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جس طرح درہم
و دینار حضرت معاویہؓ کے استحکام کا باعث ہوئے تھے۔ اسی طرح وہ

بنوامیہ کی سلطنت کے زوال اور انہدام کا موجب بھی ہوئے کیونکہ بنو امیہ کے آخری فرمانرواؤں نے بعض علاقوں اور شہروں سے اپنی توجہ بالکل ہٹالی اور انہیں ہر قسم کی آسائشوں اور بذل و عطا سے قطعاً محروم کر دیا۔ چنانچہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کو کامل ایک سال تک وظیفے نہ مل سکے لیکن اس کے بالمقابل حضرت معاویہؓ نے اہل بیت مثلاً حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کے وظیفے لاکھوں درہم سالانہ کر دئے تھے۔ جو حضرت عمر فاروقؓ کے مقرر کردہ وظیفہ سے سینکڑوں گنا زیادہ تھے۔

وہ شہر اور قبیلے جو سلاطین بنوامیہ کی نظر عنایت سے محروم ہو گئے تھے اور وہ لوگ جنہیں وظائف اور عطایا ملنے بند ہو گئے تھے ان میں سلطنت کے خلاف ناراضی کے جذبات پیدا ہونے لگے۔ ان جذبات نے آگے چل کر بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ امویوں کے آخری دور حکومت میں اموال کی قلت بھی ان اسباب میں سے تھی جنہوں نے آل عباس کو ایک قائم شدہ حکومت اور جاری شدہ نظام کے خلاف بغاوت کرنے پر اکسایا۔

یہی حال تھا جو ابتدا میں بنو امیہ کی سلطنت قائم کرنے کا موجب ہوا اور یہی حال تھا جو آخر میں اُن کی بادشاہت کو تباہ کرنے کا سبب بنا۔

چونکہ اس باب میں ہم حضرت عمرؓ کی پالیسی کا جائزہ لے چکے ہیں لہٰذا اسی تسلسل میں ہم چند ایسی باتیں اور ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا ہمارے اس موضوع سے تعلق ہے۔

حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے مدینہ میں فوجیوں کا ایک رجسٹر تیار کرایا۔ جسے "دیوان" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس میں سارے مہاجرین، تمام انصار اور کل تابعین کے نام اور اُن کے وظائف کی تفصیل درج تھی۔ یہ وظائف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور اسلام میں سابقیت کی بنا پر کم و بیش مقرر کئے جاتے تھے چونکہ اس زمانہ میں مسلمان تمام کے تمام اسلامی فوج میں شامل تھے۔ اس لئے یہ رجسٹر درحاصل تمام مسلمانوں کا رجسٹر تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مجاہدین کی باقاعدہ

تنخواہیں مقرر نہیں تھیں۔ بلکہ جنگوں سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تھا خمس نکال کر باقی سارے کا سارا انصار میں بحصۂ مساوی تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اس خیر القرون میں سابقیت اسلام اور حسب و نسب کی تمیز نہیں کی جاتی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں بھی یہی طریقہ رائج رہا لیکن جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے باقاعدہ رجسٹر تیار کرایا اور باعتبار نسب اور سابقیت لوگوں کے وظائف مقرر کئے۔ اس غرض کے لئے لوگوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر طبقہ کی تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کے دور اور نزدیک ہونے اور سابقیت اسلام کے لحاظ سے کی گئی۔ ذیل میں ان سالانہ وظائف کی تفصیل دی جاتی ہے۔ جو حضرت عمر رضؓ کے عہد میں مسلمانوں کو دئے جاتے تھے:۔

اُن لوگوں کو جو جنگِ بدر میں شریک تھے	پانچ ہزار درہم فی کس سالانہ
اُن لوگوں کو جو جنگ بدر میں شریک نہیں تھے	چار ہزار " " "
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک	بارہ ہزار " " "
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کو	بارہ ہزار " " "

حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو	پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ
اپنے بیٹے عبداللہؓ کو	تین ہزار " "
مہاجرین اور انصار کے بیٹوں کو	دو ہزار درہم فی کس سالانہ
اہل مکہ کو	آٹھ سو " " "

دیگر تمام مسلمانوں (بشمول انصار) کو باعتبار تفاوت تین سو درہم سے پانچ سو درہم تک سالانہ

مہاجرین اور انصار کی عورتوں کو دو سو درہم سے چھ سو درہم تک سالانہ

اگر ان تنخواہوں کا موجودہ زمانہ کی تنخواہوں سے مقابلہ کیا جائے تو بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ اگر ہم درہم کو سونے کے چار پانچ ماشوں کے برابر تسلیم کرلیں تو بڑے سے بڑے آدمی کی سالانہ تنخواہ سونے کے سو لیڑیں سے زیادہ نہیں بنتی۔ اس تفصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں کے سرکردہ لوگوں کو جنہوں نے دین کی خاطر زیادہ قربانیاں کی تھیں چار ہزار سے پانچ ہزار درہم تک تنخواہ ملا کرتی تھی۔ اور عام مسلمانوں کو تین سو سے پانچ سو درہم تک۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو جو تنخواہ ملتی تھی۔ وہ اس کے علاوہ تھی۔ نیز ہر ایک مسلمان

کو ہر مہینے دو جریب گیہوں بھی ملا کرتا تھا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں فوج کی تنخواہوں کا معیار یہی رہا لیکن جب بنو امیہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے اور حضرت معاویہؓ کو عربوں کے مطیع کرلے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے تنخواہوں میں اضافہ کر دیا حضرت معاویہؓ کا لشکر ستر ہزار لوگوں پر مشتمل تھا اور اس لشکر پر سالانہ سات کروڑ درہم خرچ کئے جاتے تھے۔ یعنی اوسطاً ہر شخص کو ایک ہزار درہم سالانہ ملتے تھے۔ تنخواہوں کا یہ معیار حضرت عمرؓ کے زمانہ کی تنخواہوں کے معیار سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت معاویہؓ کی امداد کرنے آپ کے ساتھ ہو کر لڑنے اور آپ کی دعوت قبول کرنے میں سب سے پیش پیش یمن کے قبائل تھے یہ سب کچھ وہ انعام واکرام اور مال و دولت کی خاطر کر رہے تھے کیونکہ محض اعلاء کلمۃ الحق کے لئے جنگ کرنے کا شوق اور ولولہ تو خلفائے راشدین کے دور کے خاتمہ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

امداد کرنے کے معاوضہ میں حضرت معاویہؓ نے بھی یمنیوں کی بڑی

قدر افزائی کی، انہیں ان کی توقع سے بڑھ چڑھ کر مال و دولت سے نوازا۔ اور ان کا ایک علیحدہ لشکر ترتیب دیا۔ ہر معاملہ میں آپ ان لوگوں کے امراء اور سرکردہ لوگوں سے مشورے لیتے اور انہیں اپنے قرب سے نوازتے تھے۔ اس کے نتیجہ میں یمنیوں کا زور اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ حکمران خاندان یعنی بنو امیہ پر بھی اپنی فضیلت جتانے اور علی الاعلان کہنے لگے کہ اگر وہ چاہیں تو تمام مضریوں کو (جن میں بنو امیہ بھی شامل تھے) شام سے نکال باہر کریں۔ اس پر حضرت معاویہؓ پچھتائے کہ انہوں نے اہل یمن کو اس قدر کیوں بڑھایا؟ آخر انہوں نے ایک اور قبیلہ قیس نامی کو اپنے ساتھ ملایا اور انہیں بھی وہی مراتب عطا کئے جو اہل یمن کو عطا کر رکھے تھے۔ ان کی بھی وہی تنخواہیں مقرر کیں جو یمنیوں کی مقرر کی تھیں یمنیوں کو بحری فوج میں شامل کیا اور قیسیوں کو بری فوج میں۔ لیکن یمنیوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ کیونکہ قیس قبیلہ مضر میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے بھی اپنی ناگواری اور خفگی کا اظہار کیا جس پر حضرت معاویہؓ نے دونوں قبیلوں کو یکجا کر کے ایک فوج ترتیب دی۔ اس کے بعد یہ دونوں قبیلے ایک ساتھ ہی جنگ پر جایا کرتے تھے۔

حضرت معاویہؓ مال و دولت کو صرف فوج کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ہی خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے مخالفین کی ناراضی دور کرنے اور انہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے بھی دل کھول کر صرف کرتے تھے آپ اپنے عمال کو تاکید کرتے رہتے تھے کہ وہ اُن لوگوں کو انعام و اکرام اور عطایا دینے میں بہت فیاضی سے کام لیں۔ جن کے متعلق انہیں معلوم ہو کہ وہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کے مددگاروں میں سے ہیں۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے عہد میں تمام سلطنت کی پیمائش کرائی تھی لیکن اس پیمائش سے بھی زیادہ تر اپنے آپ کو فائدہ پہنچانا مطلوب تھا۔ پیمائش کے دوران میں جتنی زمینیں ایسی معلوم ہوئیں جن کا کوئی مالک نہیں تھا وہ سب حضرت معاویہؓ نے اپنے اہل و عیال کے نام منتقل کر لیں۔

تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زمین کو لوگوں میں تقسیم کر دینے اور اس کی پیداوار سے فائدہ حاصل کرنے کی وجہ سے دولت اسلامیہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ کیونکہ وہ اموال جو ابتدائی عہد میں فتوحات اور غزوات کے ذریعہ حاصل ہوئے تھے ختم ہو چکے تھے اور سرِدست

فتوحات کا سلسلہ بھی اپنے عروج پر پہنچ کر ایک حد تک رک گیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ سلطنت کے مصارف پورے کرنے کے لئے متروکہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت کی طرف توجہ کی جاتی۔ یہ مقصد خالی اور غیر آباد زمینوں کو لوگوں میں تقسیم کر دینے کے سوا اور کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ایسا ہی کیا اور زمینوں کو آباد کر کے سلطنت کے خزانوں کو بھر دیا۔

حضرت معاویہؓ کے آخری ایام

پچھلے ابواب میں ہم نے حضرت معاویہؓ کی شخصیت کے اکثر پہلوؤں پر دل کھول کر بحث کی ہے اور ان کی ہوشیاری، سیاسی قابلیت، حلم وفہم اور ذکاوت و فطانت کے بہت سے نمونے پیش کئے ہیں ذیل میں ہم ان کی شخصیت کے ایک اور پہلو کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ حضرت معاویہؓ میں دنیا بھر کی خوبیاں جمع تھیں لیکن ایک خوبی سے ان کی ذات خالی تھی اور وہ تھی جنگی جرات۔ البتہ اس خوبی سے ان کے حریف اور مدمقابل حضرت علیؓ پوری طرح مزین تھے۔ حضرت معاویہؓ کی سیرت وسوانح پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ

جہاں تک ممکن ہو سکتا جنگ سے گریز کرتے رہتے اور بذل وعطا اور سیاست و ہوشیاری سے اس خلا کو پُر کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتے۔ اغلباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو یہ خیال تھا کہ میری حکومت پائیدار بنیادوں پہ قائم نہیں اور میری سیاست اور خلافت سے ملک کے کثیر لوگوں کو اختلاف ہے۔ آپ کو ڈر تھا کہ اگر میری طرف سے جنگ کی ابتدا کی گئی تو میرا حریف عوام کو میرے خلاف بھڑکانے اور مجھ سے مزید نفرت دلانے میں اس حربہ سے ضرور کام لے گا اور یہ پروپیگنڈا کرکے کہ میں سلطنتِ اسلامیہ کے خرمنِ امن کو چنگاری دکھا رہا ہوں۔ ملک کے کثیر حصہ کو میرے خلاف کھڑا کر دے گا۔

آپ خانہ جنگی کو سخت ناپسند کرتے تھے اور اس کے نتائج وعواقب سے پوری طرح باخبر تھے۔ اپنے ایامِ حکومت میں جب کبھی بھی آپ کو بغاوت کا ڈر پیدا ہوا تو آپ نے بذل وعطا اور ڈپلومیسی سے کام لے کر اس آگ کو فرو کر دیا۔ خواہ اس سے سلطنت کے وقار ہی کو صدمہ پہنچنے کا خطرہ پیدا ہوتا۔

بے شک آپ نے قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے فوجیں روانہ

کیں لیکن ایسا انہوں نے مجبوری سے کیا۔ کیونکہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ رومیوں سے ان کے علاقہ میں جا کر جنگ نہ کی گئی تو وہ مسلمانوں کے افتراق سے فائدہ اٹھا کر اور اُن کی خاموشی کو ضعف سے تعبیر کر کے ضرور شام پر حملہ کر دیں گے جس سے مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا۔

آپ نے جو بحری جنگیں کیں وہ بھی اگرچہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں لیکن اگر دوسری جہت سے دیکھا جائے تو اُن سے حضرت معاویہؓ کی انتظامی قابلیت اور جنگی مہارت کا ضرور پتہ چلتا ہے اور یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ گو حضرت معاویہؓ میدانِ جنگ کے شہسوار اور "جنگی انسان" نہ تھے تاہم ملکی دفاع سے ہرگز غافل نہ تھے اور اس باب میں انہوں نے جو کام کیا وہ اُن کے عہد کے کسی بڑے سے بڑے قائد اور سپہ سالار کو بھی کرنا نصیب نہ ہو سکا۔[1]

---

[1] مصنف کا اشارہ اس جگہ حضرت معاویہؓ کے اس عظیم الشان جنگی بیڑے کی طرف ہے جو سترہ سو جہازوں پر مشتمل تھا اور جس نے رومی بیڑے کو شکست دے کر مجمع الجزائر کے بہت سے جزیروں کو جن میں روڈس اور قبرص بھی شامل تھے فتح کیا اور اس طرح رومیوں کے جنگی اور تجارتی جہازوں کا راستہ بند کر دیا۔ (مترجم)

حضرت معاویہؓ کی ایک خاص عادت بھی مؤرخ کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت معاویہؓ شامی لشکر کو بالعموم شام سے باہر نہ بھیجتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لشکر سلطنت بنو امیہ کے قیام کا اصل باعث اور بنیاد تھا اور اسی کی مدد سے آپ نے سلطنت اور حکومت حاصل کی تھی۔ اگر اسے لمبے عرصہ کے لئے شام سے باہر جانے کا موقعہ مل جاتا تو اجنبی خیالات اور بیرونی سیاست کے نت نئے طریقے لشکر کے خیالات پر ضرور اثر انداز ہوتے۔ حضرت معاویہؓ نے خاص طور پر کوشش کر کے اُن لوگوں کو پورے طور پر اپنا ہم نوا اور مطیع و فرمانبردار بنایا تھا۔ آپ کو ڈر تھا کہ بیرونی تاثرات کہیں اس لشکر کی وفاداری کو متزلزل نہ کر دیں۔ اس لئے آپ اسے حتی الامکان شام سے باہر نہیں بھیجتے تھے۔ اگر کسی جگہ بغاوت پھوٹ پڑتی تھی تو اُسے فرد کرنے کے لئے بامر مجبوری شامی لشکر کو روانہ کرتے تھے لیکن جوں ہی بغاوت فرو ہو جاتی اُسے فوراً واپس شام پہنچنے کا حکم دے دیتے۔ لشکر کے کسی شخص کو شام سے باہر رہائش اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی۔

دمشق کے لوگ بنو امیہ سے اخلاص رکھتے اور حکومت کی بخوشی حمایت

ونصرت کرنے کی وجہ سے مشہور تھے۔ حجاج کو جب کبھی اہل عراق کے سامنے ان کے اختلاف کے متعلق خطبہ دینے کی ضرورت پیش آتی تو وہ دمشق والوں کی اطاعت اور باہمی اتفاق کو بطور مثال ان کے سامنے پیش کیا کرتا تھا اور جب کبھی اسے عراقیوں کی طرف سے بغاوت یا فتنہ و فساد کا خطرہ ہوتا تھا تو وہ انہیں دھمکی دیتا تھا کہ اگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے تو شامی لشکر کو بلا کر ان کے سروں پر مسلط کر دیا جائے گا۔

حضرت معاویہؓ بھی شامی لشکر کی اطاعت اور اخلاص کی قدر کرتے تھے۔ لشکر کے امراء کو اپنے قرب میں جگہ دیتے تھے۔ ان کی تنخواہیں بیش قرار مقرر کی ہوئی تھیں۔ عطایا اور صلات میں ان کو بہت زیادہ حصہ دیا جاتا تھا۔ ان امور کی بنا پر لشکر کو بھی حضرت معاویہؓ سے خاص تعلق تھا اور ایک ایک سپاہی ان کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

یہ بات بھی بعید از قیاس نہیں کہ حضرت معاویہؓ نے اسلامی سلطنت پر گہری نظر ڈال کر یہ مناسب سمجھا ہو کہ بیرونی فتوحات کے سلسلہ

کو وسیع کرنے کی بجائے اِس وقت ضرورت اِس بات کی ہے کہ خود اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کیا جائے اور مفتوحہ علاقوں کے نظم ونسق کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر کے سلطنت کو مستحکم کیا جائے۔

اسلامی فتوحات کا سلسلہ اگرچہ مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلا ہوا تھا، تاہم مفتوحہ علاقوں میں ایک مضبوط حکومت کے قیام کی اشد ضرورت تھی۔ سلطنت کے حالات اِس بات کے متقاضی تھے کہ ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی تنظیم قائم کی جائے جو عربی روح اور اُن قوموں کی روح کو اپنے اندر سمو لے جو اسلامی فتوحات کے باعث اور دین اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو عربی قومیت میں جذب کر چکی تھیں۔ یہ چیزیں انتہائی اہمیت کی حامل تھیں اور حضرت معاویہؓ ان کی طرف سے قطعاً لاپروائی نہ برت سکتے تھے۔

اِسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ اپنے آخری ایام میں ڈیموں سے اپنے اختلافات دُور کر لے اور اعیانِ مملکت کو یزید کی ولی عہدی پر رضامند کرنے کے لئے حد سے زیادہ کوشاں تھے۔ تاکہ آپ کے بعد مملکت میں فتنہ و فساد نہ پھیل سکے۔ اور مسلمان اپنے آپ کو ایک منظم حکومت اور

اثر و اقتدار رکھنے والے حاکم کے ماتحت تصور کریں۔ ساتھ ہی آپ مملکتِ اسلامیہ کی تنظیم قبائل کی شورشوں کو فرو کرنے اور مسلمانوں کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے میں نہایت درجہ ساعی تھے۔ مسلمانوں کو زراعت کی طرف مائل کرنے میں بھی آپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ زراعت میں مشغول ہونے کی وجہ سے لوگوں میں حکومت کے خلاف بغاوت اور فتنہ و فساد کے خیالات پیدا نہیں ہوں گے۔ اور وہ ہمہ تن اپنے کام میں لگے رہیں گے۔ خلافت کے نام کو بلند کرنے اور مرکزی اقتدار مضبوط کرنے سے آپ کبھی غافل نہیں رہے۔

حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں دولتِ اسلامیہ ابتدائی منزلوں سے گزر رہی تھی۔ سلطنت کے استحکام کے لئے یہ ابتدائی عہد بہت سخت تھا۔ اسی لئے آپ کے شب و روز سلطنت کے استحکام کے متعلق تدابیر سوچنے اور اپنے اقتدار کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے غور و فکر کرنے میں بسر ہوتے تھے۔ ہر قسم کی مخالفت کو آپ ابتدا میں کچل دینے اور حریفوں کو مال و منال اور عطایا و صلات دے کر رام کرنے کے قائل تھے۔ جمال

کے کاموں کی نگہداشت میں بھی آپ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے اور ہمہ وقت اس بات کا جائزہ لیتے رہتے تھے کہ آیا آپ کے عمال نے وہی راستہ اختیار کیا ہے جس پر آپ خود گامزن ہیں یا اس علاوہ کسی اور راستے پر ان کے قدم پڑ رہے ہیں۔

اپنے عمال میں سب سے زیادہ آپ جس شخص کی اصابت رائے کے معترف تھے وہ زیاد بن ابیہ تھا۔ یہ شخص پہلے حضرت علیؓ کے ساتھ تھا۔ لیکن آپ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے اسے بہت کچھ لالچ دے کر اور منت خوشامد کر کے اپنے مددگاروں میں شامل کر لیا تھا۔ آپ اکثر زیاد کے اس قول کو یاد کیا کرتے تھے:۔

"صاحب اقتدار شخص میں چار خوبیوں کا ہونا لابدی اور ضروری ہے اور وہ خوبیاں یہ ہیں:۔

(۱) مال سے بچنا۔ (۲) محسن کو اپنے قرب میں جگہ دینا (۳) بدخواہ کے ساتھ سختی کا سلوک کرنا اور (۴) ہمیشہ سچ بولنا۔

زیاد پہلا شخص تھا جس نے اپنے ماتحت حکام کے لئے بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں جو کم وبیش ایک ہزار درہم کے لگ بھگ ہوتی تھیں۔

خود اس کی اپنی تنخواہ پندرہ ہزار درہم تھی۔ وہ کہا کرتا تھا۔

"والی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے کام سے پوری طرح باخبر ہو"

حضرت معاویہؓ بھی حضرت عمروؓ بن العاص سے زیادہ زیاد کو پسند کرتے تھے۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص حضرت معاویہؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں وفات نہ پا جاتے اور کچھ عرصہ اور زندہ رہتے تو یقیناً ان دونوں میں زبردست اختلاف پیدا ہو جاتا۔ گو حضرت معاویہؓ بطور خود کسی سے اختلاف پیدا کرنے کو مناسب نہ سمجھتے تھے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے لیے مصر کی جو ولایت حاصل کر لی تھی۔ وہ حضرت معاویہؓ کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ ادھر حضرت عمروؓ بن العاص اپنے آپ کو حضرت معاویہؓ سے زیادہ قابل سمجھتے تھے اور اکثر اپنے ہم نشینوں سے کہا کرتے تھے کہ "اگر میری سعی و تائید حضرت معاویہؓ کو حاصل نہ ہوتی تو وہ کبھی خلافت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے"

حضرت عمروؓ بن العاص کی منت خوشامد کر کے انہیں اپنے ساتھ ملا

بینا حضرت معاویہؓ کا بہت بڑا کارنامہ ہے جس وقت حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلاف برپا ہوا اُس وقت حضرت عمروؓ بن العاص اس جھگڑے سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی ملکی معاملات سے واقفیت کمال ہوشیاری اور نہایت درجہ ذکاوت و فطانت کو دیکھ کر انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہا اور بالآخر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے۔ اِس صلہ میں انہیں مصر کی ولایت بھی سپرد کر دی لیکن پھر بھی دونوں کے درمیان دلی مودت قائم نہ ہو سکی۔ دونوں اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض و حسد کے جذبات چھپائے ہوئے تھے۔ جس کا اظہار کبھی کبھی دونوں کے چہروں اور زبانوں سے بھی ہو جاتا تھا۔

جنگ صفین کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو دعوتِ مبارزت دی۔ حضرت معاویہؓ نے لیس و پیش کیا جس پر حضرت عمروؓ بن العاص نے اُن سے کہا۔

"علیؓ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ جیسے شخص کو اُن کی دعوت مبارزت قبول کرنے میں پس و پیش کرنا زیب نہیں دیتا۔"

یہ سن کر حضرت معاویہؓ کہنے لگے:۔

"تم مجھے دھوکا دے رہے ہو اور میرے قتل کے درپے ہو۔"

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے اپنے ہم جلیسوں سے پوچھا:۔

"سب سے عجیب چیز کیا ہے؟"

یزید نے جواب دیا:۔

"سب سے عجیب چیز یہ بادل ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ٹھہرا ہوا ہے۔ نہ نیچے سے اسے کوئی چیز سہارا دئے ہوئے ہے اور نہ وہ اوپر سے کسی شے سے بندھا ہوا ہے۔"

دوسرا کہنے لگا:۔

"عجیب تر امر یہ ہے کہ جاہل کسی چیز کو حاصل کر لے لیکن عقلمند اس کے حصول سے محروم رہے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص کہنے لگے:۔

"عجیب تر امر یہ ہے کہ کوئی شخص باطل پر ہونے کے باوجود اس شخص پر غالب آجائے جو حق پر ہو۔"

دراصل آپ کی مراد یہ تھی کہ معاویہؓ جو باطل پر ہیں، حضرت علیؓ پر

غالب آگئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

حضرت معاویہؓ نے بھی ترکی بترکی جواب دیا:۔

"نہیں بلکہ عجیب تر امر یہ ہے کہ کسی شخص کو کوئی ایسی چیز دے دی جائے جس کا وہ مستحق نہ ہو۔"

حضرت معاویہؓ کا مطلب یہ تھا کہ عمروؓ بن العاص کو مصر کی ولایت سپرد کر دی گئی ہے لیکن وہ اس کے حق دار نہیں ہیں۔"

اس طرح دونوں نے ایک دوسرے کے متعلق اپنے جذبات دوسرے پر ظاہر کر دیے۔

لیکن حضرت عمروؓ بن العاص حضرت معاویہؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام ہی میں وفات پا گئے حضرت معاویہؓ نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں ایسی شخصیت سے نجات دی جس کی طرف سے انہیں کبھی بھی اطمینان نہیں ہو سکتا تھا۔

البتہ جو شخص حضرت عمروؓ بن العاص اور حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے بھی زیادہ حضرت معاویہؓ کے قریب تھا وہ زیاد بن امیہ تھا۔ زیاد پہ

حضرت معاویہؓ کو جو اعتماد تھا وہ اور کسی شخص پر نہ تھا۔ وہ اس کی سختی اور دوررسی کو بنظر استحسان دیکھتے تھے۔ زیاد نے بھی حضرت معاویہؓ کی ان توقعات کو جو وہ اس سے لگائے ہوئے تھے۔ پورا کر کے دکھا دیا اور جس جس جگہ کا اسے والی مقرر کیا گیا۔ وہاں اس نے نظم ونسق کو ٹھوس اور مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا۔ اس کی توجہ حضرت معاویہؓ کا اقتدار مضبوط کرنے سے زیادہ اس علاقہ کے امن و امان اور نظم ونسق کی حالت کو بہتر بنانے کی طرف ہوتی تھی جس کا اسے والی بنایا جاتا اور وہ ایسا کرنے میں ہر طرح کامیاب رہا۔

ہمارے خیال میں زیاد کا شمار ان لوگوں میں سے ہے جن کے پیش نظر محض اپنا اقتدار ہوتا ہے۔ اگر اقتدار اور عہدوں کی خاطر انہیں اپنی وفاداری کا مرکز بدلنا بھی پڑے تو وہ اس سے دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے عہد میں چونکہ اسے بڑے بڑے مناصب پر فائز رہنے کا موقعہ ملتا رہا۔ اس لئے وہ آپ کی اطاعت کا دم بھرتا رہا۔ اور جب حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں اسے والی بنانے کی پیش کش کی تو وہ ان کے ساتھ ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ کا انتظامِ مملکت

حضرت معاویہؓ نے اپنی تمام زندگی ترقی اور عروج حاصل کرنے میں صرف کر دی۔ جب آپ ملکی امور کی تنظیم میں مشغول ہوتے تھے تو ہر مشکل امر آپ کی نظر میں آسان معلوم ہوتا تھا۔ ایک بار ایک اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان آپ کی قبر کے پاس سے گزرا اور آپ کے لئے رحمت کی دعا مانگی۔ اس پر ایک آدمی نے جو ساتھ تھا پوچھا:۔

"امیر المومنین! یہ کس شخص کی قبر ہے؟"

عبدالملک نے جواب دیا:۔

"یہ قبر جس کی ہے اسے تم خوب جانتے ہو۔ وہ علم کے ساتھ بولتا

تھا، حلم کے ساتھ سکوت اختیار کرتا تھا، جب دینے پر آتا تھا تو لوگوں کو مالدار کر دیتا تھا اور جب لڑائی کے لئے آمادہ ہوتا تھا تو مدمقابل کو فنا کر دیتا تھا"

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اگرچہ حضرت معاویہؓ کے نکتہ چینیوں میں سے تھے مگر اس کے باوجود وہ کہتے ہیں:۔

"میں نے حضرت معاویہؓ سے زیادہ ریاست اور سلطنت کے لائق کوئی اور شخص نہیں دیکھا"

حضرت معاویہؓ کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے ایک عجیب و غریب قصہ بیان کر دینا لطف سے خالی نہ ہوگا۔ علامہ فخری لکھتے ہیں:

"حضرت معاویہؓ نے ایک انصاری کو پانچ سو درہم بھیجے۔ انہوں نے یہ رقم اپنی شان کے مطابق نہ سمجھی اور اپنے بیٹے سے کہا:۔

"یہ رقم معاویہؓ کے پاس لے جاؤ اور ان کے منہ پر دے مارو"

اس کے بعد اس سے قسم لی کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔

لڑکا درہموں کی تھیلی لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:۔

"امیر المومنین! میرے والد بہت تیز مزاج آدمی ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ حکم دیا ہے اور مجھ سے ایسا کرنے کے لئے قسم بھی لے لی ہے۔ اب بتلائیے میں کیا کروں؟"

یہ سن کر حضرت معاویہؓ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور کہا۔

"اپنے والد کا حکم بجا لاؤ لیکن ذرا آہستہ سے مارنا"

یہ سن کر لڑکا شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا اور دراہم کی تھیلی پھینک دی۔ حضرت معاویہؓ نے رقم دگنی کر کے اسے دے دی جسے لیکر وہ اپنے والد کے پاس چلا گیا۔

جب یزید کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ غصہ میں بھرا ہوا باپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"آپ نے بھی حلم اور بردباری کی انتہا کر دی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس تحمل اور بردباری کو آپ کی کمزوری اور بزدلی پر محمول نہ کیا جانے لگے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا۔

"اے بیٹے! حلم کی وجہ سے کبھی ندامت اور ذلت اٹھانی نہیں پڑتی

تم خود جس طرح چاہو اپنی زندگی بسر کرو۔ لیکن مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

اِسی پاکیزہ سیرت کی وجہ سے حضرت معاویہؓ تمام عالمِ اسلام کے خلیفہ بن گئے اور مہاجرین اور انصار کی گردنیں اُن کے مسلسل احسان وسلوک سے خم ہو گئیں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ اپنے ہم جلیسوں سے فرمایا۔

"تم لوگ قیصر و کسریٰ اور اُن کی عقلمندی اور دانائی کا ذکر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے اندر معاویہؓ موجود ہیں جو عقلمندی اور دانائی میں قیصر و کسریٰ سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔"

رفاہِ عامہ کی ذیل میں آپ نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دئیے اُن میں ڈاک کے سلسلہ کا قیام بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے جس کا سرسری سا تذکرہ اگرچہ صفحاتِ ماقبل میں ہو چکا ہے۔ مگر ذیل میں یہ ذکر ذرا تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

برید (ڈاک) کا انتظام ایرانیوں اور رومیوں کے ہاں بھی تھا لیکن

آپ نے اسے بالکل نئے سانچہ میں ڈھال دیا اور اُسے نہایت عمدہ طور پر منظم اور مرتب کیا۔ ڈاک کا یہ اعلیٰ انتظام بھی منجملہ ان اسباب کے تھا۔ جنہوں نے حضرت معاویہؓ کی سلطنت کے استحکام میں مدد دی۔ آپ دمشق میں اپنے محل سے ایک حکم جاری کرتے تھے اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں وہ حکم اُن کی وسیع مملکت کے آخری سرے تک پہنچ جاتا تھا۔

برید کا انتظام اس طرح تھا کہ متعدد مخصوص چوکیوں پر مضبوط اور تنو مند گھوڑے ہر وقت بالکل تیار کھڑے رہتے تھے۔ قاصد ایک جگہ سے خطوط لے کر گھوڑے پر سوار ہو کر چلتا تھا۔ اور منزل پر پہنچ کر اس گھوڑے کو تو وہیں چھوڑ دیتا تھا اور فوراً دوسرے تازہ دم گھوڑے کو لے کر دوبارہ تیزی کے ساتھ اپنا سفر شروع کر دیتا تھا۔ اس طرح ڈاک نہایت سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھی۔

برید کے لغوی معنی "بارہ میل" کے ہیں چونکہ اُس وقت ایک منزل سے دوسری منزل کا فاصلہ بالعموم بارہ میل کا ہوتا تھا۔ اس لئے ڈاک کے انتظام کو بھی "برید" کہنے لگے۔

حضرت معاویہؓ نے برید کا انتظام سلطنت کے ہر حصہ میں کر رکھا تھا

اس کا زبردست فائدہ یہ تھا کہ تمام مملکت کی خبریں بہت سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں اور حضرت معاویہؓ اپنے محل میں بیٹھے ہوئے مملکت کے تمام تازہ ترین حالات، رعایا کے حال احوال اور اپنے عمال کی سرگرمیوں اور کارروائیوں سے باخبر رہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ نے ایک اور محکمہ بھی ایجاد کیا تھا۔ اور وہ تھا۔ " دیوان خاتم " اس دفتر کا شمار بہت اہم دفاتر میں ہوتا تھا۔ اور یہ آج تک دنیا کے بعض ممالک میں موجود ہے۔ اگر یہ وجود میں نہ آتا تو سلطنت کا تمام انتظام خراب ہو جاتا اور دھوکہ بازی عام ہو جاتی۔

طریق کار اس طرح تھا کہ بارگاہِ خلافت سے جو حکم صادر ہوتا یا خلیفہ کسی شخص کو خزانہ سے کوئی رقم دینی چاہتے تو وہ حکم پہلے اس دیوان (دفتر) میں آتا۔ یہاں اِس حکم کی پوری نقل رجسٹر میں درج کر لی جاتی۔ اور اصل حکم یا فرمان کو مہر لگا کر مکتوب الیہ کی جانب روانہ کر دیا جاتا۔

حضرت معاویہؓ کو یہ دفتر قائم کرنے کا خیال اِس طرح آیا کہ ایک مرتبہ آپ نے امیر عراق زیاد بن ابیہ کو لکھا کہ حامل رقعہ ہذا کو ایک لاکھ درہم دے دئے جائیں۔ وہ شخص خط لے کر روانہ ہو گیا۔ راستہ میں اُس نے

خط کو کھول کر پڑھا (اس وقت تک خطوط پر مہر نہیں لگائی جاتی تھی) اور ایک لاکھ درہم کو دو لاکھ درہم بنا دئیے۔ زیاد نے خط پڑھ کر اُسے دو لاکھ درہم دیدئیے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت معاویہؓ کی خدمت میں زیاد کی طرف سے حساب پہنچا تو آپ کو اُسے دیکھ کر بہت تعجب ہوا اور زیاد کو لکھا کہ میں نے تو تمہیں ایک لاکھ درہم دینے کے لئے لکھا تھا۔ تم نے دو لاکھ درہم کیسے دے دئیے؟ جس پر زیاد نے اصل فرمان واپس بھیج دیا اور لکھ دیا کہ میں نے تو آپ کے حکم کے مطابق رقم ادا کی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے اس شخص سے ایک لاکھ درہم واپس وصول کئے اور آئندہ کے سدِ باب کے لئے "دیوانِ خاتم" قائم کر دیا۔ جہاں تمام فرامین سر بمہر کر کے باہر بھیجے جاتے تھے۔ اس طرح کسی شخص کو نہ تو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ فرمان میں کیا لکھا ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس خط میں تغیر و تبدل کر سکتا تھا۔

حضرت معاویہؓ نے دوسرے امور کے علاوہ تصنیف و تالیف کی طرف بھی اپنی توجہ مبذول کی۔ اس غرض کے لئے آپ نے ابن اثال طبیب

کو جو یونانی زبان سے واقف تھا بعض یونانی طبی کتابیں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح اسلام میں ترجمہ کے کام کی ابتدا ہوئی۔

حضرت معاویہؓ نے ان کتابوں کا ترجمہ صرف اپنے لیے کرایا تھا اس لئے عام لوگوں میں تو اُن کی اشاعت نہ ہوئی۔ البتہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء بنو امیہ کے پاس کچھ عرصہ تک ان کتابوں کے مسودے موجود رہے لیکن آہستہ آہستہ وہ سب ضائع ہو گئے۔ خالد بن یزید بن معاویہ اُن کا بڑا شائق تھا۔ اور اس نے بڑی محنت سے ان سب کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اُسے علم کا بے حد شوق تھا۔ اسی نے سب سے پہلے فلسفہ کی بعض کتابیں عربی میں ترجمہ کرائیں۔ پہلے اُسے اپنے لئے خلافت کی خواہش تھی۔ لیکن جب خلافت پر مروان قابض ہو گیا تو خالد نے اپنی تمام تر توجہ مختلف علوم کی تحصیل کی طرف مبذول کر دی اس نے یونانی فلسفیوں کی ایک جماعت سے جو مصر میں مقیم تھی کیمیا اور طب کے علوم خود بھی سیکھے اور فلسفیوں کو حکم بھی دیا کہ وہ یونانی اور قبطی زبانوں سے فلسفہ، کیمیا اور طب کی کتابیں عربی میں ترجمہ کریں چنانچہ اس طرح بہت سی کتابیں ترجمہ ہوئیں۔

خالد کو کیمیا اور طب میں بہت دسترس حاصل تھی۔ اُس نے اِن موضوعات پر کچھ رسالے بھی لکھے تھے جن سے ان فنون کے متعلق اس کی قابلیت اور مہارت ظاہر ہوتی تھی۔ ان رسائل کا ابن خلکان نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن آج کل ان کتب اور رسائل میں سے کوئی باقی نہیں۔

حضرت معاویہؓ کی وفات

حضرت معاویہؓ کو اپنی زندگی کے آخری حصہ میں سب سے بڑی فکر یہ تھی۔ کہ ان کے بیٹے یزید کی ولی عہدی میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو اور اُن کے بعد وہ اطمینان سے کاروبار حکومت چلا سکے۔ آپ اپنی زندگی میں لوگوں سے اس کے لئے بیعت لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگرچہ آپ جانتے تھے کہ اُمت اس کی بیعت پر راضی نہیں اور لوگوں نے محض خوف کی وجہ سے بیعت کی ہے۔ تاہم آپ کو یہ بھی یقین تھا۔ کہ آپ کی وفات کے بعد چار اشخاص کے سوا اور کوئی شخص یزید کے خلاف تلوار اٹھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ ان

چار اشخاص پر بھی جب آپ غور کرتے تھے تو سوائے عبداللہؓ بن زبیر کے، جن کی جرأت اور بہادری کے آپ قائل تھے، باقی لوگوں کے معاملہ کو آپ آسان سمجھتے تھے۔

جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے یزید کو بلایا اور اُس سے کہا۔

"اے میرے بیٹے! میں نے تمہارے لئے ہر قسم کا بندوبست کر دیا ہے۔ تمہارے دشمنوں کو تمہارا مطیع بنا دیا ہے۔ عربوں کی گردنیں تمہارے سامنے جھکا دی ہیں۔ خلافت کے معاملہ میں صرف چار قریشی تمہارے حریف ہو سکتے ہیں۔

(۱) حسینؓ بن علیؓ

(۲) عبداللہؓ بن عمرؓ

(۳) عبداللہؓ بن زبیرؓ اور

(۴) عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ

عبداللہؓ بن عمر کو تو عبادت نے تھکا دیا ہے جب وہ دیکھیں گے کہ دوسرے لوگوں نے تمہاری بیعت کر لی ہے تو وہ بھی تمہاری بیعت

کر لیں گے۔

حسینؓ بن علیؓ کو اہلِ عراق تمہارے مقابلہ میں لا کر چھوڑ
اگر وہ تمہارے مقابلہ پر نکلیں اور تم کامیاب ہو جاؤ تو درگذ
کام لینا۔ کیونکہ ہمارا ان سے رشتہ داری کا تعلق ہے۔ اس
علاوہ اُن کا ہم پر بہت بڑا حق بھی ہے۔

عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ ایسے آدمی ہیں کہ اپنے ساتھیو
جو کام کرتا دیکھتے ہیں خود بھی وہی کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان ک
عورتوں اور لہو کی طرف زیادہ مائل ہے۔ البتہ جو شخص شیر کی
گھات لگائے گا اور لومڑی کی طرح چالیں چلے گا وہ عبداللہ
زبیرؓ ہے۔ اگر وہ تمہارے مقابلہ کے لئے نکلے اور تم کامیاب
تو اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا"

ایک دوسری روایت میں مذکور ہے کہ ۶۰ھ میں
حضرت معاویہؓ کی وفات کا وقت نزدیک آیا تو یزید آپ
پاس موجود نہ تھا اور کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ آپ نے پولیس
افسر اعلیٰ ضحاک بن قیس اور مسلم بن عقبہ کو بلایا اور انہیں

کی:-

"یزید کو میری یہ وصیت پہنچا دینا۔ کہ تم اہلِ حجاز پر خاص لطف و کرم کی نظر رکھنا کیونکہ تمہارے اہل و عیال ان ہی میں سے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے تو اس سے بہت اخلاق اور تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا۔ اور ان میں سے جو لوگ تمہارے پاس نہ آسکیں اُن کی اچھی طرح خبرگیری کرتے رہنا اہلِ عراق سے بھی تلطف اور مہربانی سے پیش آنا۔ اگر وہ تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم ہر روز اُن کے عامل کو تبدیل کر دیا کرو تو بلا تامل مان لینا۔ کیونکہ کسی عامل کو معزول کرنا اس سے اچھا ہے کہ ایک لاکھ تلواریں تمہارے مقابلہ کے لئے میانوں سے نکل آئیں۔ اہلِ شام پر بھی نظرِ عنایت رکھنا۔ کیونکہ وہ تمہارے رازدار اور حامی و مددگار رہیں۔ اگر تمہیں کسی دشمن کا مقابلہ درپیش ہو تو شامیوں سے مدد لینا۔ لیکن جب لڑائی ختم ہو جائے تو اہلِ شام کو واپس شام بھیج دینا۔ کیونکہ اگر وہ شام سے باہر دوسرے علاقوں میں سکونت پذیر ہوں گے تو اُن کے اخلاق و عادات میں تغیر واقع

ہو جائے گا۔ قریش میں سے مجھے تین آدمیوں کا خوف ہے۔

(۱) حسینؓ ابن علیؓ۔

(۲) عبداللہؓ بن زبیرؓ اور

(۳) عبداللہؓ بن عمرؓ

ابن عمرؓ تو دینی معاملات میں منہمک رہتے ہیں۔ امید فا[...]
ہے کہ وہ تم سے کوئی مطالبہ نہیں کریں گے۔ حسینؓ بن علیؓ کمز[ور]
انسان ہیں۔ مجھے خیال ہے کہ اپنے والد کی شہادت اور اپنے بھ[ائی کی]
صلح کر لینے کی وجہ سے وہ بھی خاموش ہی رہیں گے۔ ان کو [تم]
سے رشتہ داری بھی ہے۔ ان کا ہم پر حق بھی ہے۔ اور ر[سول]
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت بھی ہے۔ تاہم میرا خیال ہے
اہل عراق انہیں تمہارے مقابلہ پر ضرور لائیں گے۔ اگر تم اُن
آجاؤ تو درگذر سے کام لینا۔ اگر وہ میرے مقابلہ پر آتے اور میں
آجاتا تو میں بھی اُن سے درگذر ہی سے کام لیتا۔ البتہ ابن ز[بیر]
خطرناک آدمی ہے۔ اگر وہ تمہارے قابو میں آجائے تو اُسے
مت۔ ہاں اگر وہ تم سے صلح کرنے کا خواہشمند ہو تو ضرور صلح

رتوم کو جہاں تک ہو سکے خون ریزی سے بچانا۔

حضرت معاویہؓ کھانے کے معاملہ میں بہت پرخور واقع ہوئے تھے۔ روایت مشہور ہے کہ وہ دن میں پانچ دفعہ کھانا کھاتے تھے آخری مرتبہ کھانا بہت پیٹ بھر کر کھاتے تھے۔ لیکن پھر بھی غلام سے کہتے تھے "دسترخوان اٹھالو۔ میں سیر تو نہیں ہوا۔ لیکن کھانا کھاتے کھاتے اکتا گیا ہوں"۔

آپ کے متعلق یہ روایات بھی آئی ہیں کہ جن مہمانوں کو آپ دسترخوان پر بلاتے تھے انہیں بہت کم کھانا دیتے تھے لیکن آپ کی سخاوت اور بذل و عطا کو دیکھتے ہوئے یہ روایت ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مہمان اس وجہ سے کہ وہ امیرالمومنین کے دسترخوان پر کھانا کھا رہا ہے خود کم کھاتا ہو۔

جس مرض میں آپ کا انتقال ہوا۔ اس کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو لقوہ ہو گیا تھا۔ نیز آپ کا نصف جسم بالکل بے کار ہو گیا تھا۔ گویا ایک قسم کا فالج کا اثر تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ چند لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ کے دانت گر چکے تھے ایک شخص نے آپ سے کہا۔

"امیرالمومنین! اعضاء میں سے بعض بعض کا وارث ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ اُس نے آپ کو ان کا وارث بنایا ہے اور انہیں آپ کا وارث نہیں بنایا"

جب حضرت معاویہؓ نے محسوس کیا کہ اب موت آہستہ آہستہ اُن پر غلبہ پا رہی ہے اور لوگوں میں بھی یہی چہ میگوئیاں جاری ہیں۔ کہ امیرالمومنین کی وفات نزدیک ہے تو انہوں نے اپنے اہل و عیال سے کہا۔

"میری آنکھوں میں سرمہ لگاؤ اور سر میں تیل ڈالو"

انہوں نے ایسا ہی کیا اور سرمہ لگانے اور سر میں تیل ڈالنے کے علاوہ چہرہ پر بھی تیل ملا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

"مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو اور لوگوں کو میرے پاس آنے کی اجازت دے دو۔ لیکن انہیں تاکید کر دو کہ ہر شخص کھڑے ہو کر سلام کرے بیٹھے نہیں"

چنانچہ لوگوں نے آنا شروع کیا۔ ہر شخص کھڑے ہو کر سلام
جب وہ آپ کے چہرہ کو دیکھتا تو اُسے یقین نہ آتا کہ آپ بیمار
۔ وہ کہتا۔
"افواہ گرم ہے کہ امیرالمومنین کی وفات قریب ہے لیکن وہ
پہلے سے بھی زیادہ تندرست معلوم ہوتے ہیں۔"
جب تمام لوگ آپ کو سلام کر کے چلے گئے تو آپ نے یہ
فرمایا۔
"میں نے باوجود موت کے قریب ہونے کے چہ میگوئیاں کرنے
والوں کے سامنے دلیری دکھائی اور لوگوں پر واضح کر دیا کہ میں کمزوری
کا اظہار کرنے والا نہیں۔"
جب مرض نے زیادتی پکڑی تو آپ نے ارد گرد کے لوگوں
سے کہا۔
"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک قمیص پہنائی
تھی۔ میں نے اُسے سنبھال کر رکھ چھوڑا ہے۔ ایک دن حضور نے
اپنے ناخن کاٹے تھے۔ میں نے انہیں بھی جمع کر کے ایک شیشی میں بحفاظت

رکھ دیا ہے۔ اب تم وہ قمیص مجھے پہنا دو اور ان ناخنوں کو پانی میں پیس کر میری آنکھوں اور منہ پر مل دو۔ شاید خدا تعالیٰ اُن ہی کی برکت سے مجھ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اس کے بعد اشہب بن رملہ کے یہ شعر پڑھے۔

"جب میں مر جاؤں گا تو سخاوت اور بخشش کا خاتمہ ہو جائیگا
حاجت مندوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا جائے گا۔ اور ناخلف لوگوں کے ہاتھوں دین و دنیا کی بھلائی عوام سے روک دی جائے گی۔"

یہ سن کر آپ کی کسی بیٹی یا کسی اور عورت نے کہا:

"امیر المومنین! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا
الفیت کل تمیمۃ لاتنفع

(جب موت اپنے ناخن چبھو دیتی ہے تو کوئی تعویذ فائدہ نہیں دیتا)

اس کے بعد آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر کے بعد جب ذرا افاقہ ہوا تو آپ نے کہا۔

اللہ عزوجل کا تقویٰ اختیار کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس شخص
کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا جو اُس کا تقویٰ اختیار کرے گا۔
مگر جو شخص اُس کا تقویٰ اختیار نہیں کرے گا تو خدا تعالیٰ بھی اُسے
دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا۔"

اس کے بعد پھر غشی طاری ہو گئی اور اسی حالت میں آپ نے
اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آپ کی وفات شعبان
سنہ [illegible] ہجری مطابق اپریل سنہ [illegible]ء میں ہوئی۔

مصادرِ کتاب

ہم نے اِس کتاب کی تالیف میں کئی مؤلفات اور تصانیف سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اُن تمام کتابوں کی تفصیل ہماری پچھلی کتاب (خلفاءِ محمدؐ) میں درج ہے۔ حجم بڑھ جانے کے خیال سے ہم نے اِس کتاب میں وہ تفصیل درج نہیں کی۔

تاہم اس ذیل میں بعض ایسی کتابوں کا ذکر کرنا ضروری ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ اور جن سے ہمیں بہت سی نئی معلومات ملی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب "معاویہؓ" ہے جو پروفیسر ادیب ایس آفندی الصولی نے مرتب کی ہے۔ موجودہ زمانہ میں حضرت معاویہؓ کے متعلق مؤرخین عرب کی طرف سے یہ پہلی کتاب شائع ہوئی ہے۔

اس میں حضرت معاویہؓ کی شخصیت، آپ کے اغراض و مقاصد، آپ کے نظم و نسق اور آپ کے اخلاق و عادات کے متعلق متعدد قیمتی معلومات درج ہیں۔

یورپی مستشرق "لامنس" نے بھی حضرت معاویہؓ کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس نے آپ کے حالات بیان کرتے وقت کئی نتائج ایسے نکالے ہیں جو واقعات اور تاریخی حقائق کے قطعاً مطابق نہیں۔ اگر وقت اور فرصت کی کمی نہ ہوتی تو ہم اس کے چند ٹکڑے اپنی کتاب میں بھی درج کرتے۔ جن کے متعلق بلا شک و شبہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انصاف و عدل سے بعید اور واقعات و حقائق کے برخلاف ہیں ؛

عمر ابو النصر

تتمہ

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی

حضرت معاویہؓ کے دست و بازو

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان مسلمانوں کے سب سے پہلے بادشاہ تھے۔ اُن کو بادشاہت کے درجے تک جن لوگوں نے پہنچایا۔ اُن میں سرفہرست تین اشخاص کے نام ہیں :۔

۱۔ حضرت عمروؓ بن العاص۔ جو مصر کے فاتح تھے

۲۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ۔ جو مشہور صحابی ہیں

۳۔ زیاد بن ابیہ۔ جس کی قسمت میں اُس شقیٔ ازلی کا باپ ہونا لکھا تھا جو جگر گوشۂ رسولؐ کا قاتل تھا۔

جس طرح محمد بن قاسم فتح سندھ میں حجاج بن یوسف کا قوتِ بازو بنا۔ جس طرح طارق بن زیادؒ اندلس کی فتح میں موسیٰ بن نصیر کا مددگار ثابت

ہوا۔ جس طرح ابومسلم خراسانی کی تلوار نے عباسیوں کی سلطنت قائم کی۔ ٹھیک اسی طرح ان تینوں نے حضرت معاویہؓ کی حکومت استوار کرنے میں اُن کی زبردست مدد کی۔ اس مضمون کو دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کر سکتے ہیں کہ جس طرح یحییٰ برمکی ہارون الرشید کا۔ نظام الملک طوسی ملک شاہ سلجوقی کا اور نواب سعداللہ خاں شہاب الدین شاہجہان کا نہایت درجہ معاون اور جان نثار رہا۔ اسی طرح یہ تینوں حضرت معاویہؓ کے معین اور بہی خواہ رہے۔ جس طرح ان تینوں بادشاہوں کے یہ وزیر اگر نہ ہوتے۔ تو اُن کی سلطنتوں کو اس قدر استحکام اور قوت حاصل نہ ہوتی جو ہوئی۔ بالکل اسی طرح اگر یہ تینوں اصحاب حضرت معاویہؓ کی اعانت نہ کرتے تو شاید وہ اتنا اقتدار حاصل نہ کر سکتے جو اُن کو حاصل ہوا۔

یہ لکھنے میں ایک مورخ کے قلم کو کوئی تردد نہیں ہوتا کہ یہی تینوں تھے جنہوں نے معاویہؓ کو معاویہؓ بنایا اور یہی تھے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کی امداد و اعانت کر کے اُن کو عروج و ترقی کی انتہائی منزل پر پہنچانے اور انہیں ایک صوبے کے والی سے تمام دنیائے اسلام کا بادشاہ بنا دینے میں کوشش اور سعی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور جتنی عقل و فراست۔ فہم و

ذکاوت اور ہوشیاری و دانائی خدا نے اُن کو بخشی تھی۔ وہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی امداد اور اُن کی خیر خواہی میں صرف کر دی۔

ایسی حالت میں ضرورت تھی کہ حضرت معاویہؓ کی سوانح حیات کے ساتھ ان تینوں اصحاب کے حالات بھی قلمبند کیے جائیں۔ کیونکہ بغیر ان تینوں کے تذکرے کے حضرت معاویہؓ کی سوانح عمری مکمل ہو ہی نہیں سکتی اور جب تک اُن مساعی کا ذکر نہ کیا جائے جو ان تینوں نے حضرت معاویہؓ کی سلطنت کے استحکام اور اس کی مضبوطی میں کیں اس وقت تک اُس عہد کی ہر تاریخ ادھوری رہے گی۔ اُس زمانے کے سیاسی حالات و واقعات کا دھارا پلٹنے میں ان تینوں اصحاب کا بڑا ہاتھ تھا اور مورخ کے لیئے یہ امر ناگزیر ہے کہ اس دور کی سیاسی تاریخ لکھتے ہوئے وہ ان تینوں کے حالات و سوانح کو نظر انداز کر سکے۔ اس لیئے ضروری معلوم ہوا کہ حضرت معاویہؓ کے سوانحی حالات کے ساتھ ساتھ ان تینوں اصحاب کے بھی واقعات و سوانحات مختصراً بیان کر دیئے جائیں۔ تاکہ تصویر کا پورا رُخ قارئین کرام کے سامنے آجائے اور وہ تمام حالات و واقعات سے کما حقہٗ باخبر ہو کر کسی صحیح اور درست نتیجہ پر پہنچ سکیں۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ان تینوں اصحاب کے سوانحی حالات حبّ و بغض کے جذبات سے علیحدہ ہو کر مؤرخانہ اور غیر جانبدارانہ تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر ناظرین کی خدمت میں پیش کروں۔ خدا کرے میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

۲۴ر دسمبر ۱۹۵۵ء

محمد اسماعیل پانی پتی

حضرت عمروؓ بن العاص

حضرت معاویہؓ کے مددگاروں میں حضرت عمروؓ بن العاص کا ہم سب سے پہلے اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ آپ بہ نسبت دوسرے معاونین کے سب سے زیادہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ رہے۔ پھر دوسرے دو آدمی تو قبل ازیں حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور ان کے بہت بڑے مخلص معتقد سمجھے جاتے تھے۔ بعد میں وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ ہو گئے۔ مگر حضرت عمروبن العاص کا معاملہ ان دونوں کے برخلاف تھا۔ وہ شروع ہی سے حضرت معاویہؓ کے ہمدردوں اور ہوا خواہوں میں شامل ہو گئے اور انتقال کے وقت تک ان کی خیر خواہی کا دم بھرتے رہے۔ یہ بات بھی بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ جتنی زبردست مدد اور اعانت حضرت عمروؓ بن العاص

سے حضرت معاویہؓ کو ملی۔ اتنی باقی دو سے نہیں ملی۔ لہٰذا حضرت عمروؓ بن العاص کا حق ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے اُن ہی کا ذکر کیا جائے وھو ھذا :۔

حضرت عمرو بن العاص قریش کے قبیلہ بنی سہم سے تعلق رکھتے تھے یہ عرب کا بہت معزز قبیلہ تھا۔ کعبہ کے خزانے اور اس کی آمدنی کا انچارج یہی قبیلہ تھا۔ قریش میں آئے دن جو تنازعات اور لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ اُن کا تصفیہ اور فیصلہ اسی قبیلے کے سپرد تھا اور جو فیصلہ یہاں سے صادر ہوتا تھا۔ اُسے چاروناچار ہر شخص کو قبول کرنا پڑتا تھا۔ خواہ وہ اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس قبیلہ کی حیثیت عرب میں بہت معزز اور اعلیٰ تھی۔

نام عمرو۔ کنیت ابو عبداللہ اور ابو محمد تھی۔ والدہ کا نام نابغہ اور باپ کا نام عاص بن وائل تھا۔ عاص اپنے قبیلہ کا سردار اور قریش کا بڑا نامور اور ذی حیثیت رئیس تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا تو اپنی وجاہت۔ اپنی شہرت اور اپنی عزت کے گھمنڈ میں دیگر سرداران قریش کی مانند عاص نے بھی نہایت سخت مخالفت کا اظہار

اور حضور کا بدترین دشمن بن گیا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ اگر خدا کو وحی ہی بھیجنی تھی تو قریش کے بڑے بڑے عمائد میں سے کسی پر بھیجتا۔ آمنہ کے یتیم کا کیا حق تھا کہ اُس پر فرشتے اُترتے۔

عاص جب تک زندہ رہا۔ اسلام کی دشمنی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت میں نہایت شدید اور سخت رہا۔ جب مکہ میں حضور علیہ السلام کے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہؓ صغر سنی میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے تو اسی عاص نے کہا تھا کہ "محمدؐ کے دونوں بیٹے مر گئے۔ اب اس کا نام لیوا اور پانی دیوا باقی نہیں رہا۔ اس پر خدا نے آسمان سے فرمایا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (اے محمدؐ! تیرا دشمن ہی نامراد رہے گا) دیکھ لو! آج عاص کا نام زندہ ہے یا محمدؐ کا؟ (خدا کے ہزاروں ہزار سلام اُن پر ہوں) کچھ عاص ہی پر موقوف نہیں اُس وقت جتنے بھی سردارانِ قریش تھے۔ سب کے سب آنحضرتؐ کے جانی دشمن تھے۔ مثلاً

۱۔ ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہؓ کا باپ)

۲۔ عتبہ بن ربیعہ (حضرت معاویہؓ کا نانا)

۳۔ ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)

۴۔ ابوجہل (حضرت عکرمہ کا باپ)

۵۔ ولید بن مغیرہ (سیف اللہ حضرت خالد کا باپ)

جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہجرت فرمائی تو اس کے ایک مہینے بعد ۹۵ سال کی عمر میں عاص مرگیا جس طرح وہ دنیا میں اپنی قوم کا سردار تھا۔ اسی طرح دوزخ میں اپنے ساتھیوں کا سردار ہوگا۔

بیٹے نے باپ کا پورا ورثہ پایا اور کوئی کسر حضور رحمۃ اللعالمین کی دشمنی اور عداوت میں باقی نہ چھوڑی۔ خود کہتے ہیں کہ "زمانۂ کفر میں حضورؐ سے زیادہ قابلِ نفرت میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ محمدؐ اور میں کسی چھت کے نیچے اکٹھے جمع ہوں۔"

جب جبارانِ قریش کے ظلموں سے تنگ آکر حضور سرورِ عالم نے اپنے بعض صحابہ کو حکم دیا کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ تو یہی عمرو بن العاص تھے جو مسلمانوں کی دشمنی میں قریش کی طرف سے سفیر ہو کر حبشہ پہنچے اور انتہائی کوشش کی کہ نجاشی شاہ حبش مسلمانوں کو پناہ نہ دے اور اپنے ملک سے نکال دے مگر اس نے انکار کر دیا۔

اس انکار پہ عمرو بن العاص خاموش نہیں بیٹھے بلکہ اسلام دشمنی ال

کی رگ و پے میں اس بری طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ بار بار حبش جاتے اور نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے رہتے مگر ہر بار انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو برابر عزت اور ترقی حاصل ہوتی گئی۔

ہجرت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کفارِ مکّہ اور مشرکین عرب سے جس قدر لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں عمرو بن العاصؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل صف آرا رہے اور زبردست کوششیں اس امر کی کرتے رہے کہ کسی طرح حضورؐ کے لشکر کو شکست ہو اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تباہ کیا جاسکے۔

جنگ خندق وہ آخری معرکہ تھا جس میں ناکامی کے بعد عمرو بن العاص ہمت ہار بیٹھے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب قریش کا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غالب آنا ناممکن ہے اور قریب آتا ہے وہ وقت جب ہمارے بنائے کچھ نہ بن سکے گا۔ اور سارا عرب محمدؐ کے قبضے میں ہوگا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ اس ملک ہی کو چھوڑ دیں۔ تاکہ محمدؐ کی بڑھتی ہوئی ترقی اور ان کا عروج اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں۔ اس سلسلہ میں خود ان کا اپنا بیان سنئے جو نہایت

دلچسپ اور پُر از معلومات ہے :-

"جب ہم لوگ جنگِ خندق سے واپس مکہ آئے تو میں نے قریش کے معزز اور سر بر آوردہ لوگوں کو حرم کعبہ میں جمع کیا۔ جب سب لوگ آ گئے تو میں نے اُن سے کہا کہ" اے بھائیو اور بزرگو! قرائن اور حالات سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محمدؐ کو دن بدن فتوحات حاصل ہوتی رہیں گی۔ اور ان کو مٹانے کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہے گی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اب کوئی طاقت محمدؐ کی طاقت کو نہیں روک سکتی اور عنقریب ہی وہ سارے عرب پر مسلط ہو جائیں گے۔ پس ہم پر لازم ہے کہ اُس سخت وقت کے آنے سے پہلے ہی ہم اپنا ٹھکانہ ڈھونڈ لیں۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ہم سب یہاں سے نکل چلیں اور حبش چلے جائیں۔ کیونکہ صاف نظر آ رہا ہے کہ اب کوئی دن جاتا ہے کہ محمدؐ کا قبضہ تمہارے اس مقدس شہر پر ہو جائے گا۔ اور جو دشمنیاں ہم نے محمدؐ کے ساتھ کی ہیں اور جس طرح فوجیں لے لے کر اُس پر چڑھے ہیں اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تباہ کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اُن کے بدلے میں محمدؐ ہم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑے گا۔ اور سب کے سب کتے کی موت مارے جائیں گے۔ اگر ابھی سے ہم

نکل جائیں تو محمدؐ کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے اور اتنی دور بیٹھے ہوئے محمدؐ ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا کی قسم النجاشی کی حکومت میں رہنا محمدؐ کے ماتحت رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ بتلاؤ۔ تم لوگوں کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ سب نے میری رائے سے اتفاق کیا اور کہا کہ ہاں اب محمدؐ کو شکست دینا بہت مشکل ہے۔ اس جنگ میں ہم نے تمام عرب کے قبائل کو بڑی کوشش سے ابھار کر مدینہ پر حملہ کیا تھا مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا اور ہمیں منہ کی کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب اس سے بڑا لشکر ہم محمدؐ کے مقابلہ کے لئے کہاں سے لا سکتے ہیں؟ اس لئے یہی بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں مگر تم پہلے جا کر شاہِ حبش سے ملو اور اس سے کہو کہ مکہ کے بڑے بڑے سردار تمہارے ملک میں آ کر رہنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو پھر ہم یہاں سے حبش چلے جائیں گے اگر ہمارے جانے کے بعد عرب کے لوگ محمدؐ پر غالب آ گئے تو ہم پھر واپس آ جائیں گے۔ ورنہ وہیں رہیں گے۔

جب یہ طے ہو گیا تو میں نے کہا کہ میں حبش جانے کے لئے تیار ہوں مگر شاہِ حبش کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے کے لئے ضرور کوئی چیز ساتھ

ہونی چاہیئے۔ اس پر مختلف لوگوں نے مختلف چیزوں کے نام لیے
مگر فیصلہ اس پر ہُوا کہ سب سے عمدہ تحفہ شاہ کے لیے یہاں کا چمڑہ
چنانچہ بہت اعلیٰ قسم کا چمڑہ خرید کر میں نے ہمراہ لیا اور حبش روانہ ہوگیا

وہاں پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے
ایک صحابی عمرو بن اُمیہ ضمری کو حضرت جعفر بن ابی طالب کی کسی ضرورت
کے لیئے (جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے) نجاشی کے پاس بھیجا
اور وہ آج کل یہیں ہیں۔

یہ سن کر میں نے سوچا کہ یہ بہت اچھا موقعہ محمدؐ سے انتقام لینے
کا ہے۔ نجاشی میری بڑی عزت کرتا ہے اور جب میں آتا ہوں تو بڑی
مہربانی سے میرے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس لیئے میں نجاشی کے
چل کر اور اس سے کہہ کر عمرو بن امیہ کو مروا ڈالوں۔ اس کارروائی
میری قوم خوش ہو جائے گی اور کہے گی کہ محمدؐ کے قاصد اور سفیر کو قتل
کرا کے عمرو بن العاص نے اپنی اور اپنی قوم کی شکستوں کا بدلہ لے

یہ خیال کر کے میں تحفہ لے کر نجاشی کے محل کی طرف چلا۔ میں
تھا اور عمرو بن امیہ نجاشی سے مل کر واپس آ رہے تھے۔ جب میں اندر

دربار میں پہنچا تو وہ حسبِ معمول مجھ سے بہت خلق و مروّت کے ساتھ ملا اور کہنے لگا کہ تم میرے لئے اپنے ملک سے کیا تحفہ لائے ہو؟ میں نے چمڑا پیش کیا تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے بادشاہ سے کہا کہ ابھی ابھی جبکہ میں آپ کی خدمت میں آ رہا تھا میں نے مکّہ کے ایک آدمی کو آپ کے پاس سے واپس جاتے دیکھا۔ اس شخص کو ہمارے شدید ترین دشمن محمّد نے آپ کے پاس بھیجا ہو گا۔ یہ ہمارے ہاں کا بھاگا ہوا غلام ہے اور ہمارے کئی آدمیوں کو قتل کر کے مکّہ سے بھاگ کر محمّد کے پاس مدینہ چلا گیا تھا۔ اب آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم اسے قتل کر دیں۔

یا تو نجاشی تخت پر خوش خوش بیٹھا تھا اور مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ یا یہ سنتے ہی ایسا جوش اور غضب میں بھر گیا کہ میں اس کی صورت دیکھ کر ڈر گیا اور اپنی اس درخواست پر اس درجہ شرمندہ ہوا کہ سوچنے لگا۔ کاش اس وقت زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ میں نے بہت ہی ادب اور لجاجت کے ساتھ شاہ کے حضور میں عرض کی کہ کیا میری درخواست حضورِ والا کو ناگوار گذری؟ اگر ایسا

ہے تو میں بصد عاجزی معافی مانگتا ہوں۔

جب نجاشی کا غصہ کچھ کم ہوا تو وہ کہنے لگا۔ عمرو بن العاص!

تو بڑے عقلمند آدمی ہو پھر ایسی بے وقوفی کی بات تمہارے منہ سے کس

طرح نکلی ہے کیا میں اس شخص کے قاصد کو قتل کرانے کی جرأت کر سکتا ہوں

جس پر وہی فرشتہ خدا کا کلام لاتا ہے جو حضرت موسیٰؑ پر لاتا تھا

میں نے بڑے تعجب سے پوچھا "تو کیا واقعی محمدؐ خدا کے پیغمبر

ہیں؟"

شاہ نے کہا "یقیناً اور بیشک"

اس پر میں نے دریافت کیا "اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو کیا میں حضور

عالی سے پوچھ سکتا ہوں کہ کہیں آپ نے محمدؐ کا دین تو اختیار نہیں

کر لیا؟"

نجاشی نے کہا "یقیناً میں مسلمان ہو گیا ہوں اور تمہیں بھی یہی نصیحت کرتا

ہوں کہ اگر اپنی بھلائی اور خیر چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ اور محمدؐ کی اطاعت

اختیار کر لو۔ محمدؐ ضرور ضرور ایک نہ ایک دن اپنے تمام دشمنوں پر فتحیاب

ہو جائیں گے جیسے حضرت موسیٰؑ فرعون پر غالب آئے۔ اگر تم لوگوں نے

ن کی اطاعت اختیار نہ کی تو آخر کار پچھتاؤ گے۔"

یہ سن کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بادشاہ سچ تو کہہ رہا ہے۔ ر محمد جھوٹے ہوتے اور ہمارے معبود کچھ طاقت رکھتے تو ہم کبھی تو ن پر غالب آتے۔ کیا وجہ ہے کہ ہمیں ہر موقع پر ہر میدان میں اُن کے بالمقابل شکست ہوئی اور وہ برابر اقتدار اور طاقت حاصل کرتے چلے جا رہے ہیں۔ پھر وہ ہمیں کسی بُری بات کا حکم بھی نہیں دیتے۔ اس صورت میں اگر ہم نے اُن کی اطاعت نہ کی تو واقعی ہم پچھتائیں گے۔

یہ خیال کرتے ہوئے میں نے بادشاہ سے کہا کہ "پھر میں آپ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ محمدؐ واقعی سچے ہیں اور واقعی خدا کی طرف سے ہیں۔"

میرے اقرارِ اسلام سے نجاشی خوش ہو گیا اور اس نے کہا۔ "ہاں آپ تم نے سیدھا راستہ اختیار کیا۔ جاؤ محمدؐ کے پاس اور اُن کی خدمت اور اطاعت میں اپنی عمر گذارو۔"

میں نجاشی کے پاس سے چلا۔ مگر اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے اپنے اسلام کا اظہار نہ کیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ خالد بن ولید

مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے تعجب سے پوچھا "ابا سلیمان! کدھر چلے؟" خالدؓ نے جواب دیا "سچی بات تو یہ ہے کہ میں مسلمان ہونے کے لئے محمدؐ کے پاس جا رہا ہوں۔ آخر کب تک ہم مخالفت کرتے رہیں گے اور کب تک راہِ حق کو اختیار نہ کریں گے؟ یہ شخص یقیناً خدا کا نبی ہے۔ اگر خدا کا نبی نہ ہوتا تو سارے عرب کے مقابلے میں یوں کامیاب نہ ہوتا یہ بت ہمارے کس کام آتے؟ اور لات و عزیٰ نے ہماری کیا مدد کی؟"

خالدؓ کے منہ سے یہ سن کر میں خوشی سے چلا اٹھا اور میں نے کہا "خدا کی قسم میں بھی اسی ارادہ سے مدینہ جا رہا ہوں۔ چلو بہت ہی اچھا ہوا کہ تم بھی ساتھ ہو۔ اگر ہمارے کرتوتوں کی پاداش میں محمدؐ نے ہماری گردن بھی مار دی تو وہ حق پر ہوں گے۔ خیر جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا"

ہم دونوں ڈرتے ڈرتے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے۔ خالدؓ آگے تھے اور میں پیچھے۔ حضورؐ نے نظر اوپر اٹھائی اور خالد سے پوچھا "کیوں خالد! کیسے آئے؟" خالد نے نیچی نظریں کئے شرمندگی سے جواب دیا "حضور! اسلام لانے۔"

آنحضرتؐ نے اپنا دستِ مبارک بڑھا دیا اور خالد نے بیعت کر لی

اب میری باری تھی۔ میں نے کہا: "حضور! میں حاضر تو ہوا تھا بیعت ہی کرنے کے لئے۔ مگر سوچتا ہوں کہ میں نے مکہ میں تیرہ برس تک آپ کو تکلیفیں پہنچائیں اور بعد میں اب تک آپ کے خلاف لڑتا رہا اور دوسروں کو آپ کے خلاف لڑائی پر اُکساتا رہا۔ مختصر یہ کہ اپنی دانست میں کوئی کسر آپ کی دشمنی اور عداوت میں اٹھا نہیں رکھی۔ میرے یہ اُحد کے برابر گناہ کس طرح معاف ہوں گے؟" حضور علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا "اے عمرو! اسلام جاہلیت کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت گذشتہ بداعمالیوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔" حضورؐ کے مُنہ سے یہ کلمات سُن کر میں نے جلدی سے بیعت کر لی۔"

یہ ہے عمروؓ بن العاص کی بیعت کا خود بیان کردہ واقعہ۔ بیعت کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "لوگو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے نکال کے تمھاری طرف پھینک دیئے ہیں۔" حقیقت میں یہ دونوں بعد کی زندگی میں نہایت نامور ہوئے۔ ایک نے قیصر و کسریٰ جیسے عظیم الشان شہنشاہوں کے تاج چھین لئے اور دوسرے نے صرف چار ہزار کی قلیل فوج سے تمام ملک مصر

فتح کرلیا۔ واقعی آج کا دن کفارِ مکہ اور جبارانِ قریش کے لئے نہایت بدقسمتی کا تھا جبکہ اُن کے جگر کے ٹکڑے اور اُن کے دو بیٹے مثل بہادر اُن سے کٹ کر محمدؐ کی غلامی میں داخل ہو گئے۔ یہ نظارہ دیکھ کر عاص اور ولید کی روحیں جہنم میں تڑپ اُٹھی ہوں گی کہ اُن کے وارث اور اُن کے جگر کے ٹکڑے آج اُن کی قبروں کو الوداع کہہ کر اسلام کی آغوش میں چلے گئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص مسلمان ہونے کے بعد دو چار دن خدمت نبوی میں حاضر رہے۔ پھر حضورؐ سے اجازت لے کر مکہ چلے آئے اور یہاں اپنا انتظام کرنے کے بعد ہجرت کر کے مستقل طور پر مدینہ میں آکر مقیم ہو گئے۔

عمروؓ بن العاص کی عادت نہایت درجہ انتہا پسند واقع ہوئی تھی۔ جس بات میں ہاتھ ڈالتے یا جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اُس میں بعد شدت اور سختی اختیار کرتے۔ اسلام لانے سے پہلے آنحضرتؐ کی دشمنی میں انہوں نے حد کر دی۔ لیکن اسلام لانے کے بعد آنحضرتؐ سے زیادہ اُن کی نظر میں کوئی محبوب نہ تھا۔ خود کہتے ہیں کہ "فرطِ ادب اور

انتہائی عقیدت اور بے انتہا محبت کے باعث مسلمان ہونے کے بعد میں نے کبھی حضور علیہ السلام کا چہرۂ مبارک نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کی پاک روح اعلیٰ علیین کو پرواز کر گئی۔ اگر آج کوئی مجھ سے حضور علیہ السلام کا حلیہ پوچھے تو میں بتا نہیں سکتا۔"

مسلمان ہو جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ماتحت حضرت عمروؓ بن العاص نے اسلام کی جو خدمات انجام دیں۔ اُن کی مختصر کیفیت حسب ذیل ہے:-

(۱) زمانۂ اسلام میں حضرت عمروؓ بن العاص کا سب سے پہلا کارنامہ "سریہ ذات السلاسل" میں کامیابی ہے۔ اس سریہ کے وقوع کے اسباب مؤرخین نے مختلف لکھے ہیں۔ لیکن علامہ ابن اثیر کی بیان کردہ روایت کے مطابق صحیح واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مختلف قبائل اور علاقوں میں تبلیغ اسلام اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے صحابہ کرام کو مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ اسی ذیل میں قبیلہ بلی بلقین اور عذریٰ کی طرف حضرت عمروؓ بن العاص کو دعوت اسلام کی غرض سے روانہ فرمایا۔ لیکن جب یہ وہاں پہنچے تو وہ قبائل بجائے بات سننے کے آمادۂ جدال و قتال ہوئے۔ یہ دیکھ کر

حضرت عمرو بن العاص نے ایک آدمی کو حضورؐ کی خدمت میں دوڑایا اور
صورتِ واقعہ عرض کی۔ آنحضرتؐ نے فوراً ایک جمعیت آپ کی امداد کے لئے
روانہ فرمائی۔ حضرت عمروؓ بن العاص کی اعلیٰ جنگی قابلیت کی اس سے بڑھ کر
اور کیا دلیل ہوگی کہ اس جنگ میں حضور نے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر
فاروقؓ۔ اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابہ کو ان کی ماتحتی میں دیا اور
تاکید فرما دی کہ کسی بارہ میں اختلاف نہ کرنا۔ چنانچہ ان صحابہ نے ارشاد
نبوی کی تعمیل میں نہایت خلوص کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص کی اطاعت
کی اور فوج کامیابی اور فتح کے ساتھ واپس آئی۔

(۲) سریہ سواع دوسرا کام ہے جو حضرت عمرو بن العاص کے سپرد
کیا گیا۔ قبیلہ ہذیل نے تو اسلام قبول کر لیا تھا مگر صدیوں کی بت پرستی ان
کے دلوں میں ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ اُن کو اپنے بت سواع کو خود توڑنے کی
کسی طرح ہمت نہ پڑتی تھی۔ اُن کو یہ خیال تھا کہ بت ٹوٹا تو نہ معلوم کیا قیامت
برپا ہو جائے گی۔ ان کی اس ضعیف الاعتقادی کو دیکھ کر بارگاہِ نبوی سے
حکم ہوا کہ عمروؓ بن العاص جائیں اور اس بت کو توڑ کر چلے آئیں۔ تاکہ بت کا
جو خوف اہلِ قبیلہ کے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ دُور ہو جائے۔ عمرو تعمیل ارشاد

یں وہاں پہنچے تو بُت کے مجاور نے پوچھا کہ کیسے تشریف لانا ہوا؟ عمرو
بن العاص نے آنے کا مقصد بتلایا تو وہ کہنے لگا "بھلا کس کی طاقت ہے
بُت کو ہاتھ بھی لگا سکے، دیکھتے نہیں یہ سواع ہے۔ اگر تم نے ذرا بھی
اس کی بے ادبی کا ارادہ کیا تو تمھیں فوراً ہلاک کر دے گا۔ ہمارے تمام
علاقہ میں اُس جیسا صاحب عظمت اور صاحبِ طاقت کوئی بُت نہیں پس
اس خیال سے درگذر رو اور خاموشی سے واپس چلے جاؤ۔"

حضرت عمرو بن العاص اس کی اس بت پرستی اور طفلانہ خیالات پہ
ہنسے اور کہنے لگے۔ جس بُت میں اپنے اوپر سے مکھی بھی ہٹانے کی طاقت
نہیں۔ جو نہ بول سکتا ہے۔ نہ سُن سکتا ہے۔ وہ کس طاقت کا مالک ہو سکتا
ہے۔ افسوس کہ اب تک تم جاہلِ محض رہے۔ آؤ۔ میں تمھیں دکھاؤں کہ تمہارے
اس بُت میں کتنی طاقت ہے؟

یہ کہہ کر عمرو بن العاص نے تھوڑی دیر میں سواع کو توڑ پھوڑ کر زمین
کے برابر کر دیا۔

بُت توڑنے کے بعد جب عمرو بن العاص نے مجاور سے کہا کہ "دیکھ
لیا تو نے اپنے خدا کی طاقت"؟ تو اس کے دل سے بتوں کی عظمت بالکل

نکل گئی اور وہ مسلمان ہو گیا۔

(۳) تیسری خدمت حضرت عمرو بن العاص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لی کہ ان کو صوبہ عمان کے دو رئیسوں عبید اور جیفر کے پاس تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا۔ چنانچہ ان کی کوشش سے وہ دونوں رئیس کچھ دن کے تبادلۂ خیالات کے بعد اسلام لے آئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب عمرو بن العاص نے اس کامیابی کی اطلاع دی تو حضور نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اور ان کو عمان کا عامل مقرر کر دیا۔ یہ حضور علیہ السلام کی وفات تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد موقعوں پر ان کی خدمت پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت کچھ انتشار پھیل گیا۔ لوگ یہ سمجھے کہ کسی دشمن نے اچانک مدینہ پر حملہ کر دیا ہے۔ اہل شہر تو ادھر اُدھر بھاگنے لگے مگر حضرت عمرو بن العاص فوراً تلوار کھینچ کر مسجد نبوی میں آ گئے۔ تاکہ حضور کے حجرہ کی حفاظت کریں اور کسی کو ادھر نہ آنے دیں۔

اسی محبت اور فدائیت کا نتیجہ تھا کہ انتقال کے وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے خوش رہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد عرب میں ارتداد کا فتنہ بڑے زور شور سے پھیلا۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُسی جوش و شدت کے ساتھ اس کا استیصال کیا۔ حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت عمان میں تھے آپ نے اُن کو بُلا بھیجا اور قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی پر مامور کیا جو مرتد ہو گیا تھا۔ انھوں نے بڑی خوش اسلوبی اور کامیابی کے ساتھ اس مہم کو انجام دیا۔

فتنہ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد جب شہنشاہ روم کے ساتھ اسلامی فوجوں کا تصادم ہوا تو وہاں بھی ہم عمرو بن العاص کا قدم سب سے آگے پاتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے ایک فوج دے کر ان کو فلسطین روانہ کیا۔ اور انھوں نے اجنادین۔ دمشق۔ فحل۔ بیسان اور یرموک کے معرکوں میں اپنی شجاعت۔ بہادری۔ فرزانگی اور جنگی مہارت کے نہایت شاندار نمونے دکھائے اور ہر مقام سے کامیاب واپس آئے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا زمانہ حضرت عمرو بن عاصؓ کے لئے نہایت عروج کا عہد تھا۔ اسی زمانہ میں اُن سے وہ عظیم الشان کارنامہ ظہور میں آیا۔ جس کے باعث اُن کا نام دُنیا کے مشہور ترین سپہ سالاروں اور جنرلوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ کارنامہ مصر جیسے اہم ملک کی فتح ہے۔ جس کی

طرف حضرت عمرو بن عاص نے صرف چار ہزار فوج لے کر پیش قدمی کی تھی اور بالآخر انتہائی بہادری اور شجاعت کے ساتھ سارے ملک کو فتح کر لیا اور قیصر روم باوجود شان و شوکت اور طاقت و عظمت مصر جیسے عظیم الشان ملک کو لاکھوں فوج مقابلہ میں لانے کے باوجود عمرو بن عاص کے ہاتھ سے بچا نہ سکا۔ بلاشبہ ملک مصر کی فتح ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے جس پر مسلمان ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔ مصر حضرت عمرو بن عاص نے اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ فتح کیا اور ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ وہاں حکومت کی بنیاد ڈالی کہ فرعون کا تخت گاہ خالص اسلامی ملک بن گیا۔ قدیم مصری تہذیب اور قبطی تمدن یکسر مٹ گیا اور آج مصر اسلامی تہذیب و شائستگی کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ قدیم مصری یا قبطی زبان بالکل فنا ہو گئی اور اس کی جگہ عربی باشندگانِ ملک کی مادری زبان بن گئی۔ یہ حالت آج تک قائم ہے علم ادب اور تاریخ کی جس قدر گراں بہا خدمت مصر نے انجام دی ہے اور دے رہا ہے۔ تمام عالم اسلامی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مصر کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے طرابلس کا رخ کیا اور تھوڑے دنوں میں یہ ملک بھی فتح ہو گیا۔ اب انھوں نے دربارِ خلافت سے آگے

بڑھنے کی اجازت مانگی۔ مگر فاروق اعظمؓ نے مزید پیش قدمی سے روک دیا۔
ورنہ افریقہ کے آخری سرے تک سارا برّاعظم فوراً ہی فتح ہو جاتا بلکہ حضرت
عمروؓ بن العاص آگے بڑھ کر اندلس پر بھی حملہ کرتے اور یہ تمام ممالک جو
بعد کے زمانہ میں فتح ہوئے اسی وقت مفتوح ہو جاتے۔

جب حضرت عمرؓ شہید ہو گئے اور حضرت عثمانؓ اُن کے جانشین ہوئے
تو انھوں نے ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں حضرت عمروؓ بن عاص کو مصر کی گورنری
سے معزول کر دیا۔ اگرچہ عمروؓ بن العاص کو اس کا ملال ہوا مگر وہ برابر خلافت
کے وفادار رہے اور جب بھی حضرت عثمانؓ نے کسی ملکی اور سیاسی معاملہ
میں اُن سے مشورہ لیا تو انھوں نے ہمیشہ نہایت صائب اور مفید رائے
دی چنانچہ جب حضرت عثمانؓ کے اخیر عہدِ خلافت میں بعض فتنہ پرداز لوگوں
نے خلیفہ کے خلاف بغاوت اور سازشیں کرنی شروع کیں تو حضرت عثمانؓ
نے اکابر صحابہ کی ایک جماعت کو مشورہ کے لئے بلایا۔ جن میں حضرت
عمرو بن العاص بھی تھے۔ جب حضرت عثمانؓ نے اُن سے ان کی رائے
پوچھی تو انھوں نے بڑے زور سے کہا کہ آپ ضرورت سے بہت زیادہ
نرم واقع ہوئے ہیں۔ جہاں نہایت سختی کے ساتھ گرفت کرنی چاہیے وہاں

بہت نرمی سے کام لیتے ہیں جو ہمیشہ مضر پڑتی ہے۔ میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ ملکی انتظام اور سیاسی معاملات میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نقش قدم پر چلئے یعنی جہاں نرمی کا موقع ہو۔ وہاں نرمی اختیار کیجئے۔ جہاں سختی کا موقع آئے وہاں سختی کرنے میں تامل نہ کیجئے۔"

معزولی کے بعد حضرت عمروؓ بن عاص بہت حد تک سیاسی زندگی سے بے تعلق ہو گئے تھے۔ مصر انھوں نے چھوڑ دیا تھا اور فلسطین میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔

جب باغیوں اور فتنہ پردازوں نے بلّہ کر کے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا اور یہ جانکاہ خبر فلسطین میں پہنچی تو حضرت عمروؓ بن العاص کو نہایت رنج ہوا اور وہ حضرت معاویہ کے پاس پہنچے جو اُس وقت بیت المقدس میں تھے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے اٹھیں اور عمروؓ ان کی اس معاملہ میں ہر طرح کی امداد کریں گے (بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علیؓ کے مطالبہ بیعت کے موقع پہ خود حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو مشورہ کے لئے فلسطین سے بلوایا تھا مگر طبری اور ابن سعد یہی لکھتے ہیں کہ عمروؓ بن العاص خود معاویہؓ کے پاس گئے تھے)

دونوں کے درمیان بہت کچھ زبانی گفتگو کے بعد حسب بیان ابن سعد مندرجہ ذیل عہد نامہ لکھا گیا:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ عہد نامہ ہے جو عثمان بن عفان کی شہادت کے بعد بیت المقدس میں معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص کے درمیان ہوا۔ اس معاہدے کی رُو سے دونوں ایک دوسرے کی امانت اور دیانت پر بھروسہ اور اعتماد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اسلام اس معاملہ میں امر اور حَکَم ہیں (یعنی ہم جو کچھ کریں گے خدا تعالیٰ اور اسلام کے مطابق کریں گے) ہم دونوں باہم ایک دوسرے کی امداد کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ سلوک سے پیش آنے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرنے پر خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی اپنے ساتھی کی مدد سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچے گا۔ ان امور میں جو ہمارے امکان میں ہوں گے۔ ہم ایک دوسرے سے ہمیشہ تعاون کریں گے اور اس معاملہ میں نہ بیٹا ہمارے درمیان حائل ہوگا نہ باپ۔ مصر کے قبضے میں آجانے کے بعد عمرو وہاں کے والی ہوں گے۔ ہم دونوں باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے۔ ایک دوسرے کو مشورہ دیتے رہیں گے

اور ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں گے۔ معاویہ، عمرو بن العاص پر
امیر ہوں گے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُمت کو کسی ایک امر پر متفق کر دے
جب امت متفق ہو جائے گی تو اس وقت ہم دونوں وہی کریں گے جو اللہ کو
درمیان میں دبے کر ہم دونوں نے اس معاہدہ میں لکھا ہے۔ وردان نے
یہ معاہدہ ۳۶ھ ہجری میں لکھا۔"

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ کو اس باہمی معاہدہ
کی اطلاع ہوئی تو آپ کوفہ کی مسجد میں تشریف لائے (اس وقت کوفہ
حضرت علیؓ کا دارالخلافہ تھا) اور ایک خطبہ دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا:۔

"اے اہلِ کوفہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ عمرو بن العاص نے معاویہؓ
سے خونِ عثمانؓ کے انتقام کے مطالبے پر بیعت کی ہے اور اب وہ دونو
اس امر پہ لوگوں کو برانگیختہ کر رہے ہیں۔ واللہ جانتے رہو کہ عمروؓ اور اس کی
مدد خشک بازو ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ معاویہؓ کے مقابلہ
کو نکلے۔ حضرت معاویہؓ بھی ۸۵ ہزار کا لشکر میدان میں لائے اور وہ منحوس اور
خوں ریز لڑائی ہوئی جو تاریخ میں "جنگِ صفین" کے نام سے مشہور ہے حضرت

عمرؓو بن العاص اس لڑائی میں موجود تھے اور انہی کے مشورہ اور رائے کے مطابق سارا کام ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ کے ساتھی نہایت بہادری سے لڑے اور قریب تھا کہ اُن کو کامل فتح ہو جاتی۔ لیکن عین اس وقت معرکہ جدال و قتال نہایت زور شور کے ساتھ جاری تھا اور نہایت تیزی کے ساتھ سپاہیوں کے سر کٹ کٹ کر فرش خاک پر گر رہے تھے۔ یکایک حضرت عمرؓو بن عاص کے ہوشیار دماغ کو ایک عجیب و غریب ترکیب سوجھی۔ جس سے لڑائی فوری طور پر بند ہو سکتی تھی اور شامی لشکر وقتی طور پر شکست کی ذلّت سے بچ سکتا تھا۔

وہ فوراً حضرت معاویہؓ کے پاس گئے اور ان کو مشورہ دیا کہ اس وقت شکست سے بچنے کی ایک ترکیب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو حکم دو کہ وہ نہایت بلند آواز کے ساتھ پکاریں کہ اے لوگو! کیوں باہم لڑ کر اپنی جانوں کو ضائع کرتے ہو۔ آؤ تلواروں کو میان میں کرو اور قرآن کے مطابق باہم فیصلہ کر لو۔ اور جس طرح قرآن کہے اس طرح عمل کرو۔ اے اہل عراق! ہم تمہیں قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔ جو ہمارا تمہارا دین ایمان ہے۔ امید ہے کہ تم قرآن کے فیصلے سے روگردانی نہیں کرو گے اور جس طرح وہ کہے گا اسی طرح عمل کرو گے۔

اے معاویہ! اگر تم یہ کرو تو اس تدبیر سے جنگ فوراً رک سکتی ہے۔ اول تو سارے اہلِ عراق قرآن کے فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور اگر بعض نے اختلاف بھی کیا۔ تب بھی فائدے میں تم ہی رہو گے اور جنگ بہرحال بند ہو جائے گی۔

حضرت معاویہؓ نے یہ سن کر فرمایا۔ تمہیں اختیار ہے۔ جس طرح چاہو کرو۔

سردار لشکر کی اجازت ملتے ہی حضرت عمروؓ بن العاص نے فوراً اہلِ شام میں سے چند ایسے لوگوں کو جن کی آوازیں نہایت بلند تھیں حکم دیا کہ بڑی اونچی آواز سے قرآن کی تلاوت کریں اور نہایت پکار کر کہیں کہ اے اہلِ عراق ہم تمہیں قرآن کریم کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ ساری تقریر اُن لوگوں کو بتائی جو وہ حضرت معاویہؓ کے سامنے کر چکے تھے اور حکم دیا کہ یہ تقریر عراقی فوج کے سامنے کرو اور برابر قرآن پڑھتے رہو۔

جب حضرت عمروؓ بن عاص کے حکم کی تعمیل میں اُن لوگوں نے یہ تقریر کی اور قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کی تو شامی لشکر قریباً سارے کا سارا دفعتہً لڑائی سے رُک گیا (کیونکہ بقول ابن سعد۔ وہ لوگ لڑتے لڑتے لڑائی

سے بیزار ہو چکے تھے) اور کہنا شروع کیا کہ ہاں ٹھیک ہے قرآن کے مطابق فیصلہ ہونا چاہیئے۔

حضرت علیؓ نے جو یہ رنگ دیکھا تو بڑے پُر زور خطبے کے ذریعے لوگوں کو سمجھایا کہ شامیوں کے اس فقرے میں نہ آئیں اور جنگ جاری رکھیں کوئی دم میں فتح ہوئی جاتی ہے مگر عراقیوں کو تو جنگ سے رکنے کا ایک بہانہ چاہیئے تھا۔ انھوں نے ایک نہ سنی اور لڑنے سے انکار کر دیا۔

(طبقات ابن سعد۔ جلد ۷۔ صفحہ ۲۹۲ تا ۳۰۴)

عام تاریخوں میں اس واقعہ کے متعلق جو یہ بات لکھی ہے کہ شامیوں نے دمشق کا مصحف اعظم پارہ پارہ کر کے پانچ نیزوں پر اٹھایا اور اس کے علاوہ سینکڑوں قرآن اپنے نیزوں پہ باندھ کر ہوا میں بلند کیئے۔ جنہیں دیکھ کر شامی جنگ سے رک گئے۔ یہ روایت ہمیں درست معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اوّل تو اس ابتدائی زمانہ میں جبکہ نہ عام طور پہ کاغذ ملتا تھا اور ملتا بھی تھا تو نہایت گراں اور مہنگا۔ اتنے بکثرت قرآن کہاں سے آگئے ؟ جو نیزوں پہ لٹکا دیئے گئے۔ اس زمانہ میں پڑھنے لکھنے کا رواج کم تھا اور قرآن کا تمام وکمال نقل کرنا آسان کام تھا بھی نہیں۔ چھاپہ کا فن اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔

پھر مہمات اور جنگوں میں مصروفیت کے باعث لوگوں کو اتنی فرصت بھی نہیں تھی کہ بیٹھ کر قرآن کریم لکھیں اور اُن کو فروخت کریں۔ پھر یہ بھی ایک پختہ دلیل اس روایت کی تردید کی ہے کہ اس واقعہ کے علاوہ اس زمانہ میں کوئی اور مثال اس قدر کثرت سے قرآن مجیدوں کی موجودگی کی ہرگز نہیں تھی پھر اس امر پہ بھی غور فرمائیں کہ محض نیزوں پر کوئی چیز بندھی ہونے سے بہت دور کھڑی ہوئی عراقی فوج نے کس طرح سمجھ لیا کہ یہ قرآن کریم کے نسخے ہی ہیں سادے کاغذ نہیں۔ اور شامیوں کے پاس یہ یقین دلانے کا کیا ذریعہ تھا کہ یہ بالیقین قرآن مجید ہی ہیں۔ کچھ اور نہیں؟

اگر بفرضِ محال مان بھی لیا جائے کہ وہ قرآن کریم ہی کے نسخے تھے تو پھر محض اُن کے نیزوں پہ چڑھانے سے شامی کس طرح یہ بات سمجھ سکتے تھے کہ ان کے بلند کرنے سے عراقیوں کا کیا مقصد ہے؟ بس سچی اور صحیح بات یہی ہے جو طبقات ابن سعد میں لکھی ہے کہ شامیوں نے بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کر کے عراقیوں سے چیخ چیخ کر کہا کہ اس قرآن کی طرف آؤ اور اس کی دعوت کو قبول کرو۔ نیزوں پہ قرآن بلند نہیں کئے گئے تھے۔

جنگ رک جانے کے بعد اب یہ طے کرنا تھا کہ فیصلہ کس طرح ہو؟ قرار یہ پایا کہ ایک ثالث حضرت معاویہؓ کی طرف سے ہو اور ایک حَکَم حضرت علیؓ کی جانب سے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنے ثالث کا فوراً اعلان کر دیا اور وہ حضرت عمروؓ بن عاص تھے۔ عراقیوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ[1] کو اپنا حکم تجویز کیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے پھر فرمایا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ میں وہ سیاسی قابلیت اور سوجھ بوجھ نہیں جو ان کے مخالف (عمروؓ بن العاص) میں ہے

[1] حضرت ابو موسیٰ اشعری کا نام عبداللہ بن قیس تھا۔ ابو موسیٰ کنیت تھی۔ یمن کے باشندے اور قبیلہ اشعر سے تھے جس کی نسبت سے اشعری کہلاتے تھے۔ مکی زندگی میں ایمان لائے۔ فتح مکہ۔ معرکہ حنین۔ غزوۂ تبوک اور حجۃ الوداع میں شریک رہے۔ آنحضرتؐ نے ان کو یمن کا والی مقرر کیا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ۔ فاروق اعظمؓ اور عثمان ذوالنورینؓ کے زمانہ میں مختلف مہموں میں بھیجے جاتے رہے اور کئی علاقوں کے گورنر رہے۔ بصرہ کی گورنری سے حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر دیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد کوفہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے شروع میں یہ کوفہ ہی کے گورنر تھے۔ پھر حضرت حسنؓ نے کوفہ آکر ان کو مسجد میں تقریر کرنے سے روک دیا۔ جس پر یہ خاموشی کے ساتھ مسجد سے نکل آئے اور شام کے ایک گاؤں میں جا کر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی۔ واقعہ تحکیم میں یہی حضرت علیؓ کی طرف سے ثالث تھے۔ ۴۴ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسماعیل)

اس لئے ان کی بجائے کسی اور شخص کو منتخب کیا جائے (حضرت علیؓ کی اپنی رائے حضرت عبداللہؓ بن عباس کو مقرر کرنے کی تھی) مگر عراقیوں نے نہ مانا اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری ہی پر بے حد اصرار کیا۔ نہایت مجبور ہو کر حضرت علیؓ خاموش ہو گئے۔ قرار یہ پایا کہ یہ دونوں حَکَم باہمی اتفاق سے قرآن مجید کی رُو سے امور متنازعہ کا جو فیصلہ کر دیں۔ وہ دونوں فریق کو منظور و قبول ہو گا۔

جب دونوں ثالث فیصلہ کرنے بیٹھے تو ان میں باہم گفتگو کا آغاز اس طرح ہوا۔

عمرو بن العاص :۔ میرے محترم ابو موسیٰ! ہمارا یہ فرض ہے اور اسی کام کے لئے ہم یہاں جمع ہوتے ہیں کہ ہم میں سے جو فریق غلطی پہ ہے اُسے اُس کی غلطی سے متنبہ کریں اور جو فریق صحیح راستے پر ہے اُس کی امداد کریں۔

ابو موسیٰ :۔ بیشک ہم پر لازم ہے کہ اُمت کے باہمی نزاع کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مٹا کر اُن کی صحیح راستے کی طرف رہنمائی کریں۔

عمرو بن العاص :- آپ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہمیں چاہیے کہ جن امور پر ہم دونوں آپس میں اتفاق کرلیں۔ اُن کو ساتھ ساتھ لکھواتے جائیں تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔

ابو موسیٰ :- ہاں یہ مناسب ہے۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی منظوری سے اپنے غلام کو بُلایا اور اس سے کہا کہ "قلم دوات لے کر بیٹھ جاؤ۔ جس امر پر ہم دونوں متفق ہوجایا کریں اسے فوراً لکھ لیا کرو۔ لیکن اس وقت تک کوئی فقرہ ہرگز نہ لکھنا۔ جب تک اس کے لکھنے کی منظوری تم ہم دونوں کے مُنہ سے نہ سُن لو"

اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے غلام سے کہا لکھو :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یہ وہ فیصلہ ہے جو ابو موسیٰ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص نے باہم مل کر کیا۔ ہم دونوں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول اور بندے ہیں۔ آن کو اللہ تعالیٰ نے دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ اسلام

کو تمام دینوں پر غالب کر دیں۔ اگرچہ مشرکوں کو یہ امر کتنا ہی ناگوار گذرے
اس پر غلام نے حسب ہدایت حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی طرف
دیکھا۔ آپ نے فرمایا "ہاں لکھو"
عمرو بن العاص :- ہم خدا کی خدائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت
کے بعد اس امر کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ ابو بکرؓ حضور علیہ السلام کے خلیفہ
تھے۔ انھوں نے اپنی خلافت میں کتاب و سنت پر عمل کیا اور بہت اچھی
طرح عمل کیا۔
ابو موسیٰ :- ہاں لکھو
عمرو بن العاص :- ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے اور
انھوں نے بھی زندگی بھر کتاب و سنت کے مطابق عمل کیا۔
ابو موسیٰ :- بیشک لکھو۔
عمرو بن العاص :- حضرت عثمانؓ بن عفان کو حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق
مجلس شوریٰ نے متفقہ طور پر خلیفہ بنایا تھا اور وہ مومن تھے۔
ابو موسیٰ :- ہم یہ فیصلہ کرنے کے لیئے یہاں نہیں آئے کہ کون مومن تھا اور کون
کافر ہے؟

عمرو بن عاص:۔ اگر عثمانؓ بن عفان مومن نہیں تھے تو کیا کافر تھے؟

ابو موسیٰ:۔ (مجبور ہو کر) اچھا یہ بھی لکھ لو۔

عمرو بن عاص:۔ جن لوگوں نے خلیفۂ مومن کو ناحق شہید کیا۔ کیا وہ ظالم نہیں؟

ابو موسیٰ:۔ بیشک جنہوں نے یہ مکروہ فعل کیا۔ وہ ظالم ہیں۔

عمرو بن عاص:۔ مظلوم کے ولی کو اُس کے خون کا قصاص لینے کا حق قرآن کریم نے دیا ہے۔

ابو موسیٰ:۔ بیشک دیا ہے۔

عمرو بن عاص:۔ کیا معاویہؓ سے زیادہ حضرت عثمانؓ کا کوئی اور ولی ہے؟

ابو موسیٰ:۔ نہیں

عمرو بن العاص:۔ (غلام سے) یہ سب باتیں لکھو

ابو موسیٰ:۔ ہاں ہاں لکھو۔

عمرو بن عاص:۔ ہمارے پاس اس امر کا کافی اور زبردست ثبوت موجود ہے کہ خلیفۂ مظلوم کی شہادت کے بعد اُن کے قاتل علیؓ کے لشکر میں

اس وقت تک موجود ہیں۔ جن کو انھوں نے کوئی سزا نہیں دی۔

ابوموسیٰ :۔ ہم اس وقت فریقین میں صلح کرانے کے لئے جمع ہوتے ہیں لہٰذا ایسی باتیں یہاں مناسب نہیں۔ وہ بات کرو جس سے اتحاد پیدا ہو۔

عمرو بن عاص :۔ میرے محترم بزرگ! فرمائیے وہ ایسی کونسی شکل ہے۔ جس سے امن و امان قائم ہو سکے اور یہ روز روز کی لڑائی ختم ہو۔

ابوموسیٰ :۔ تم اس امر سے بخوبی واقف ہو کہ عراق کے باشندے کبھی معاویہ کی اطاعت نہیں کریں گے۔ خواہ کچھ بھی ہو۔ اسی طرح ملک شام کے رہنے والے کبھی علیؓ کے ہاتھ پہ بیعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ اس لئے اس دوعملی کو ختم کرنے کی یہی آسان اور سہل ترکیب ہو سکتی ہے کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے۔ نہ علیؓ برسرِ اقتدار رہیں اور نہ معاویہؓ برسرِ حکومت۔ بلکہ ان دونوں کی بجائے عبداللہ بن عمرؓ کے ہاتھ میں خلافت کی باگ دے دی جائے کہ وہ اپنے زہد و ورع اور اتقا و پرہیزگاری کے باعث اس منصب کے پورے طور پہ مستحق ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنے محترم باپ کی مانند

نہایت عدل و انصاف سے حکومت کریں گے اور کسی کو شکایت کا موقع نہ آنے دیں گے۔

عمرو بن عاص:۔ مجھے عبداللہؓ بن عمرؓ کی نیکی اور پرہیزگاری سے انکار نہیں لیکن میں اُن کے خلیفہ بنائے جانے سے متفق نہیں۔

ابو موسیٰ:۔ وہ خلافت کے پورے طور پر مستحق ہیں اور اُن میں دینداری کی وہ تمام صفات موجود ہیں جو خلیفہ میں ہونی چاہئیں۔

عمرو بن عاص:۔ میں اُن کی خلافت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

ابو موسیٰ:۔ اچھا پھر یوں کرو کہ اس معاملہ کو صلحائے امت کی رائے پہ چھوڑ دو۔ وہ جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں۔

عمرو بن عاص:۔ آپ کی یہ بات بیشک مجھے منظور ہے۔

ابو موسیٰ:۔ (غلام سے) لکھو کہ ہم دونوں ثالث اس امر پہ متفق ہو گئے ہیں کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور بعد میں لوگ جسے چاہیں اپنا خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پہ بیعت کرلیں۔

عمرو بن العاص:۔ ہاں مجھے بھی یہ منظور ہے لکھو۔

چنانچہ یہ ثالث نامہ لکھا گیا اور دونوں ثالثوں نے اس پہ اپنے اپنے

دستخط کر دیئے۔ اب کام صرف یہ رہ گیا کہ اس فیصلہ کا اعلان مجمع عام میں کر دیا جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عمرؓو بن العاص نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بزرگ اور محترم صحابی ہیں۔ مجھ سے پہلے ایمان لائے اور مجھ سے بہت زیادہ اسلام کی خدمتیں کیں۔ پس پہلے آپ ہی کھڑے ہوں اور فیصلہ کا اعلان فرمائیں میں آپ سے پہلے بولنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔

اس پر حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا "اس معاملہ میں جہاں تک ہم دونوں نے غور اور تعمق کیا۔ ہم دونوں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عامۃ الناس کی بھلائی اسی امر میں ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے اور مسلمان جس کو چاہیں۔ ان دونوں کے علاوہ اپنا امیر اور امام منتخب کر لیں"

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ کے فوراً بعد حضرت عمرؓو بن العاص کھڑے ہوئے اور انھوں نے فرمایا :۔

"آپ صاحبان نے سن لیا۔ جو کچھ محترم بزرگ ابو موسیٰؓ نے فرمایا میں

آن سے اس معاملہ میں پورے طور پر متفق ہوں کہ علیؓ کو معزول کر دیا جائے اور میں اپنی طرف سے بھی علیؓ کو معزول کرتا ہوں مگر معاویہؓ کو معزول کرنے میں میں ان کے ساتھ اتفاق نہیں کر سکتا اور ان کو ان کے منصب پر قائم رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ خلیفہ ثالث کے جائز ولی ہیں اور ان کے خون کے طلبگار ہیں ان کا حق سب پر فائق ہے اور وہ امر خلافت کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کی پوری اہلیت اور قابلیت رکھتے ہیں۔"

اس پر ہر طرف سے مخالف آوازیں بلند ہوئیں اور جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

یہ ساری کہانی جو اوپر بیان ہوئی اور عام عربی اور اردو تاریخوں میں لکھی ہوئی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ کچھ دل کو لگتی نہیں اور اکثر باتیں اس کی محل نظر ہیں وہ جو کسی نے کہا ہے کہ ؏

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستاں کے لئے

وہی بات یہاں معلوم ہوتی ہے۔

اول تو یہی قصہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جھگڑا تو خلیفہ مظلوم کی شہادت کے قصاص کے متعلق تھا اور فیصلہ ہوا حضرت علی اور حضرت معاویہ کی معزولی کا۔ آخر ثالثوں کو یہ اختیار کس نے دیا تھا

کہ تم دونوں حریفوں کے متعلق فیصلہ کرو کہ آیا وہ خلافت اور امامت کے لائق ہیں یا نہیں؟ متنازعہ فیہ مسئلہ یہ نہیں تھا۔ بلکہ یہ تھا کہ :۔

(۱) آیا حضرت عثمانؓ ناحق مارے گئے یا نہیں؟

(۲) اُن کا قصاص اُن کے وارثوں کو ملنا چاہئے یا نہیں؟

(۳) اُن کے قاتل لائق دار ہیں یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ اس سے قبل حضرت معاویہؓ کا کوئی دعویٰ کل امت کی خلافت قیادت اور امامت کا نہیں تھا بلکہ وہ صرف خونِ عثمانؓ کے قصاص کے طلبگار تھے اور بس۔ اگر قاتل فوراً قتل کر ڈالے جاتے یا اُن کے حوالے کر دئے جاتے تو پھر اُن کے لئے خروج کی کوئی اور وجہ باقی نہ رہ جاتی اور مجبوراً ان کو سر اطاعت خم کرنا پڑتا۔

اگر اس بات کو بھی جو خاصی وزن دار ہے یکسر نظر انداز کر دیں تو بنظرِ تعمق یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ جب پہلے ہی یہ امر طے ہو چکا تھا کہ دونوں ثالث جس بات پہ باہم متفق ہو جائیں گے۔ صرف وہی بات دونوں فریق کے لئے قابل قبول ہوگی۔ پھر اس صورتِ حال کی موجودگی میں حضرت عمروؓ بن العاص یہ بات کس طرح کہہ سکتے تھے کہ "ابو موسیٰؓ نے تو دونوں کو معزول

کر دیا۔ مگر میں معاویہؓ کو بحال رکھتا ہوں"۔ ایسی پھر اور پیچ بات نہ عمروؓ بن عاص
جیسے ہوشیار سیاست دان کے منہ سے نکل سکتی تھی۔ نہ اسے کوئی معقول شخص
مان سکتا تھا۔ نہ اس بات کا سوائے مضحکہ خیزی کے اور کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا تھا۔
نہ اس بات کے کہنے سے حضرت عمروؓ بن عاص کے فریق کو کسی قسم کا فائدہ پہنچ
سکتا تھا نہ اس بات سے فریق مخالف کو کسی قسم کا نقصان کا اندیشہ تھا۔ یہ
سب کچھ دیکھتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے بھلا حضرت عمرو بن عاص ایسی لغو بات
کیوں کہتے جس کا سر تھا نہ پیر؟ کوئی بھی ہوشمند آدمی ایسی بے سر و پا بات
نہیں کہہ سکتا۔ حضرت عمرو بن العاص تو اپنے وقت میں عرب کے مسلّمہ عقلاء
میں شمار ہوتے تھے۔

اس سلسلہ میں دوسری غور کرنے والی بات یہ ہے کہ جب ثالث نامہ باقاعدہ
طور پر لکھا گیا تھا اور اس کا ایک ایک لفظ دونوں ثالثوں کی منظوری اور اجازت
کے بعد تحریر کیا جاتا تھا تو پھر زبانی فیصلہ کرنے کے کیا معنی؟ اور کس طرح حضرت
عمروؓ بن العاص کو جرأت ہوئی کہ اپنے لکھوائے ہوئے اور اپنے دستخط کیے ہوئے
فیصلے کے برخلاف انھوں نے مجمع عام میں بیان دیا اور کہا کہ "میں علیؓ کو معزول
اور معاویہ کو بحال رکھتا ہوں"۔ کیوں نہ ابو موسیٰؓ یا کسی اور نے فوراً کھڑے ہو کر

ثالث نامہ کے الفاظ پڑھ کر سنا دیئے جس میں صاف اور غیر مبہم طور پر
تھا کہ دونوں کو معزول کر دیا جائے ۔ (واضح ہو کہ مصالحت کی یہ ساری گفتگو
میں نہیں ہوئی بلکہ ہر فریق کی طرف سے چار چار سو آدمی اس میں شامل تھے
دونوں قائدوں نے بڑے بڑے معزز صحابہ کو اس گفتگو میں شرکت کے
اپنی اپنی جانب سے بھیجا تھا مثلاً حضرت عبداللہؓ بن عباس۔ حضرت شر
بن ہانی۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر۔ حضرت سعدؓ بن وقاص۔ حضرت مغیرہؓ بن شع
حضرت عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث۔ ثالثوں نے ان سب
کے سامنے تمام گفتگو کی اور انہی کی موجودگی میں ثالث نامہ کی ساری عبارت
لکھی گئی)

سب سے عجیب اور دلچسپ بات اس ضمن میں یہ ہے کہ اس جھگڑے سے
قبل حضرت معاویہؓ نے اپنی خلافت کا نہ کوئی دعویٰ کیا تھا۔ نہ کسی نے اُس وقت
تک اُن کو خلیفہ مانا تھا۔ ایسی حالت میں اُن کو معزول یا بحال کرنے کا کیا مطلب
تھا ۔ رہ گئی شام کی گورنری! تو وہ اگر حضرت معاویہؓ کو چھوڑنی ہوتی تو اُسی وقت
نہ چھوڑ دیتے۔ جب مسندِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت علیؓ نے اُن کی علیحدگی
حکم دیا تھا۔

جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ واقعہ تحکیم پر افراط و تفریط، حُب و بغض اور جانبداری و مخالفت کے اتنے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ اُن کی موجودگی میں اصل حقیقت کا معلوم کرنا دشوار ہی نہیں قریباً ناممکن ہو گیا ہے اور کوئی بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ صحیح واقعہ کیا تھا؟ مگر جو بات ہر شخص یقینی طور پر کہہ سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت عمروؓ بن العاص نے خواہ کسی طریقہ سے کی ہو۔ حضرت معاویہؓ کی بے انتہا اور بے حد مدد کی۔ اگر وہ اس موقع پر نہ ہوتے تو بلاشبہ حضرت معاویہؓ سخت مشکلات میں پھنس جاتے اور واقعات کا رُخ بالکل پلٹ جاتا۔

ان مختصر گزارشات کے بعد ہم پھر اصل بحث کی طرف لوٹتے ہیں اور وہیں پہنچ جاتے ہیں جہاں دونوں ثالث مصروف گفتگو ہیں۔

اس حقیقت کے تسلیم کر لینے میں کسی شخص کو بھی تامل نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرو بن العاص اپنے مقابل کی نسبت نہایت ہوشیار۔ نہایت عقلمند۔ نہایت دوراندیش اور بہت اعلیٰ درجہ کے سیاست دان تھے۔ انہوں نے اپنی بے نظیر قابلیت سے جو کچھ چاہا حضرت ابو موسیٰؓ کی خود اپنی زبان سے منظور و قبول کروا لیا اور خود اُن کو اپنی طرف سے کچھ پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑی۔ مثلاً یہ کہ:

(۱) حضرت عثمانؓ مظلوم اور بے گناہ شہید کئے گئے۔

(۲) معاویہؓ ان کے جائز اور حقیقی وارث اور ولی ہیں۔

(۳) معاویہ کو خلیفہ مظلوم کا قصاص طلب کرنے کا پورا حق حاصل ہے

(۴) حضرت علیؓ کے لشکر میں قاتلانِ عثمانؓ موجود ہیں اور حضرت علیؓ نے

اُن کو پناہ دے رکھی ہے۔

(۵) ان متذکرہ بالا باتوں کے علاوہ حضرت عمروؓ بن العاص نے کمال

ہوشیاری سے خود حضرت ابو موسیٰ کی زبان سے یہ بھی کہلوا لیا کہ "میں علیؓ کو

معزول کرتا ہوں"

اس تمام قصہ کے متعلق مشہور شیعہ مورخ مسعودی کا بیان یہ ہے کہ سوائے

اُس تحریر کے جو باقاعدہ طور سے دونوں ثالثوں نے باہمی رضامندی سے

لکھوائی۔ کسی قسم کا کوئی زبانی اعلان کسی فریق کی طرف سے نہیں کیا گیا تھا۔

اگر مسعودی کا یہ بیان درست تسلیم کر لیا جائے تو اُس عمارت کا بہت

سا حصہ منہدم ہو جاتا ہے۔ جو واقعہ تحکیم کے متعلق موافق اور مخالف گروہوں

نے بنا کر کھڑی کی ہے۔ اس صورت میں ہمارے لئے صحیح طریق یہی ہے

کہ واللہ اعلم بالصواب کہہ کر خاموش ہو جائیں اور اصل حقیقت کو حوالہ

بخدا کر دیں۔

فیصلہ خواہ تحریری ہوا ہو یا زبانی مگر واقعہ یہ ہے کہ نہ اُسے حضرت علیؓ نے تسلیم کیا اور نہ حضرت معاویہؓ نے۔ اگر یہ مانا جائے کہ معاہدہ تحریری ہوا تھا تو دونوں معزول ہوتے تھے اور زبانی اعلان کی روایت کو درست سمجھا جائے تو صرف حضرت علیؓ۔

اس واقعہ کے بعد حضرت علیؓ نے تو حضرت معاویہؓ پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور حضرت معاویہؓ خلافت اور حاکمیت کا دعوے لے کر اُٹھے اور انھوں نے مختلف مقامات پر اپنی بعیت لینے کے لئے اپنے آدمیوں کو بھیج دیا۔ فوراً ہی حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہؓ سے اجازت لے کر مصر پر حملہ کر دیا اور حضرت علیؓ کے نہایت معتمد گورنر محمد بن ابوبکر کو قتل کر کے مصر پر قابض ہو گئے۔ یہ محمد بن ابوبکر وہی شخص ہے جو باغیوں کے ساتھ امیرالمومنین حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کرنے کے لئے اُن کے گھر میں پچھلی طرف سے کودا تھا اور آپ کی داڑھی پکڑ لی تھی پھر حضرت عثمانؓ کے غیرت دلانے پر شرمندہ ہو کر چھوڑ دی تھی۔

مصر پر حضرت عمرو بن العاص کا دوبارہ قبضہ ۳۸ھ ۶۵۸ء میں بارہ برس

کے بعد ہوا۔ اور بعد ازاں وہ اپنی وفات تک مصر کے تقریباً خود مختار گورنر رہے۔ لیکن اس تمام عرصہ میں جب بھی حضرت معاویہؓ کو کوئی مشکل پیش آتی وہ حضرت عمروؓ بن العاص کو مصر سے بلوا کر مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کی رائے کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔

حضرت عمروؓ بن العاص آخر وقت تک حضرت معاویہؓ کے بہت بڑے اور خاص الخاص معاون رہے۔ یہاں تک کہ ۴۳ھ ۶۶۳ میں بعمر ۹۰ سال اُن کا انتقال ہو گیا۔ مرتے وقت دو لاکھ درہم ۳۲۵ دینار۔ طائف میں ایک باغ اور شام و مصر میں چند مکان ترکہ میں چھوڑے

آخری وقت میں اپنے صاحبزادے عبداللہؓ سے مخاطب ہو کر کہا کہ مجھ پر اپنی زندگی میں تین زمانے گذرے ہیں:-

(۱) پہلا زمانہ تو وہ تھا۔ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت شدید جانی دشمن تھا اور ہر وقت اس فکر میں رہتا تھا کہ موقع لگے تو آپ کو جان سے مار ڈالوں۔ آنحضرتؐ سے زیادہ قابل نفرت میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا۔ میں نے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں دیں اور ہمیشہ آپؐ کے خلاف لوگوں اور قبیلوں کو بھڑکاتا رہا۔ اگر میں اس حالت میں

جاتا تو سیدھا جہنم میں جاتا۔

(۲) دوسرا زمانہ مجھ پر وہ آیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرے قلب کو

ر دیا۔ اور میں نے مدینہ میں حاضر ہو کر حضورؐ کی بیعت کر لی۔ اب رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے زیادہ میرے نزدیک کوئی محبوب

تھا۔ میں نے آنحضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں بہت سے دینی کام کئے۔

اس حالت میں مرجاتا تو بخشش کی اُمید تھی۔

(۳) تیسرا زمانہ مجھ پر یہ آیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت

گئے۔ حضورؐ کے بعد جو کام میں نے کئے اُن کی جوابدہی کے لئے

خدا کے ہاں جا رہا ہوں۔ دیکھئے وہاں کیا بنے؟ اور کیا پیش

آئے؟

اس کے بعد قبلہ کی طرف منہ کیا۔ اور بلند آواز سے یہ

دعا مانگی:۔

"اے اللہ! تُو نے حکم دیا اور میں نے نافرمانی کی۔ تُو نے منع

اور میں نے خلاف ورزی کی۔ میں تیرے ہی پاس آخری پناہ لینا

ہوں۔ اگر میرے گناہوں کو معاف کر دے تو تُو ستار و غفار ہے اور

اگر سزا دے تو میں اس کا پورے طور پر مستحق ہوں۔

اے میرے اللہ! میں عاجز۔ ناتواں۔ گنہگار تیرے حضور معا
کا طالب ہوں۔ اور تجھ ہی سے مغفرت چاہتا ہوں۔ تیرے سوا کو
معبود نہیں۔"

دعا کے آخری کلمات کو بار بار دہراتے رہے اور اسی عا
میں اُن کی رُوح بدن کا ساتھ چھوڑ کر عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بہت معظم اور مکرم صحابی تھے۔ ان کی کنیت ابو عبداللہؓ اور نام مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر ہے۔ جنگِ احزاب کے بعد ۵ ہجری میں اسلام لائے اور ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لے آئے۔

ان کے مسلمان ہونے کے ایک سال بعد ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جو مفصل طور پر تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس سلسلہ میں جب قریش مکہ کا ایک بہت معزز شخص عروہ بن مسعود ثقفی گفتگوئے مصالحت کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو اس نے آنحضرتؐ سے

بہت بے تکلفانہ طور پر گفتگو شروع کی۔ بات کرتے ہوئے بار بار اپنا
ہاتھ حضورؐ کی ریش مبارک کی طرف بڑھاتا تھا۔ حضورؐ نے تو اس پر کچھ نہ
کہا۔ مگر صحابہؓ کو جو ارد گرد بیٹھے تھے۔ اس گستاخانہ طرزِ تخاطب پر سخت
غصہ آیا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اس وقت حضورؐ کی پشت پر حفاظت کے خیال
سے ننگی تلوار کھینچے مستعد کھڑے تھے۔ انہیں خاص طور پر یہ حرکت نہایت
ناگوار گزری۔ اگرچہ عروہ بن مسعود قریش کا نہایت بااثر رئیس اور بہت معزز
شخص تھا۔ مگر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اس وقت اس بات کا کچھ بھی لحاظ
نہ کیا اور نہایت ڈانٹ کر کہنے لگے "عروہ! ہم جاں نثاران محمدؐ اس
گستاخی کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتے۔ یا تو اپنا ہاتھ روک لو اور ادب سے
ساتھ بات کرو۔ ورنہ ابھی تلوار سے تمہارا ہاتھ اڑا دوں گا۔" (سیرۃ النبی شبلی
جلد اول صفحہ ۴۱۵۔ سیرۃ ابن ہشام صفحہ ۳۶۴)

صلح حدیبیہ کے بعد جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے
برابر حضرت مغیرہ کو مختلف جہات پر بھیجتے رہے اور ان کی مخلصانہ خدمات
پر حضور علیہ السلام نے ہمیشہ اطمینان کا اظہار فرمایا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے وقت یہ

ہی میں موجود اور تجہیز و تکفین میں شریک تھے۔ جب حضورؐ کے جسم مطہر کو قبر میں اتارنے لگے تو انھوں نے جان بوجھ کر اپنی انگوٹھی قبر میں گرادی اور پھر کہنے لگے "میری انگوٹھی! میری انگوٹھی!"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ قبر میں اتر کر انگوٹھی نکال لو۔ یہ تو یہ چاہتے ہی تھے۔ اجازت ملتے ہی قبر میں کود کے حضورؐ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا اور جھک کر آنکھوں سے لگایا۔ پھر فوراً باہر آگئے اور بڑے فخر کے ساتھ لوگوں سے کہنے لگے کہ "آج تم میں سے کوئی بھی مجھ سے افضل نہیں۔ کیونکہ میں تم سب میں اپنے آقاؐ سے سب سے آخر میں جدا ہوا۔ اپنے اس فخر کا اظہار وہ ہمیشہ کیا کرتے تھے۔ (ابن سعد جلد ۲۔ صفحہ ۷۷)

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں سب سے بڑا مسئلہ مرتدین کا کھڑا ہو گیا تھا۔ اس عظیم فتنہ کے استیصال کے لئے بڑے بہادر اور تجربہ کار افسروں کی ضرورت تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے مختلف صحابہ کو مختلف قبائل کی طرف روانہ فرمایا تاکہ جہاں جہاں ارتداد کی آگ روشن دیکھیں۔ تلوار کی چمک سے اس کا خاتمہ کر دیں۔ اہل بحیرہ کی طرف حضرت مغیرہ کو بھیجا گیا اور جب وہاں کے مرتدین کا قلع قمع حضرت مغیرہؓ کر چکے تو پھر دربار صدیقی

سے اُن کو یمامہ کے مرتد لوگوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا اور ہر جگہ سے وہ کامیابی کے ساتھ واپس آئے (مستدرک جلد ۷ صفحہ ۴۴۷)

حضرت مغیرہؓ کی جنگی قابلیت اور سیاسی لیاقت کا مظاہرہ خاص طور حضرت فاروق اعظمؓ کے عہدِ خلافت میں ہوا جبکہ اسلامی فوجیں ایران کی شوکت اور روم کی عظمت کو مٹانے کا عزم لے کر میدانِ جہاد میں آئیں۔ لیکن قبل اس کے کہ مسلمان ان دونوں زبردست شہنشاہیوں پر حملہ آور ہوں۔ خلیفہ اسلام نے مناسب سمجھا کہ ایک سفارت کے ذریعہ اُن پر اتمامِ حجت کر دیا جائے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے حکم کے ماتحت اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے عرب بھر کے چودہ نہایت نامور اور مشہور اشخاص کی ایک جماعت منتخب کی۔ جس میں آپ نے ایسے اصحاب کو شامل کیا جو ظاہری شان و شوکت۔ رعب و داب۔ بہادری و شجاعت۔ دلیری و بے خوفی۔ عقل و تدبیر اور سیاسی و جنگی قابلیت میں تمام عرب کے اندر اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ ان سب میں پیش پیش تھے۔ عرب کے ان بہترین اور منتخب لوگوں کے ان معزز ممبروں کے نام یہ تھے:۔

عطارد بن حاجب۔ اشعث بن قیس۔ حارث بن حسان۔ عاصم بن عمرو

عمرو بن معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حملہ بن جویۃ۔ حنظلۃ بن الربیع۔ فرات بن حیان العجلی۔ عدی بن سہیل۔ اور مغیرہ بن زرارہ۔

عرب کے منتخب افراد کی یہ سفارت نعمان بن مقرن کی زیر سرکردگی جب یزدجرد شہنشاہ ایران کے دربار میں مدائن پہنچی اور فرضِ تبلیغ ادا کیا تو یزدجرد نے نہایت حقارت سے جواب دیا کہ "تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور کم حیثیت قوم اور کوئی نہ تھی۔ اونٹ کا دودھ پی کر اور گوہ جیسے مکروہ جانور کا گوشت کھا کر اب تمہیں یہ دن لگے کہ تم سلطنت ایران کا خواب دیکھنے لگے

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

تم اپنی ذلت اور نکبت کا وہ وقت بھول گئے جب تم ہماری طاقت اور شوکت سے ایسے ڈرتے تھے جیسے گائے قصاب سے ڈرتی ہے۔ تمہارے میں سے اگر کوئی ذرا بھی سرکشی اختیار کرتا تھا تو سرحد کے زمینداروں کو یہاں سے حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمہیں آناً فاناً سیدھا کر دیا کرتے تھے۔ اگر بھلی خیر چاہتے ہو تو جدھر سے آئے ہو۔ اُدھر ہی لوٹ جاؤ۔ ورنہ کتے اور گدھ تمہاری لاشوں کو کھاتے نظر آئیں گے اور تم میں سے ایک بھی اپنی

جان سلامت لے کر واپس نہیں جا سکے گا۔"

یہ سن کر وفد کی جانب سے مغیرہ بن زرارہ آگے بڑھے اور انہوں نے کہا:-

"بادشاہ نے جو کچھ کہا۔ ٹھیک ہے۔ واقعی ہم ایسے ہی ذلیل تھے اور ہمارا شمار انسانوں میں نہ ہوتا تھا۔ ہر قسم کے جرائم اور ہر قسم کی معاصی میں ہم مبتلا تھے۔ ہر بدی اور بدکاری ہمارا شعار تھا۔ ہر ستم و جور۔ ہر ظلم و طغیان اور ہر قسم کی لوٹ مار ہمارا پیشہ تھا۔ شراب ہماری گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور جوا ہمارا دن رات کا مشغلہ تھا۔ ہم انسانیت، شرافت اور علم و تہذیب سے قطعاً عاری تھے اور یقیناً درندگی کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرمایا اور ہم میں سے ہماری ہدایت کے لئے ایک رسول کو کھڑا کیا۔ جس نے ہمیں حکمت و دانش، اور عقل و اخلاق کی باتیں بتائیں۔ ہمیں تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ ہمیں حقیقی اخلاق سکھائے غرض اس نے ہماری دنیا بھی درست کی اور عقبیٰ بھی۔ اور آج اس کی زندگی بخش پیام لے کر' اے بادشاہ! ہم تیرے پاس آتے ہیں۔ اسلام قبول کر، امن میں رہے گا۔ ورنہ تیرا اپنا وبال تجھ پر پڑے گا ہی۔ اپنا

تمام رعایا کی تباہی کا بھی ذمہ دار تو ہی ہوگا۔

یہ عجیب و غریب تقریر سن کر مغرور و متکبر شہنشاہ ایران مارے غصے کے آپے سے باہر ہوگیا اور کہنے لگا "سفیروں کا قتل اگر جائز ہوتا۔ تو میں ابھی تم سب کی گردنیں اڑا دیتا۔ مگر تمہاری موجودہ ذلت کے پیش نظر تمہیں معمولی سی سزا دیتا ہوں"۔

یہ کہہ کر شہنشاہ نے ایک مٹی کی ٹوکری منگوائی اور ذلیل کرنے کے طور پر وفد کے ایک بہت معزز رکن عاصم بن عمر کے سر پہ رکھ دی۔ یہ لیکر بھاگے اور سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچ کر کہنے لگے "مبارک ہو کسریٰ نے اپنی زمین اپنے ہاتھوں سے خود ہی آپ کے حوالے کر دی"۔

(الفاروق حصہ اول صفحہ ۷۹)

اس واقعہ کے کئی مہینے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے ایک اور سفارت زیر سرکردگی حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سلطنت ایران کے سپہ سالار اعظم رستم کے پاس گئی۔ سفارت کے آنے کی خبر سن کر رستم نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ اپنا دربار سجایا۔ تاکہ عربوں پر ایرانی عظمت کا رعب طاری ہو جائے۔ تمام بڑے بڑے فوجی افسر نہایت زرق برق لباس

پہن کر زریں کرسیوں پر جلوہ افروز ہوئے۔ رستم کے لئے جو تخت بچھایا گیا۔ اس پر اس قدر ہیرے جواہرات لگے ہوئے تھے کہ نظر نہ ٹھیرتی تھی زمین پر اعلیٰ قسم کے ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے اور دیبا و سنجاب کا فرش ہو رہا تھا۔ سپاہی نہایت اعلیٰ فوجی لباس پہنے ہوئے دو رویہ کھڑے تھے۔ اور اُن کے ہتھیاروں کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ خدام اور غلام نہایت خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے اپنی اپنی جگہ استادہ تھے مگر مغیرہ بن شعبہ کو شان و شوکت کی اس تمام عظیم الشان نمائش میں سے کوئی ایک چیز بھی مرعوب نہ کر سکی اور وہ نہایت بے پروائی سے گھوڑا بڑھائے رستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ دربار میں پہنچ کر نہ آداب و تسلیمات بجا لائے۔ نہ سلام کیا۔ گھوڑے سے اترے اور سیدھے سپہ سالار رستم کے پاس جا کر تخت پر بیٹھ گئے۔

تمام دربار اسلامی سفیر کی یہ دلیری و بیباکی دیکھ کر حیران رہ گیا اعیان دولت سے دربار ایران کی یہ ہتک نہ دیکھی گئی۔ انھوں نے بازو سے پکڑ کر حضرت مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا۔ اس پر مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا۔ "میں یہاں خود نہیں آیا۔ تمہارا بلایا ہوا آیا ہوں اور اس لئے تمھارا مہمان

ہوں مہمان سے ایسا سلوک تمھارے بد ترین اخلاق کا آئینہ دار ہے۔ بات یہ ہے کہ ہم اس حرکت کو نہایت ذلیل سمجھتے ہیں کہ ایک شخص تو خدا بن کر زر نگار تخت پر بیٹھ جائے اور دوسرے لوگ مخلوق بن کر اور ہاتھ باندھ کر اس کے آگے کھڑے ہو جائیں۔ تمھاری یہی حرکتیں اور یہی اخلاق رہے تو بہت جلد تباہ ہو جاؤ گے اور تمہاری سلطنت اُن لوگوں کی وراثت میں دے دی جائے گی جو خدا کے نیک اور صالح بندے ہوں گے۔

مغیرہؓ بن شعبہ کی پر ہیبت اور پُر جلال تقریر مترجم عبود کی زبان سے سن کر تمام دربار سناٹے میں آگیا اور بعض لوگوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ واقعی ہم غلطی پر ہیں جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

سب سے زیادہ شرمندگی کا احساس سپہ سالار کو ہوا۔ اس نے حضرت مغیرہؓ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہنے لگا۔ معاف کرنا۔ جو کچھ ہوا میرے حکم یا اشارے سے نہیں ہوا اور میں اس کے لئے آپ سے معافی خواہ ہوں۔

اس معذرت کے بعد کچھ ادھر اُدھر کی بات چیت ہونے لگی۔ اثنائے گفتگو میں بے تکلفی کے طور پر رستم نے مغیرہ بن شعبہ کے ترکش میں سے ایک

چھوٹا سا نیزہ نکالا اور مذاقاً کہنے لگا:۔

"عرب کے بہادر سردار! کیا ان ہی تنکوں کو لے کر تم ایران کی عظیم الشان سلطنت فتح کرنے نکلے ہو۔ یہ بے حقیقت تنکے میدانِ جنگ میں کیا کام دیں گے؟"

مغیرہ بن شعبہ نے اس طنز کا بڑا لطیف اور چبھتا ہوا جواب دیا۔ فرمانے لگے "ٹھیک ہے۔ تمہارے نزدیک یہ محض تنکے ہیں لیکن میدانِ جنگ دیکھے گا کہ یہ بے حقیقت تنکے کس تیزی کے ساتھ اپنے دشمنوں کے سینوں میں پیوست ہوتے ہیں۔ افواجِ ایران کے سپہ سالار! آگ کی لَو اگرچہ نہایت باریک ہو مگر تاہم یہ نہ بھولئے کہ وہ بہرحال آگ ہے اور ایک دم میں جلا کر بھسم کر سکتی ہے"

رستم کو ابھی مزید ندامت کا شکار ہونا تھا۔ اب کے اس کی نظر تلوار کے نیام پر پڑی۔ اور وہ ہنس کر کہنے لگا "کس قدر ناکارہ بوسیدہ اور پرانا نیام ہے۔ کیا ایسی ہی تلوار کے بھروسے پر تم شوکتِ ایران سے ٹکر لینے آئے ہو؟"

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بھلا کب چوکنے والے تھے۔ انھوں نے

برجستہ جواب دیا "نیام کے پرانے یا نئے ہونے سے کیا بنتا ہے۔ تلوار پر تو دھار ابھی رکھی گئی ہے اور اس تلوار کی کاٹ کا تجربہ آپ کو عنقریب خود ہی ہو جائے گا۔"

اس دلچسپ نوک جھونک کے بعد اصل بحث پر گفتگو کا آغاز ہوا۔ رستم نے اپنی سلطنت کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کا بہت مبالغہ کے ساتھ ذکر کر کے اور یہ سمجھ کر کہ مغیرہ میرے اس بیان سے رعب میں آجائیں گے اور نہایت نرم شرائط پر صلح کے لئے آمادہ ہو جائیں گے یہ کہا کہ اگر تم لوگ واپس چلے جاؤ تو میں تمہارے افسروں کو اور تمہارے سپاہیوں کو علیٰ قدر مراتب تحفے ۔ ہدایا اور نقد رقوم دینے کو تیار ہوں اور یہ محض اس لئے کہتا ہوں کہ تم نہایت ننگے بھوکے۔ فقیر اور مفلس لوگ ہو۔ جب کھانے کو تمہارے ملک میں کچھ نہ رہا تو تم نے ایران کو لوٹنے کا منصوبہ بنایا لیکن ایرانی شہسواروں کے آگے تمہاری دال نہیں گلے گی اور تم سب کے سب یہیں کھیت رہو گے۔ اس لئے تمہاری حالت پر رحم کر کے میں تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔ مانو گے تو تمہارا فائدہ ہے۔ نہ مانو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔"

اس تمام تقریر کا حضرت مغیرہؓ نے یہ جواب دیا کہ "جو بات آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں۔ وہی بات میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اسلام لائیں۔ اس میں آپ کا، آپ کی قوم کا اور آپ کے ملک کا فائدہ ہے۔ اسلام نہ لائیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ اسلام نہ لانے کی صورت میں آپ ہماری اطاعت اختیار کریں اور مقررہ خراج ادا کرتے رہیں۔ ہم ہر طرح اور ہر دشمن سے آپ کی پوری پوری حفاظت کریں گے۔ کسی طاقت کی مجال نہیں ہوگی کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ ہم آپ کے محافظ نگران اور سرپرست ہوں گے اور آپ اپنے مذہبی و معاشرتی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گے۔ یہ دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو تلوار ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے گی اور اس کا فیصلہ دو ٹوک ہوگا۔"

یہ کھرا کھرا جواب سن کر سپہ سالار رستم کو بڑا طیش آیا۔ وہ اپنی طاقت کے زعم میں سمجھ رہا تھا کہ جو کچھ میں عرب سفیر سے کہوں گا۔ کیونکہ وہ ان کی توقعات سے بہت زیادہ ہوگا۔ اس لئے وہ لوگ فوراً مان جائیں گے۔ مگر بالکل خلاف توقع جب رستم نے مغیرہؓ کی زبان سے یہ جواب سنا تو سخت غصہ کی حالت میں کہنے لگا۔ چمکتے ہوئے سورج کی قسم! میں تو ارادہ کر کل تمہاری ساری فوج

کو قتل کر ڈالوں گا اور اس کے بعد سارے عرب کو برباد کر کے رکھ دوں گا
اس کے بعد حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اپنے لشکر میں چلے آئے اور صلح
کی گفتگو ختم ہو گئی۔ (سیر الصحابہ جلد سوم صفحہ ۱۹۱-۱۹۲، الفاروق
حصہ اوّل صفحہ ۸۲)

"قادسیہ کی مشہور جنگ میں ایرانیوں کا یہ بہادر سپہ سالار بہت بری طرح
سے نہایت ذلت کے ساتھ مارا گیا اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔
رستم کے ہلاک ہونے کے بعد یزدجرد نے ہرمزان کو سپہ سالار مقرر
کیا۔ اس نے بہت سخت مقابلے مسلمانوں سے کئے مگر ایک میں بھی اُسے
کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر وہ گرفتار ہو کر حضرت فاروق اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوا
حضرت عمرؓ اور ہرمزان کے درمیان ترجمان حضرت مغیرہؓ بن شعبہ مقرر ہوئے۔
کیونکہ انھوں نے ایران میں رہتے ہوئے اتنی فارسی سیکھ لی تھی کہ معمولی طور پر
کام چلا سکیں۔ حضرت عمرؓ کو ہرمزان کی بار بار عہد شکنیوں اور مسلمانوں کے خلاف
اس کی سرگرمیوں کے باعث اس کے خلاف سخت غصہ تھا۔ آپ نے سرسری
گفتگو کے بعد (جو حضرت مغیرہؓ کے ذریعہ ہوئی) اس کے قتل کا حکم دے دیا
ایرانی سپہ سالار نے کہا۔ مرنے سے پہلے تھوڑا سا پانی پلا دیجئے۔ حضرت

عمرؓ نے پانی کا پیالہ منگوایا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہرمزان کہنے لگا۔ "بہت ممکن ہے۔ ادھر میں پانی پینے لگوں، ادھر تم میری گردن اڑا دو۔" حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ سے پوچھا کہ یہ کیا کہتا ہے؟ جب حضرت مغیرہؓ نے بتلایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ جب تک تم پانی نہ پیو گے اُس وقت تک تمھیں قتل نہیں کیا جائے گا۔" جب حضرت مغیرہؓ نے اُس سے یہ کہا تو اُس نے فوراً سارا پانی پھینک دیا اور کہنے لگا۔" بس اب مجھے کوئی قتل نہیں کر سکتا۔ نہ میں پانی پیوں گا۔ نہ قتل ہوں گا۔"

حضرت عمرؓ کو ہرمزان کی اس چالاکی پر بڑا غصہ آیا اور فرمانے لگے "او دشمنِ خدا! تو نے میرے ساتھ دھوکا کیا۔ میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔"

حضرت مغیرہؓ بولے کہ "جب آپ قول دے چکے ہیں تو بہر حال آپ کو پورا کرنا چاہیئے۔"

تمام صحابہ نے بھی جو اس وقت مسجد میں موجود تھے۔ یہی کہا اور حضرت عمرؓ کو مجبوراً اُسے چھوڑنا پڑا۔ جس پر وہ فوراً مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا۔ یہ چال میں نے اس لئے چلی کہ لوگ یہ بات نہ کہیں کہ ہرمزان تلوار کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کو ہرمزان کے مسلمان ہونے سے خوشی ہوئی اور آپ نے دو ہزار سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اکثر اس سے ملکی معاملات میں مشورے کیا کرتے تھے۔ یہ مدینہ ہی میں رہتا تھا۔ سنہ ہجری جاری کرتے وقت اس کو بھی حضرت عمرؓ نے مشورہ کے لئے بلایا تھا۔ (الفاروق ص۱۴۳)

اس کے بعد افواج ایران کا کمانڈر انچیف کسریٰ نے مرزان شاہ کو مقرر کیا اور ڈیڑھ لاکھ فوج اس کی ماتحتی میں دے کر نہاوند کے مقام پہ عربوں سے ایک آخری جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔

حضرت عمرؓ کو اس مہم کی سخت فکر تھی۔ آپ نے بنفسِ نفیس خود میدان جنگ میں جانا چاہا۔ مگر حضرت علیؓ نے روک دیا اور فرمایا کہ "اگر آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت بہ پا ہو جائے گی۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام، یمن، بصرہ وغیرہ میں فرمان بھیج دیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہیں۔ ایک ایک ثلث نہاوند روانہ کر دی جائیں۔"

(الفاروق حصہ اول ص۴۵)

حضرت علیؓ کی رائے اور مشورہ کا احترام کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے اپنا جانا ملتوی کر دیا اور اپنی بجائے نعمان بن مقرن کو کسریٰ کے مقابلہ پہ

جانے کا حکم دیا۔ ڈیڑھ لاکھ کے مقابلہ میں تیس ہزار سپاہ آن کے ساتھ کی اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم میدانِ کارزار میں کام آؤ تو تمھاری بجائے حذیفہؓ بن الیمان فوج کا علم اٹھائیں اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو جریرؓ بن عبداللہ علم سنبھالیں۔ اگر وہ بھی لڑتے ہوئے مارے جائیں تو فوج کی قیادت مغیرہؓ بن شعبہ انجام دیں۔ (فتوح البلدان بلاذری صـ۳۱۱)

جب کوفہ سے چل کر مسلمانوں کا لشکر نہاوند پر پہنچا تو مردان شاہ کا پیغام ملا کہ میں آپ لوگوں سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اپنا کوئی بہت معزز شخص جو تمام سیاسی اور ملکی معاملات سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔ میرے پاس بھیج دیں۔ قرعہ فال مغیرہؓ بن شعبہ ہی پہ پڑا اور ان ہی کو مردان شاہ کے پاس گفتگو کے لئے بھیج دیا گیا۔

اس سفارت کی بہت پر لطف کیفیت مولانا شبلی کی زبان سے سنئے:۔

"عجم نے بڑی شان سے دربار آراستہ کیا۔ مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زرہ پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے دیبائے زرکش کی قبائیں۔ سر پہ تاج زر، ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہن کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے دور دور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں۔ جن کی برہنہ

تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ مترجم کے ذریعہ سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا: "اے اہلِ عرب! سب سے زیادہ بدبخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک قوم جو ہو سکتی ہے وہ تم ہو۔ یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہوئے ہیں۔ ابھی ابھی تمہارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھ کو یہ گوارا نہیں کہ ان کے تیر تمہارے ناپاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔"

مغیرہؓ نے جواب دیا "ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن کیا کریں۔ اس ملک میں آ کر ہم کو دولت کا مزا پڑ گیا ہے اور یہ مزے ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے۔ جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں گی۔"

(الفاروق حصہ اول۔ نیز طبری صـ۲۶۰۲)

اس تلخ گفتگو کے بعد ظاہر ہے کہ مصالحت کی کیا شکل ہو سکتی تھی۔ مغیرہ بن شعبہ واپس چلے آئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ جس کے نتیجہ میں عجمی تیس ہزار بہادر میدانِ جنگ میں کٹوا کر پسپا ہو گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ وہ چار کروڑ درہم میں فروخت ہوا اور یہ ساری رقم

فوج میں تقسیم کر دی گئی۔ اسی لڑائی میں وہ عجمی غلام فیروز گرفتار ہوا تھا جس کی
قسمت میں ایک دن امیر المومنین فاروقِ اعظم کا قاتل ہونا لکھا تھا۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ بحرین۔ بصرہ اور کوفہ کے
گورنر رہے اور ہر جگہ نہایت خوبی اور قابلیت کے ساتھ ملک کا انتظام کیا۔ انہوں
نے دفاتر باقاعدہ طور پر قائم کئے اور ایک دفتر ایسا کھولا جس میں ہر سپاہی کا نام
اور ہر وظیفہ خوار کی تفصیل درج تھی جس کے مطابق فوجیوں کو تنخواہ اور وظیفہ خواروں
کو ان کے وظیفے ملتے تھے اور کسی قسم کی کوئی گڑبڑ نہ ہوتی تھی۔ یہ دفاتر کا قیام
مغیرہؓ بن شعبہ کی اپنی ایجاد تھی۔ اس سے پہلے عرب اس طریقہ سے ناواقف تھے۔

جو افسر باقاعدگی اور اصول کے مطابق کام کرتا ہے۔ رعایا بالعموم اس
سے خوش نہیں رہتی۔ یہی حال مغیرہؓ کا تھا۔ جب یہ بحرین کے گورنر تھے تو وہاں
کے لوگوں نے ان سے ناخوش ہو کر ان کے خلاف ایک عجیب و غریب سازش
کی اور وہ یہ کہ اہل شہر سے چندہ جمع کر کے ایک لاکھ درہم مہیا کئے اور ان کو ایک
معزز شخص کے پاس رکھوا دیا۔ یہ شخص بھی سازش میں شریک تھا۔ جب یہ رقم
فراہم ہو چکی تو یہ شخص اُسے لے کر مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ رقم پیش
کر کے کہنے لگا کہ یہ رقم سرکاری خزانہ سے غبن کر کے گورنر مغیرہؓ بن شعبہ نے

میرے پاس امانت رکھوائی تھی جو آپ کی خدمت میں حاضر کر رہا ہوں اور ساتھ ہی چند اہالیانِ شہر کو بھی وہ شخص اپنے ہمراہ لایا۔ جنھوں نے شہادت دی۔ کہ واقعی یہ رقم خزانہ سے علیحدہ کر کے حضرت مغیرہؓ نے اس کے پاس رکھوائی تھی تاکہ ضرورت کے وقت واپس لے لے۔

واقعہ بڑا سنگین اور الزام نہایت اہم تھا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو طلب فرمایا۔ انھوں نے جب صورتِ معاملہ دیکھی تو اپنے حواس کو قائم رکھتے ہوئے (کیونکہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان دیتے ہوئے یا آپ کے سامنے بطور ملزم پیش ہونے پر بہت ہی مشکل تھا کہ کسی شخص کے حواس بجا رہیں) بیان دیا کہ جناب! واقعہ یہ ہے کہ میں نے اس شخص کے پاس ایک لاکھ نہیں بلکہ دو لاکھ درہم رکھوائے تھے۔ ایک لاکھ یہ خود کھا گیا اور باقی ایک لاکھ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ باقی کے ایک لاکھ بھی اس سے وصول کئے جائیں۔

اب تو وہ شخص بڑا پریشان ہوا اور لگا ادھر اُدھر بغلیں جھانکنے۔ مگر مفر کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور مجبوراً اُسے سازش کا سارا کچا چٹھا صحیح صحیح بیان کرنا پڑا اور اپنے فریب کا نہایت عاجزی کے ساتھ اعتراف کر کے معافی مانگی

پڑی۔کیونکہ دوسری صورت میں اگرچہ مغیرہؓ کو سزا ہوتی مگر اُس شخص کو لا
دو لاکھ دینے پڑتے۔

حضرت عمرؓ نے اُس غیر مسلم شخص کو تو معاف کر دیا مگر حضرت مغی
سے پوچھا کہ تم نے دو لاکھ کا کیوں اقرار کیا؟ انھوں نے عرض کی
جناب اس تدبیر کے سوا ان لوگوں سے عہدہ برآ ہونے کی اور کوئی ترکیب
نہ تھی۔ اگر میں اس شخص پر یہ الزام نہ لگاتا تو وہ میرے خلاف کبھی سازش
کا انکشاف نہ کرتا۔

اس واقعہ سے حضرت مغیرہؓ کی ہوشیاری، عقلمندی اور ذہانت
جودت طبع کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ (مہاجرین حصہ دوم ص۹۸)

بصرہ کی گورنری کے زمانہ میں اس سے بھی بہت زیادہ سنگین الز
لوگوں نے ان پر لگایا اور ان کے خلاف بڑے شد و مد کے ساتھ دربا
خلافت میں حاضر ہو کر گواہی دی۔ مگر تحقیقات پر یہ الزام بھی غلط ثابت
ہوا اور تین گواہوں کو جھوٹی گواہی دینے کی پاداش میں درۂ عمرؓ کی مار برداشت
کرنی پڑی۔ (تاریخ طبری مترجمہ مولانا عبداللہ العمادی ص۱۶)

ایک مدت رصحابیٔ رسولؐ ہونے کی وجہ سے حضرت عمرؓ ان کا بہت

ظ کرتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے۔ یہ برابر ذمہ دارانہ عہدوں
فائز رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے شہید ہونے کے وقت یہ کوفہ کے گورنر
تھے۔

جب دورِ فاروقی گذر گیا اور حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے
بعض مصلحتوں کی بنا پر معزول کر دیا۔ اس لئے حضرت عثمانؓ کے عہد میں
میں ان کی زندگی کا زمانہ بہت خاموشی کے ساتھ گزرا۔

لیکن جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اور ان کی بجائے حضرت علیؓ
کا انتخاب ہوا تو حضرت مغیرہؓ آپ کے بہت زبردست مددگاروں میں
سے ہو گئے۔

حضرت علیؓ جب خلیفہ ہوئے تو وہ بہت ہی بدامنی اور بے اطمینانی
کا زمانہ تھا، تمام عالمِ اسلام نے متفقہ اور متحدہ طور پر بلا کسی اختلاف کے
آپ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی بے گناہ شہادت بہت
سے قبائل کے لئے نہایت درجہ اشتعال کا باعث بن رہی تھی۔ وہ لوگ جو قتل
عثمانؓ میں شریک یا اس سازش میں شامل تھے۔ ملک میں ادھر ادھر پھر کر بس
فتنہ و فساد کی آگ کو ہوا دے رہے تھے تاکہ لوگ آپس کے جھگڑوں میں پھنسے

رہیں اور اُن کی طرف کوئی متوجہ نہ ہو سکے۔ حضرت معاویہؓ کو ملک شام میں سالہا سال سے حکومت کرتے ہوئے وہاں زبردست استحکام حاصل ہو چکا تھا اور وہ کسی قیمت پر بھی اُس عظمت و شان سے علیحدہ ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

ان حالات میں خلیفہ ہوتے ہی حضرت علیؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت معاویہؓ کی معزولی کے احکام جاری فرما دیئے۔ یہ دیکھ کر حضرت مغیرہؓ بن شعبہ جو اس وقت تک حضرت علیؓ کے حقیقی بہی خواہ اور ہمدرد تھے۔ اُن کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایسے پُر آشوب اور پُر فتن ایّام میں معاویہؓ کا عزل کسی طرح مناسب نہیں۔ کیونکہ شام میں اُن کے قدم مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور وہ آسانی سے اپنے عہدے سے ہٹنے والے نہیں۔ اگر آپ نے اُن کی معزولی کا حکم جاری کیا اور جیسا کہ یقین ہے انہوں نے نہ مانا تو پھر فریقین میں لڑائی یقینی ہے اور ابھی آپ کی عسکری طاقت ایسی نہیں ہے کہ اس خطرہ کو مول لیں۔ اس لئے ابھی فوراً حضرت معاویہؓ کو چھیڑنا قرین مصلحت نہیں بلکہ میں تو آپ سے یہ کہوں گا کہ طلحہؓ کو کوفہ کا اور زبیرؓ کو بصرہ کا گورنر بنا دیں۔ کیونکہ ان دونوں سے بھی مجھے خطرہ ہے کہ کہیں آپ کے خلاف کھڑے نہ ہو جائیں۔ ہاں جب تمام عالمِ اسلام پر پورا تسلط ہو جائے

اور ایران سے لے کر بحر اوقیانوس تک آپ کا مکمل قبضہ ہو جائے اور مخالفت کا کوئی اثر کسی حصۂ ملک میں باقی نہ رہے تو اُس وقت بے شک آپ تینوں کو معزول کر دیں۔ کیونکہ اُس وقت اُن میں سے کوئی چوں نہیں کر سکے گا۔ نہ کسی کی طاقت ہو گی کہ آپ کے حکم سے انحراف کر سکے۔

اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تمہارا مشورہ میں نے سُن لیا ہے اور تمہاری رائے بھی اِس معاملہ میں معلوم ہوئی مگر میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ معاویہ کو ضرور ضرور معزول کر کے رہوں گا اور جب تک وہ اپنی موجودہ روش پر قائم رہیں گے اُس وقت تک نہ اُن کو کسی حصۂ ملک کا والی بناؤں گا۔ نہ اُن سے کسی قسم کی کوئی مدد لوں گا۔ طلحہ اور زبیر کے متعلق تم نے جو مشورہ دیا ہے۔ اس کا بھی میں فوراً کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ سوچ کر جیسا مناسب ہو گا کیا جائے گا۔ کوئی جلدی نہیں ہے"۔

(مہاجرین حصہ دوم بحوالہ استیعاب جلد ۱ صفحہ ۲۵۹)

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو اپنی اصابت رائے پر بڑا فخر تھا حضرت علیؓ سے یہ جواب سُن کر اُن کو بڑی مایوسی ہوئی اور وہ خاموشی کے ساتھ اُن کے پاس سے چلے آئے۔

حضرت معاویہؓ میں موقع سے فائدہ اُٹھانے کا خاص ملکہ قدرت نے ودیعت کیا تھا۔ جب اُنھوں نے یہ قصہ سُنا تو فوراً خط لکھ کر بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بلایا۔ جب یہ گئے تو بڑی عزت و تکریم سے ان سے پیش آئے اور ان کی بڑی خاطر و مدارات کی۔ اُن کی عقلمندی۔ دوراندیشی اور ذہانت کی نہایت تعریف کی اور کہا کہ آپ کا مشورہ بہت مناسب اور صحیح اور آب زر سے لکھنے اور پورے طور پر عمل کرنے کے قابل تھا مگر علی نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ آپ میری امداد فرمائیں تو میں ہمیشہ آپ کا ممنونِ احسان رہوں گا اور آپ کی امداد کا بہتر سے بہتر معاوضہ بھی پیش کروں گا۔

اس تقریر کا جو کچھ اثر ہو سکتا تھا وہ ہوا۔ یعنی حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کی ہر امداد کا مخلصانہ وعدہ کرلیا اور اس وعدہ کو آخر تک نباہا۔

اُس وقت سے لے کر اپنی وفات تک حضرت مغیرہؓ نے ہر موقع پر حضرت معاویہؓ کی مدد اور اعانت کرنے میں اور اُن کو ہر خطرہ اور ہر مشکل سے بچانے میں کوشش اور سعی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ جتنی قیمتی

سے قیمتی امداد حضرت مغیرہؓ، حضرت معاویہؓ کو پہنچا سکتے تھے۔ وہ انھوں نے پہنچائی اور بڑی بڑی اہم سیاسی گتھیاں اپنی عقل و تدبیر سے انہوں نے سلجھائیں۔ حضرت معاویہؓ کی زندگی میں متعدد مواقع ایسے آئے کہ اگر حضرت مغیرہؓ کی دور بینی و ہوشیاری۔ فطانت و ذہانت آڑے نہ آتی تو بلاشبہ حضرت معاویہؓ سخت ترین مشکلات میں پھنس جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سیاسی سوجھ بوجھ اُن کو عطا فرمائی تھی۔ وہ ساری کی ساری انھوں نے حضرت معاویہؓ کی امداد و اعانت اور اُن کی ترقی و عروج میں خرچ کر دی۔ یہ بات بلاشائبہ شک کہی جا سکتی ہے کہ اگر مغیرہؓ کا وجود نہ ہوتا۔ یا وہ حضرت معاویہؓ کی امداد کے لیئے کھڑے نہ ہو جاتے تو ہرگز حضرت معاویہؓ بطور خود اتنی بڑی سلطنت کے واحد مالک نہ بن سکتے۔ انہوں نے نہ صرف خود حضرت معاویہؓ کی ہر طرح سے مدد کی بلکہ دوسرے ذہین اور ہوشیار لوگوں کو بھی حضرت معاویہؓ کی امداد و اعانت پر آمادہ کیا۔ ایسے لوگوں میں سب سے نمایاں شخصیت زیاد بن ابیہ کی ہے۔ یہ شخص حضرت علیؓ کا نہایت وفادار اور اُن کا زبردست معاون تھا۔ ساتھ ہی حضرت معاویہؓ کا شدید دشمن اور مخالف۔ ایسے شدید مخالف کو رام کرنا اور اس کو حضرت

معاویہؓ کے قدموں میں لاکر ڈال دینا حضرت مغیرہؓ ہی جیسے ماہر سیاست داں انسان کا کام تھا۔ اس معاملہ میں حضرت معاویہؓ نے جتنی بھی کوششیں کیں سب ناکام ہوئیں مگر حضرت مغیرہؓ نے جاکر ایسی ہوشیاری کے ساتھ اس سے گفتگو کی کہ بالآخر اُسے اپنے ہمراہ لے آئے اور اس کا سر حضرت معاویہؓ کے سامنے جھکا دیا۔ زیاد بہت ہی ہوشیار اور چالاک سیاستداں تھا اور اُس کی عقلمندی کا تمام عرب میں شہرہ تھا۔ اس کے مل جانے سے حضرت معاویہؓ کو بڑی تقویت پہنچی۔ لیکن اس سخت مہم کو انجام تک پہنچانے کا سہرا حضرت مغیرہؓ کے سر ہے۔

جتنی بیش قرار خدمتیں حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کی کیں اور جس قدر امداد اُن کو انھوں نے وقتاً فوقتاً پہنچائی اُن سب میں یزید کی ولی عہدی کی تحریک نہایت نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تحریک خاص حضرت مغیرہؓ کے ہوشیار دماغ کی ایجاد تھی۔ اور اس کو انھوں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ یہ تحریک ایسی عجیب وغریب اور ایسی حیران کن تھی کہ حضرت معاویہؓ کے از خود کبھی خواب وخیال میں بھی نہیں آسکتی تھی اور جب شروع شروع میں یہ تجویز یزید کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے بھی بڑی

حیرت سے پوچھا کہ "کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟" غرض نہ باپ کو نہ بیٹے کو اس کا وہم آسکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ مغیرہ ہی کا ہوشیار دماغ تھا جس نے یہ تجویز تخلیق کی اور پھر ہزار ہا مشکلات اور رکاوٹات کے باوجود اُس کو بڑی کامیابی کے ساتھ عملی جامہ بھی پہنایا اور تمام دنیائے اسلام دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ حضرت مغیرہؓ کے اس کارنامہ کی تفصیل یہ ہے:-

حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسن خلیفہ مقرر ہوئے تھے۔ مگر آپ نے مسلمانوں کو طویل خونریزی اور شر و فساد سے بچانے کے لئے نہایت درجہ ایثار سے کام لے کر حضرت معاویہؓ سے صلح کر لی جس کے بعد حضرت معاویہؓ تمام دنیائے اسلام کے بلا شرکت غیرے مالک بن گئے اور در اصل اُسی دن سے صحیح طور پر اُن کی بادشاہت اور سلطنت کا آغاز ہوا۔

تمام دنیائے اسلام پر مکمل قبضے کے بعد اُنہوں نے ہر مقام پر اپنے بھروسے کے آدمیوں کو متعین کیا۔ اسی ضمن میں کوفہ جیسے اہم شہر کی ولایت حضرت مغیرہؓ جیسے ہوشمند اور جہاں دیدہ شخص کے

سپرد کی۔ جہاں انھوں نے نہایت عمدگی اور لیاقت کے ساتھ حکومت کی۔

کوفہ کی گورنری کے دوران ہی میں اُن کو یزید کی ولیعہدی اور جانشینی کا خیال پیدا ہوا۔ وہ اپنے اس عجیب وغریب خیال کو لیے ہوئے کوفہ سے دمشق آئے۔ یزید سے ملے اور اُس سے کہا کہ قریباً تمام بڑے بڑے صحابہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ بزرگانِ قریش میں سے بھی تمام نمایاں ہستیاں موت کے مُنہ میں جا چکی ہیں۔ اب صحابہ کی اولادیں اور بزرگانِ قریش کے بیٹے باقی رہ گئے ہیں اور تم اُن سب میں اپنی علمی فضیلت۔ اپنی نسبی شرافت۔ اپنی ہوشمندی و لیاقت۔ اپنے تدبر و سیاست اور اپنی عقل و فراست کے باعث خاص حیثیت رکھتے ہو۔ اس صورت حال کے پیشِ نظر اگر حضرت معاویہؓ لوگوں سے تمھاری ولی عہدی اور جانشینی کی بیعت لیں۔ تو امید ہے کہ آئندہ عظیم فتنوں کا سدِ باب ہو سکے گا اور دنیائے اسلام آئے دن کے فسادات سے بچ جائے گی۔

یہ نئی اور انوکھی بات ایک بزرگ صحابی کی زبان سے سُن کر

یزید حیران رہ گیا اور اس نے بڑے ہی تعجب سے پوچھا "کیا ایسا ہونا ممکن ہے؟"

حضرت مغیرہؓ نے فرمایا "نہ صرف ممکن بلکہ آسان۔ ذرا سی کوشش اس مقصد میں کامیاب کر سکتی ہے۔"

تجویز ایسی عجیب اور یزید کی اپنی حالت ایسی ناگفتہ بہ تھی کہ یزید کو اب بھی یقین نہ آیا کہ آیا اس کے ساتھ مذاق کیا گیا ہے یا واقعہ میں سنجیدگی کے ساتھ یہ تجویز اس کے سامنے پیش کی گئی ہے۔ تاہم اس نے اسی دن اس کا ذکر اپنے باپ سے کیا اور کہا کہ مغیرہؓ میرے پاس آئے تھے اور ایسا ایسا کہتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے دماغ میں بھی کبھی ایک لمحہ کے لئے یہ بات نہ آئی تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ بھی یہ سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اور قطعاً نہ سمجھے کہ اس نرالی تجویز کو کس طرح عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے؟ انہوں نے فوراً حضرت مغیرہؓ کو طلب فرمایا اور ان سے پوچھا کہ آپ نے یزید سے کیا کہا؟

حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت جن المناک

حالات میں ہوئی۔ آپ کے بعد امت میں جو فسادات اور قتل و خونریزی ہوئی۔ اور دنیائے اسلام کا امن جس طرح خطرہ میں پڑا۔ اور خلقِ خدا کا خون جس بیدردی سے بہا۔ اس سے آپ بخوبی واقف ہیں پس آئندہ کے لئے اس قتل و تباہی۔ فتنہ و فساد اور باہمی خانہ جنگی کو روکنے کی واحد شکل یہی ہے کہ آپ اپنے بعد یزید کی ولیعہدی کی بیعت لوگوں سے لے لیں۔ تاکہ ہر قسم کے فتنہ کا سر کچل دیا جائے اور کوئی شخص بعد میں سر نہ اٹھا سکے۔ اگر کوئی فتنہ پیدا بھی ہوا تو آسانی سے اس کا قلع قمع کیا جا سکے اور اس وقت یزید مسلمانوں کی پشت و پناہ بن سکے۔

خلافت کے اس وقت تک کے طرز اور تعامل کو دیکھتے ہوئے یہ تجویز اتنی عجیب و غریب تھی کہ حضرت معاویہؓ کے ہوشیار دماغ میں بھی اس کی کامیابی کی کوئی شکل نظر نہ آئی۔ وہ سوچتے رہے اور سوچتے رہے مگر ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ یہ لاینحل عقدہ کس طرح اور کس ترکیب سے حل ہو سکتا ہے؟

کچھ دیر کے بعد انھوں نے سر اٹھایا اور حضرت مغیرہؓ سے کہا۔ کہ تجویز تو اچھی ہے مگر یہ بتاؤ کہ جمہور مسلمین اس تجویز کو تسلیم کس طرح کریں گے؟

اور کس طرح یزید کی ولی عہدی کو قبول کریں گے۔ جبکہ اس سے پہلے کوئی مثال امت میں ایسی موجود نہیں کہ باپ نے اپنی موجودگی میں اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دیا ہو؟

حضرت مغیرہؓ نے جواب دیا کہ جمہور مسلمین کی رضامندی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کوفہ کے لوگوں کو رضامند کرنے کی ذمہ داری تو میں لیتا ہوں۔ بصرہ کا والی زیاد ہے۔ وہاں کی ذمہ داری وہ لے۔ مکہ اور مدینہ آپ ہو آئیں۔ مصر کی طرف سے بے فکر رہیں۔ وہاں کوئی شخص آپ کے حکم سے انحراف نہیں کرے گا۔ چلئے فیصلہ ہوا۔

حضرت معاویہؓ کو اب بھی اس تجویز کی کامیابی میں شبہ تھا۔ انھوں نے بات ٹالنے کے طور پر کہہ دیا کہ "اچھا آپ کوفہ جا کر یہ تحریک کریں اور نتائج سے مجھے مطلع کریں۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ اس معاملہ کو کس طرح سے آگے چلایا جائے"؟

کوفہ واپس پہنچ کر حضرت مغیرہ نے اس اسکیم پر نہایت تندہی سے عمل کرنا شروع کیا۔ انھوں نے شہر اور مضافات کے ان لوگوں کو جو بنی امیہ کے ہوا خواہ تھے اور کافی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ ایک جگہ جمع کیا اور بڑے

فصیح و بلیغ پیرائے میں اپنا مافی الضمیر اُن سے بیان کیا اور کہا کہ آپ لوگ عوام کے اندر بڑے زور سے اس خیال کی اشاعت کریں اور عوام کو اپنا ہم خیال بنائیں مگر تبلیغ صرف زبانی ہو۔ کسی قسم کا جبر یا زور کسی پہ نہ کیا جائے۔ اگر کوئی مخالفت کرے تو اُس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور اس سے قطعاً کوئی تعرّض نہ کیا جائے۔ تاکہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو۔

اس انتظام اور تبلیغ و اشاعت کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا اور کوفہ کے بہت زیادہ باشندے اس کے زیر اثر آ کر یزید کی ولی عہدی پر راضی ہو گئے۔ جنہوں نے مخالفت کی۔ چونکہ اُن کو حسب ہدایت کچھ نہیں کہا گیا۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ کر خاموش ہو گئے کہ "ہمیں کیا۔ جس کا جو جی چاہے خیال کرے۔" اور اس طرح مخالفت کی آگ بالکل سرد رہی۔ ورنہ موافقین و مخالفین کا تصادم یقینی تھا۔ جس کے نتیجہ میں تحریک کی قوت میں ضعف پیدا ہو جاتا۔ یہ بھی حضرت مغیرہؓ کی دانشمندی اور دور اندیشی کا ایک شاہکار تھا کہ ہلدی لگی نہ پھٹکڑی اور رنگ چوکھا آیا۔

جب معقول تعداد اس خیال کی حامی کوفہ میں پیدا ہو گئی تو حضرت

مغیرہ نے اپنے بیٹے موسیٰ کی سرکردگی میں معززین کوفہ کا ایک وفد تیار کیا جس نے دمشق جا کر حضرت معاویہ کے دربار میں تمام اہالیان کوفہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس تجویز کی تائید کی اور حضرت معاویہؓ سے کہا کہ یزید بیشک اس لائق ہے کہ آپ اسے اپنا ولی عہد بنائیں۔ وہ اپنی لیاقت اور قابلیت کے باعث پورے طور پر اس کا مستحق ہے کہ آپ کے بعد اس منصب جلیل کے بار کو برداشت کر سکے۔

یہ موقع تھا جب پہلی مرتبہ حضرت معاویہؓ کو واقعی طور پر اس تجویز پر سنجیدگی سے غور کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اُن کو اس وفد کی آمد سے امید کی ایک کرن اس خیال میں نظر آئی اور انھوں نے وفد سے کہا کہ آپ لوگوں کا مشورہ صائب اور نیک ہے۔ لیکن اس معاملہ میں جلد بازی مناسب نہیں۔ میں غور کروں گا اور اس کے بعد کوئی عملی قدم اس سلسلہ میں اٹھاؤں گا آپ لوگ واپس جائیں اور اس کے متعلق میرے حکم کے منتظر رہیں۔

وفد کی واپسی کے بعد حضرت معاویہؓ نے اپنے بہت بڑے زبردست مددگار زیاد بن ابیہ گورنر بصرہ کو اس معاملہ میں خط لکھا جس میں مغیرہ کے مشورے اور وفد کے آنے کا سارا حال بیان کیا اور تحریر کیا کہ تم

اپنی رائے اس معاملہ میں لکھو اور اہلِ بصرہ کو اس کی تائید کے لئے آمادہ کر
اس کے علاوہ مختلف ممالک کے والیوں اور گورنروں کو بھی خطوط
لکھے گئے کہ ہر جگہ سے مقامی معززین کے وفد مسئلہ زیر بحث کے متعلق
اظہارِ خیال کے لئے دمشق آئیں تاکہ تمام عالم اسلام کی متفقہ رائے سے
اس معاملہ کا فیصلہ کیا جائے۔

چنانچہ سب جگہ سے وفود آنے شروع ہوئے اور سب نے یزید کی ولیعہدی
پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔

اس پر ہر جگہ حضرت معاویہؓ نے احکامات بھیج دیئے کہ یزید کی ولیعہدی
پر لوگوں سے بیعت لی جائے۔ زمین پہلے ہی ہموار ہو چکی تھی۔ بیعت لینے میں
کوئی خاص مزاحمت نہ ہوئی اور حضرت مغیرہؓ کی پیش کردہ تجویز نے عملی جامہ
پہن لیا۔

حضرت امام حسینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت
عبداللہؓ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر نے مخالفت کی مگر حضرت
معاویہؓ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔
(تاریخ الامت جلد سوم مؤلفہ مولانا اسلم جیراجپوری ص۱۹۔ تاریخ ملت جلد

(از قاضی زین العابدین صـ۳۴۴ ، سیر الصحابہ جلد ششم صـ۹۶)

حضرت مغیرہ کا ایک زبردست کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے گورنری کوفہ کے دوران میں خارجیوں کا بڑی بہادری اور حسن تدبیر کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُن کے لشکروں کو بار بار شکست دی اور نہایت شدت کے ساتھ اُن کے فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔ چنانچہ اُن کا سردار مستورد بن علقمہ جب میدان جنگ میں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اسوقت کہیں جا کر اُن کی مکمل طور پر سرکوبی ہو سکی۔ ورنہ اس سے پہلے انہوں نے حضرت مغیرہ کی زندگی دو بھر کر رکھی تھی۔ اور تمام علاقہ میں فتنہ وفساد کی آگ زور شور کے ساتھ بھڑکا رکھی۔ کیونکہ ان کو اسی میں مزا آتا تھا اور وہ قتل وغارت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے۔

یہ واقعہ ہے کہ خوارج کی سرکوبی کر کے حضرت مغیرہؓ نے حضرت معاویہؓ کی سلطنت کو نہایت مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ ورنہ حضرت معاویہؓ سخت مشکلات میں گھرے رہتے۔

عام حالات میں حضرت مغیرہ نہایت نرم دل۔ نرم خو۔ نرم مزاج اور حلیم وبردبار انسان تھے جو فریق کھلم کھلا بغاوت اور سرکشی اختیار کرتا۔ اُس کی تو جان کے دشمن تھے اور جب تک اُسے تباہ نہ کر دیتے اُن کو چین نہ آتا

تھا مگر ویسے کوئی شخص کچھ خیالات و عقائد رکھے۔ اس سے واسطہ نہ رکھتے تھے۔ لوگ اُن سے آکر کہتے کہ "فلاں شخص خارجی عقیدہ رکھتا ہے"۔ "فلاں شخص اہل بیت کا طرفدار ہے"۔ مگر یہ نہ ایسی شکایت پر کوئی توجہ دیتے نہ اس پر کوئی نوٹس لیتے اور یہ کہہ کر بات کو ٹال دیتے کہ "اختلافِ عقائد انسان کی فطرت میں داخل ہے اور خدا کی مصلحت یہی ہے کہ عقائد اور خیالات کا اختلاف باقی رہے۔ ان باتوں کا فیصلہ تو وہ احکم الحاکمین میدانِ حشر ہی میں فرمائے گا اور وہیں جا کر پتہ لگے گا کہ کون حق پر تھا"۔

حضرت مغیرہؓ عقل و تدبیر اور فہم و ذکاوت میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ جس آسانی اور سہولت کے ساتھ وہ سیاست کے لاینحل عقدے آناً فاناً حل کر لیا کرتے تھے۔ وہ بات اُن کے معاصرین میں سے کسی میں نہ تھی۔ اپنے اسی وصف کی بدولت وہ حضرت معاویہؓ کے سب سے زیادہ مقرب تھے۔ اور حضرت معاویہؓ کوئی کام بھی اُن سے مشورہ لئے بغیر نہ کرتے تھے۔ اُن کا مشورہ ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ چار و ناچار حضرت معاویہ کو اس پر عمل کرنا پڑتا تھا۔

عقل و فراست کے ساتھ طبیعت نہایت صلح جو واقع ہوئی تھی۔ جہاں تک ممکن ہو سکتا تھا۔ صلح و آشتی اور تدبیر و ترکیب سے مشکل کو آسان بنانے کی کوشش

کرتے تھے اور تلوار صرف اسی وقت اٹھاتے تھے جب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔ مگر بالطبع خون ریزی سے اُن کو نفرت تھی۔ اکثر خود کہا کرتے تھے کہ "میں اہل کوفہ کا خون بہا کر اُن کو سعید اور اپنے آپ کو شقی بنانا نہیں چاہتا میں امن پسند اور نیک لوگوں کو بہت اچھا بدلہ دوں گا۔ خاطیوں اور گنہگاروں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤں گا۔ مقتول لوگوں کی تعریف و توصیف کروں گا اور نادانوں کو نصیحت و پند سے راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں گا جب مر جاؤں گا تو دوسرے والیوں کے مقابلہ میں اہل کوفہ مجھے یاد کیا کریں گے"

ان کے اس قول کی تصدیق حضرت امام شعبی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"مغیرہ بن شعبہ کے بعد کوفہ میں اُن جیسا کوئی والی نہ آیا۔ وہ سلفِ صالح کا بقیہ تھے۔" (تاریخ ملت جلد سوم صفحہ ۲۶)

عربی کے اسماء الرجال کی موقر کتابوں میں اُن کے فاضل مصنفوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اُن میں سے بعض یہ ہیں:۔

"مغیرہ عقل و دانش۔ فہم و فراست اور تدبیر و سیاست کے لحاظ سے جزیرہ عرب کے نہایت نمایاں مدبرین میں سے ایک تھے۔ اپنے وقت میں

اُن کا شمار "دھاۃ عرب" (عرب کے بہترین عقلاء) میں ہوتا تھا اور وہ اپنے غیر معمولی دل و دماغ اور ہوشیاری و دانائی کے باعث لوگوں میں مغیرۃ الرائے کے معزز لقب سے مشہور تھے۔ (اصابہ و استیعاب تذکرہ مغیرہ بن شعبہ)

قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں بہت دنوں تک مغیرہ کے ہمراہ رہا۔ وہ اس عقل و ہوش اور اس تدبیر و سیاست کے مالک تھے کہ مثلاً اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور اُن میں سے کسی ایک سے بھی بغیر خاص ہوشیاری اور فرزانگی کے گذرنا محال ہو تو مغیرہ اس قابلیت کے انسان تھے کہ وہ اُس شہر کے آٹھوں دروازوں سے بآسانی داخل ہو سکتے تھے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

مغیرہ، اہم اور مشکل ترین معاملات کو آسانی اور سہولت سے سلجھانے میں حیرت انگیز قابلیت رکھتے تھے۔ جب وہ کسی معاملہ میں اپنی کوئی رائے پیش کرتے تو وہ ہمیشہ نہایت ٹھیک ہوتی تھی اور اسی رائے پر عمل کرنے سے وہ معاملہ درست بیٹھ سکتا تھا (مستدرک جلد ۳۔ تذکرہ مغیرہ)

مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی نے اپنی کتاب "مہاجرین" کے حصہ دوم میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ "اگرچہ مغیرہ مذہبی علوم سے بے بہرہ

ان تھے (اُن سے حدیث کی کتابوں میں ۱۳۶ روایتیں منقول ہیں) لیکن
اُن کی عظمت وشوکت کا عَلم مسند علم وافتا کی بجائے سیاست کی خارزار
وادیوں میں گڑا ہوا ہے۔ کیونکہ یہی اُن کے کمال کا حقیقی مظہر تھا"
(مہاجرین جلد دوم صفحہ ۱۹۷)
بسنہ ۵۰ھ میں کوفہ کے اندر نہایت شدت کے ساتھ طاعون کا
مرض پھیلا اسی وبا میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وفات ہوئی اور حضرت
معاویہؓ کا زبردست معاون اور نہایت وفادار ساتھی موت کی ابدی
نیند سو گیا۔

زیاد بن ابیہ

زمانۂ جاہلیت میں حضرت معاویہؓ کا باپ ابوسفیان، تجارت کے لئے شام و فلسطین اور عراق و فارس کے ممالک میں جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسے ہی ایک سفر سے واپس آ رہا تھا کہ راستہ میں طائف کے مقام پر ٹھیرا اور ایک مقامی شراب فروش ابومریم السلوی کے ہاں قیام کیا۔ شب کے کھانے سے فراغت کے بعد اپنے میزبان سے ابوسفیان نے کہا کہ رات گزارنے کے لئے میرے واسطے کسی عورت کا انتظام کر دو۔ ابومریم نے جواب دیا: "اس وقت رات گئے کسی عورت کا تلاش کرنا

مشکل ہے۔ البتہ بنی عجلان کی لونڈی سُمیّہ جو میلی کچیلی اور بدشکل ہے۔ فوراً آسکتی ہے۔"

ابو سفیان نے کہا "وہی سہی۔ جلدی لے آؤ۔"

چنانچہ ابو مریم گیا اور سمیّہ کو ساتھ لے آیا۔

صبح جس وقت ابو سفیان روانہ ہونے لگا تو اس نے اپنے میزبان سے کہا "ابو مریم! رات جب میں نے اپنی پشت کا پانی آہستہ سے نکال دیا تو سمیّہ کی آنکھوں میں میں نے لڑکے کے حمل کو محسوس کیا۔"

(تاریخ طبری ترجمہ مولانا عبداللہ العمادی ص۲۵۵)

(یہ کہانی خود ابو مریم نے ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے سامنے بیان کی تھی)

۹ ماہ کے بعد حسب پیشگوئی ابو سفیان سمیّہ کے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام زیاد رکھا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ابو سفیان نے جاہلیت کے طریق پر سمیّہ سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ سمیّہ حرث بن کلاہ ثقفی کی لونڈی تھی۔ حرث کے صلب سے سمیّہ کے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ابوبکرہ اور نفیع تھے۔ اس کے بعد ابو سفیان نے سمیّہ سے زمانہ جاہلیت کے طریقے پر عقد کر لیا۔ جس سے زیاد پیدا ہوا۔ (تاریخ ملت جلد سوم ص۱۲)

لیل و نہار پلٹتے رہے۔ وقت گزرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ زمانہ دوسرے رنگ پر آگیا۔ حرب کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نور کی شعاع پھوٹی اور ع

کیا چاند نے کھیت غارِ حرا سے

تاریکی کے فرزند چاروں طرف سے دوڑے کہ اس نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اُن میں سب سے پیش پیش ابوسفیان تھا۔

اکیس سال تک لگاتار اس چاند پر خاک پھینکنے کے بعد بھی جب نتیجہ صفر رہا اور چاند کی روشنی دن بدن بڑھتی ہی گئی تو ابوسفیان مایوس ہو گیا اور سخت ناچار اور مضمحل ہو کر مجبوراً اپنے آپ کو اسلام کی آغوش میں ڈال دیا۔

ابوسفیان کے جرائم کی ساری تفصیل رحمۃ اللعالمینؐ کے سامنے تھی۔ اور وہ اور اس کی بیوی دونوں بلاشبہ اپنے اعمال کی پاداش میں لائق دار اور قابل کشتنی و گردن زدنی تھے مگر محیر العقول اخلاق کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتے ہوئے سردار دو عالمؐ نے اُسے معاف فرما دیا اور حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود ابوسفیان کی جان بخشی ہو گئی۔ کاش! میدانِ کربلا میں

اُس احسانِ عظیم کا احترام کرتے ہوئے جو مردود و پلید یزید کے دادا پر مطہر و پاک حسینؑ کے نانا نے کیا تھا۔ یزید امام معصومؑ کے ساتھ رفق و مدارات اور حسنِ سلوک سے پیش آتا تو قیامت تک کے لئے لعنت و پھٹکار کا طوق اُس کے گلے میں نہ پڑتا۔

زیاد اور ابوسفیان کا تعلق نہ پبلک میں مشہور تھا اور نہ لوگوں کو عام طور پہ اس کا پتہ تھا جب زیاد جوان ہو گیا تو زیاد بن ابیہ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یعنی زیاد اپنے باپ کا بیٹا۔

دورِ نبوی اور عہدِ صدیقی گذر جانے کے بعد جب فاروق اعظم کا زمانہ آیا تو زیاد جوان تھا۔ عہدِ فاروقی فتوحات کا دور تھا۔ ملک پر ملک اور علاقے پر علاقے برابر فتح ہو رہے تھے۔ روزمرہ حضرت عمرؓ انتظار کرتے تھے کہ آج کس شہر کے فتح ہونے کی خبر آتی ہے۔ زیاد چاق و چوبند۔ تنومند و مضبوط اور بہادر تھا۔ یہ بھی فتوحات کے شوق میں اسلامی فوجوں کے ساتھ باہر چلا گیا۔ جب قادسیہ فتح ہوا تو سپہ سالار نے زیاد کے ہاتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں فتح کی خوش خبری بھیجی۔

زیاد نے ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ خوش خبری مدینہ آکر

حضرت عمرؓ کو سنائی کہ آپ خوش ہو گئے اور فرمایا کیا تم مجمع عام میں بھی ایسی ہی فصاحت و بلاغت کے ساتھ یہ خوش خبری لوگوں کو سنا سکتے ہو؟

زیاد نے کہا "آپ جیسا رعب کس کا ہو سکتا ہے؟ جب میں نے آپ کے سامنے گفتگو کی تو لوگوں کے سامنے بولتے ہوئے مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے؟"

اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا اور زیاد نے اُن کے سامنے ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ تقریر کی کہ سب لوگ حیران رہ گئے۔ حضرت عمرو بن العاص نے اس کی طلاقت لسانی کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر اس غلام کا باپ قریش میں سے کوئی فرد ہوتا تو یہ ایسی لیاقت کا مالک ہے کہ سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہنکا سکتا تھا۔

ابو سفیان بھی مجمع میں موجود تھا۔ یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا "کیا پتہ ہے ایسا ہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ اس کا باپ کون ہے؟"

اگرچہ یہ بات کھُل کر نہیں کہی گئی تھی مگر تاڑنے والے تاڑ گئے اور سمجھنے والے سمجھ گئے کہ ابو سفیان نے کیا کہا؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟

عمر کے ساتھ ساتھ زیاد کا تجربہ، عقل اور فراست بھی روز بروز بڑھتی

رہی۔ آخر ایک دن آیا جبکہ زیاد عرب کے نامور عقلا میں شمار ہونے لگا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں تو زیاد کو کوئی عہدہ یا نمایاں اعزاز نہیں ملا۔ لیکن جب حضرت علیؓ عالم اسلام کے خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے زیاد کی جودتِ طبع اور فرزانگی و ہوشیاری کو دیکھتے ہوئے اُسے بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔ اس خدمت کو اس نے بڑی لیاقت اور قابلیت کے ساتھ انجام دیا اور حضرت علیؓ کو اس سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی۔ نہج البلاغہ میں جو حضرت علیؓ کے خطبات اور فرامین کا ضخیم مجموعہ ہے۔ زیاد کے نام بھی متعدد خطوط ہیں۔ چنانچہ بصرہ کی گورنری کا فرمان بھیجتے ہوئے حضرت علیؓ نے اُسے خط لکھا کہ وانی اقسم باللّٰہ قسماً صادقاً لئن بلغنی انک خنت من فی المسلمین شیئاً صغیراً او کبیراً لاشدن علیک شدۃ تدعک قلیل الوفر ثقیل الظھر ضئیل الامر والسلام (یعنی) اگر میں مسلمانوں کے مال میں تیری ذرا سی بھی خیانت سن لوں گا تو تیرے ساتھ ایسی سختی اور درشتی سے پیش آؤں گا کہ تو بدحواس ہو جائے گا اور تیری کمر دوہری ہو جائے گی اور تو کہیں کا نہیں رہے گا۔ (نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۵۴)

جب زیاد نے بصرہ میں اپنے مفوضہ فرائض کو اطمینان بخش طریقہ پر انجام دیا اور وہاں کی رعایا بھی اُس سے خوش رہی اور اس عرصہ میں اُس کی کوئی شکایت آپ کے پاس نہیں پہنچی تو پھر آپ نے اُسے ولایت فارس کا عامل مقرر فرمایا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے وقت اور اس کے بعد تک یہ فارس ہی کا گورنر رہا۔

حضرت علیؓ کے تمام زمانۂ خلافت میں زیاد اہل بیت کا بہت زبردست طرفدار رہا اور خاص الخاص شیعانِ علیؓ میں سے شمار ہوتا تھا اور حضرت معاویہؓ اور بنی امیہ کو علی الاعلان نہایت بُرا بھلا کہتا رہتا تھا۔

زیاد کی ہوشیاری و چالاکی کو دیکھ کر حضرت معاویہؓ کو خیال پیدا ہُوا کہ اگر یہ شخص مجھ سے آکر مل جائے تو مجھے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے۔ اور یہ شخص میرے لئے بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

یہ سوچ کر حضرت معاویہؓ نے زیاد کو ایک لمبا چوڑا خط بھیجا جس میں لکھا کہ میرے باپ نے تمہیں اپنا بیٹا تسلیم کیا تھا۔ لہٰذا تم میرے بھائی ہوئے اس صورت میں تمہیں لازم ہے کہ علیؓ کا ساتھ چھوڑ کر میرے پاس آجاؤ

میں تمھارے اعزاز و اکرام میں کسی طرح کی کمی نہیں کروں گا اور تم یہاں نسبتاً زیادہ خوش و خرم اور آرام سے رہو گے۔ پس بلا پس و پیش فوراً چلے آؤ۔"

جب اس خط کی اطلاع حضرت علیؓ کو ہوئی تو آپ نے بھی زیاد کو ایک خط تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"معلوم ہوا ہے کہ معاویہ نے تم سے خط و کتابت شروع کی ہے تاکہ تمھاری عقل مار دے اور تمھاری استقامت میں فرق ڈال دے میں تمھیں بڑے زور سے خبردار کرتا ہوں کہ معاویہ سے بہت ہوشیار رہنا وہ ایسا شیطان ہے جو مومن پر سامنے سے، پیچھے سے۔ دائیں سے بائیں سے۔ اوپر سے۔ نیچے سے۔ غرض ہر طرف سے وار کرتا ہے تاکہ جدھر سے بھی اسے موقع مل جائے۔ ادھر ہی سے گھس کر اپنا عمل دخل کر لے۔

عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں ابو سفیان کے منہ سے یونہی ایک بات اتفاقیہ طور پر نکل گئی تھی۔ جس کی حقیقت وسوسۂ شیطانی سے زیادہ نہ تھی۔ پھر اس سے نہ تو کوئی نسب اور رشتہ کا تعلق ثابت ہوتا ہے

اور نہ ہی وراثت کا حق اس سے قائم ہوتا ہے۔ ابو سفیان کے اس بے سر و پا قول سے دلیل پکڑنے والا گویا ہوا کو پکڑنے والا ہے۔"

(نہج البلاغہ جلد دوم ص۱۰۸)

حضرت علیؓ کا یہ خط پڑھ کر زیاد نے خوشی کا ایک نعرہ مارا اور کہنے لگا۔ شھد بھا ورب الکعبۃ" رب کعبہ کی قسم، گواہی دے دی" (مطلب یہ ہے۔ گویا حضرت علیؓ نے زیاد کے متعلق ابو سفیان کا بیٹا ہونے کی تصدیق کر دی)

زیاد کی خود بھی اس امر کی بڑی زبردست خواہش تھی کہ وہ عوام و خواص میں زیاد بن ابیہ یا زیاد بن سمیّہ جیسے مکروہ ناموں سے پکارا جانے کی بجائے زیاد بن ابی سفیان کے نام سے مشہور ہو۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے اسی شوق میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو ایک خط لکھا جس کو اس طرح شروع کیا۔

الی زیاد بن ابی سفیان (زیاد بن ابی سفیان کی طرف سے)

اس سے زیاد کا مطلب یہ تھا کہ حضرت عائشہ بھی مجھے اپنے جواب میں اسی نام سے مخاطب کریں گی اور یہ میرے لئے ابی سفیان کے

بیٹا ہونے کی ایک سند ہو جائے گی۔ مگر حضرت عائشہؓ نہایت بالغ نظر خاتون تھیں۔ وہ بھلا اُس کی چال میں کس طرح آسکتی تھیں۔ اُنھوں نے جواب میں لکھا:۔

"مسلمانوں کی ماں عائشہؓ کی طرف سے زیاد بیٹے کے نام"

زیاد یہ جواب پا کر اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا۔

(تاریخ ابن اثیر جلد ۳ - صفحہ ۱۷۷)

جب حضرت علیؓ کا انتقال ہو گیا اور حضرت امام حسنؓ سریرآرائے خلافت ہوئے۔ اُس وقت حضرت معاویہؓ نے دوبارہ زیاد کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کی اور اُسے پھر ایک نصیحتوں بھرا خط لکھا اور ساتھ ہی کچھ دھمکی بھی دی کہ اگر میرا کہنا نہیں مانو گے تو پچھتاؤ گے اور نقصان اٹھاؤ گے۔

زیاد اُس وقت تک حُبِ اہل بیت کے نشہ میں سرشار تھا۔ خط پڑھ کر اُسے نہایت غصّہ آیا۔ فوراً لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم جاری کیا اور منبر پر چڑھ کر بڑے غیظ و غضب سے کہا:۔

"جگر خوار کے بیٹے۔ نفاق کے عَلَم بردار اور شرارت و فساد

کے بانی معاویہ بن ابی سفیان کا خط آیا ہے۔ جس میں اس نے
مجھے لکھا ہے کہ اہل بیت اطہار کا ساتھ چھوڑ کر اس کے ساتھ مل
جاؤں۔ اس نے مجھے اپنے خط میں ڈراوے اور دھمکاوے بھی دیئے
ہیں۔ میں اہل بیت کا ساتھ کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور طریق صواب
ترک کر کے راہ ضلالت کس طرح اختیار کر سکتا ہوں۔ اس نے
اپنے خط میں مجھے دھمکی دی ہے مگر میں اس کی کیا پرواہ کرتا ہوں
جبکہ دختر رسول فاطمۃ الزہرا کے دو جلیل القدر فرزند میری امداد و اعانت
پر تیار ہیں اور ان کا نوے ہزار لشکر خارا شگاف تلواروں کے قبضوں
پر ہاتھ رکھے حکم کا منتظر کھڑا ہے۔ اگر وہ جگر خوار کا بچہ مجھ تک پہنچ جائے
تو وہ مجھے ایک بہادر صف شکن اور بے نظیر شمشیر زن پائے گا۔ میدان
جنگ میں اگر معاویہ ہزار جانیں لے کر آئے گا تو ایک بھی واپس نہیں
لے جائے گا۔" (تاریخ طبری مترجمہ مولانا عبداللہ العمادی صـ ۵۳)

حضرت معاویہ میں ایک بہت بڑا وصف یہ تھا کہ وہ نہایت
درجہ حلیم الطبع اور متحمل المزاج انسان تھے۔ سخت سے سخت اشتعال پر بھی
ان کو غصہ نہ آتا تھا۔ اس عادت کی بدولت ان کا سخت بدگو دشمن بھی

اُن کا مطیع اور فرمانبردار بن جاتا تھا۔

زیاد کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ نے یہی کیا۔ اُس کے سب وشتم اور سخت الفاظ کی قطعاً پرواہ نہ کی اور اپنی کوشش جاری رکھی، لیکن جب تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور زیاد حب اہل بیت کے مسلک سے نہ ہٹا تو آخر حضرت معاویہؓ نے بساطِ سیاست کے ہیرو حضرت مغیرہ بن شعبہ کو زیاد پر مسلّط کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ حضرت امام حسن نے مسلمانوں کو مزید خون ریزی سے بچانے کے لئے حضرت معاویہ سے صلح کر لی تھی اور تمام دنیائے اسلام حضرت معاویہؓ کے ماتحت ہو گئی تھی۔ مگر یہ دیکھتے ہوئے بھی زیاد نے حضرت معاویہؓ کے سامنے سر نہ جھکایا تھا اور بدستور فارس پہ بڑے زور سے حکومت کر رہا تھا۔

اِدھر حضرت معاویہ کی پالیسی بھی بڑی عجیب و غریب تھی۔ یعنی یہ بات اچھی طرح اور بخوبی جانتے ہوئے کہ زیاد زبردست شیعیانِ علیؓ میں سے ہے اور برابر وہ انہیں بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور بنی امیہ کا سخت دشمن بھی تھا۔ مگر ساری سلطنت اپنے قبضہ میں آجانے کے بعد

بھی انھوں نے اپنے ایسے دشمن اور مخالف کو فارس کی گورنری سے معزول نہیں کیا۔

اس بات کی اہمیت اُس وقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سلوک حضرت معاویہ نے زیاد کے ساتھ اُس وقت کیا جب حضرت معاویہ کی تمام مخالفت تقریباً ختم ہو چکی تھی اور کوئی دعویدار سلطنت باقی نہ رہا تھا اور اس حالت میں زیاد کی چنداں ضرورت اُن کو نہ رہی تھی۔

آمدم برسرِ مطلب! جب حضرت معاویہ کے بھیجے ہوئے حضرت مغیرہ بن شعبہ فارس میں زیاد کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی مسلّمہ لیاقت اور سحر کارانہ گفتگو سے زیاد کو ایسا شیشے میں اُتارا کہ حُبّ اہلِ بیت کا سارا نشہ زیاد کے سر سے اُتر گیا اور وہ حضرت مغیرہؓ کے ساتھ حضرت معاویہؓ کے دربار میں دمشق حاضر ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ اُس سے اپنی روایتی عادت کے مطابق نہایت تپاک سے پیش آئے۔ اُسے اٹھ کر اپنے گلے سے لگا لیا اور بڑی ہی شفقت و نرمی کا برتاؤ اُس سے کیا۔ فارس کے خراج کا جو حساب اُس

نے پیش کیا۔ فوراً بلا تامّل اور بغیر حیل وحجت اس کی تصدیق کر دی۔

شروع شروع میں تو زیاد کی اور اُن تمام لوگوں کی جو پہلے شیعیانِ علیؓ میں سے تھے اور پھر کٹ کر حضرت معاویہ سے آملے تھے بہت نگرانی رہی جیسے حجر بن عدی۔ سلیمان بن مرد۔ شیث بن ربعی۔ ابن الکوا وغیرہ۔ لیکن آہستہ آہستہ یہ پابندیاں ختم ہو گئیں اور زیاد کوفہ میں مقیم رہ کر بڑے عیش سے اپنی زندگی گذارنے لگا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد ۴۵ھ میں حضرت معاویہؓ نے زیاد کو بصرہ کی گورنری تفویض کی۔ کیونکہ وہاں کی حالت بڑی ابتر ہو گئی تھی اور باشندوں نے بڑی سرکشی اور تمرد اختیار کیا تھا۔ لوٹ مار اور قتل وغارت کی وارداتیں عام ہو گئی تھیں۔ کسی شخص کی جان ومال کو امن نہ رہا تھا۔ غریبوں اور بیواؤں پر کھلے دھڑلے ظلم ہوتے تھے اور ان کا کوئی مداوا نہ ہو سکتا تھا۔ غرض بصرہ کے لوگوں کی زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔

زیاد نے وہاں پہنچ کر ان تمام ظلموں۔ زیادتیوں۔ لوٹ مار اور بدامنی کا ایسی سختی اور شدت سے انسداد کیا کہ تمام بدمعاش اور فتنہ پرداز اور ظالم اور بدطینت لوگ چلا اٹھے مگر اس نے ان کو اس وقت تک

نہ چھوڑا۔ جب تک شہر میں کامل طور پر امن امان نہ ہو گیا۔ لوگ کھلے کواڑوں سونے لگے اور چوری اور لوٹ مار کی وارداتیں بالکل موقوف ہو گئیں۔

خارجیوں کا فتنہ اس وقت بڑے زوروں پر تھا۔ اُن کے زور کو توڑنے اور اُن کی طاقت کو مٹانے کی بھی زیاد نے پوری کوشش کی مگر اس معاملہ میں اُس کا خاص اصول یہ تھا کہ یہ صرف اُس شخص کے مقابلہ پر آتا تھا جو تلوار لے کر علی الاعلان میدان میں آجائے۔ ویسے زبانی خواہ کوئی شخص بنی امیہ اور حضرت معاویہؓ کو بُرا بھلا کہتا۔ یہ پرواہ نہ کرتا۔ نہ اسے سرزنش کرتا اور نہ روکتا۔ حکومت کے خلاف جن خفیہ سازشوں کی اطلاع اُسے ملتی اُن پر بھی چنداں توجہ نہ دیتا اور بالعموم درگذر کرتا۔

مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ ظالم۔ خونخوار۔ بے رحم بھی پرلے درجہ کا تھا۔ اُس نے حکم دے رکھا تھا کہ رات کو عشاء کے بعد جو شخص شہر میں چلتا پھرتا نظر آئے گا قتل کر ڈالا جائے گا۔ ایک غریب چرواہا جسے اس حکم کا پتہ نہ تھا۔ رات کو شہر میں چلا آیا۔ اُسے بھی یہ جانتے ہوئے کہ یہ اپنے بیان میں سچا ہے۔ زیاد نے قتل کروا ڈالا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ گورنر کوفہ کے انتقال کے بعد زیاد کو حضرت معاویہؓ

نے کوفہ کی ولایت بھی سپرد کر دی تھی۔ جس پر یہ چھ مہینے بصرہ میں رہنے لگا اور چھ مہینے کوفہ میں۔ گورنر ہو کر جب پہلی مرتبہ کوفہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو بعض شرارت پسند لوگوں نے اس پر کنکریاں پھینکیں۔ جس پر مشتعل ہو کر اس نے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

حجر بن عدی کوفہ کے نہایت با اثر اور نیک نفس شخص کو اسی زیاد کی رپورٹ اور سفارش پر حضرت معاویہ نے گرفتار کرا کے قتل کرایا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ حضرت علیؓ کا زبردست حامی اور ان کا بہت بڑا معاون اور مددگار تھا۔

جب زیاد نے اس شخص کو گرفتار کر کے کوفہ سے دمشق روانہ کیا اور حضرت عائشہ صدیقہ کو مدینہ میں اس کی اطلاع ہوئی۔ تو انھوں نے فوراً ایک خاص قاصد حضرت معاویہؓ کے پاس یہ حکم دے کر بھیجا کہ "حجر بن عدی کو فی الفور رہا کر دیا جائے اور اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے"۔ مگر حضرت عائشہؓ کے قاصد عبدالرحمٰن بن حارث کے دمشق پہنچنے سے پہلے حجر بن عدی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ یہ دیکھ کر بڑی سختی کے ساتھ عبدالرحمٰن نے کہا "معاویہ! حجر کے قتل کا حکم دیتے

ہوئے تمہاری روایتی بردباری اور تحمل کہاں چلا گیا تھا؟ اور تم سے یہ فعل کیونکر سرزد ہوا؟ حضرت معاویہؓ نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا "عبدالرحمٰن! جب تم جیسے بردبار لوگ مجھ سے علیحدہ ہیں تو اس حالت میں مجھے خونخوار ابن سمیّہ کی ہر بات ماننی ہی پڑے گی" بعد میں خود حاضر ہو کر حضرت عائشہؓ سے بھی معذرت کی اور کہا کہ "مجھے کوئی سمجھ دار مشیر میسر نہ آیا۔ اس وجہ سے مجھ سے یہ حرکت سرزد ہوئی۔ اگر آپ کا حکم مجھے پہلے مل جاتا تو میں اُسے ہرگز قتل نہ کراتا۔"

(ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۸۷)

بصرہ اور کوفہ کا جیسا زیاد نے اعلیٰ درجہ کا انتظام کیا اور پھر جس سختی و شدت کے ساتھ خوارج کے عظیم فتنہ کو مٹانے کی جدوجہد کی۔ اُسے دیکھتے ہوئے اور زیاد کی انتظامی قابلیت سے متاثر ہو کر حضرت معاویہؓ زیاد کو بہت زیادہ عزیز رکھنے لگے۔ اپنا بھائی تو انہوں نے اسے پہلے ہی تسلیم کر لیا تھا۔ زیاد کی قابلیت ہی کا نتیجہ تھا کہ جو اقتدار اُس کو حضرت معاویہؓ کے دربار میں حاصل تھا۔ وہ کسی اور کو نہ تھا اور جس توجہ کے ساتھ حضرت معاویہؓ زیاد کی بات اور مشورہ کو سنتے اور

اُس پر عمل کرتے تھے۔ اتنی توجہ کسی اور کی بات پر نہیں دیتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے زیاد کو لکھا کہ یزید کی ولی عہدی کے لئے بصریٰ کے لوگوں کو ہموار کرو اور اس معاملہ میں پوری کوشش کرو تو اگرچہ زیاد حضرت معاویہ کے نہایت زبردست طرفداروں میں شمار ہوتا تھا۔ مگر اس موقع پر اس نے حیرت انگیز جرأت کا اظہار کیا۔ اُس نے ایک طرف تو عبید بن کعب کے ہاتھ حضرت معاویہ کو خط بھیجا کہ "آپ کا فرمان ملا۔ آپ ذرا غور تو فرمائیں کہ جس وقت میں یہاں کے لوگوں سے یزید کی ولی عہدی کے لئے کہوں گا تو وہ مجھ سے نہ کہیں گے کہ تم ہم سے ایسے شخص کے لئے بیعت لینا چاہتے ہو جو کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہے۔ رنگین اور خلاف شرع لباس پہنتا ہے۔ باجے اور باذے اُس کی مجلسوں میں بجتے ہیں اور وہ ہر وقت سیر و شکار میں مصروف رہتا ہے۔ ان لوگوں کے سامنے حسین بن علیؓ۔ عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کی ہستیاں موجود ہیں۔ اُن کے مقابلہ میں وہ یزید کو کس طرح قبول کر لیں گے۔ اس کی آسان ترکیب یہی ہے۔ کہ آپ یزید پر زور ڈالیں کہ وہ اپنی ساری بُری عادتیں اور قبیح حرکات

ترک کر دے اور نیک اور صالح انسان بن جائے۔ اس وقت شاید یہ صورت ممکن ہو۔ موجودہ حالات میں ہرگز اس امر کی تحریک مناسب نہیں۔ یہ رعایا پر حکومت کا معاملہ اور بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اللہ تعالٰی سے ڈریں اور اس کام میں جلدی نہ کریں۔"

دوسری طرف زیاد نے یزید کو خط لکھا کہ تمہارے باپ نے مجھے تمہاری ولی عہدی کی بابت اہلِ شہر کو تحریک کرنے کے لئے لکھا ہے۔ مگر جب تک تم اپنی عادتیں اور اطوار ٹھیک نہ کر لو۔ اُس وقت تک میرے لئے تمہارے واسطے یہاں کوئی تحریک کرنا ناممکن ہے پس میں تمہیں بڑے زور سے تمہاری اصلاح کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔" (تاریخ طبری مترجمہ مولانا عبداللہ العمادی صفحہ ۲۵۵۔ تاریخ ملت، جلد سوم صفحہ ۳۵)

اگر سچ پوچھو تو یہ آسان کام نہ تھا۔ جو زیاد بڑی دلیری کے ساتھ کر گزرا۔ حضرت معاویہ کی کھلی ہوئی مخالفت اور یزید کی دشمنی مول لینے میں سراسر زیاد کا ذاتی نقصان تھا مگر بعض مرتبہ ادنٰی اور معمولی لوگ بھی حق اور صداقت پر بڑی بے خوفی سے جم جایا کرتے ہیں اور انہیں

سچی بات کہنے سے کوئی خوف اور ڈر روک نہیں سکتا۔

لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ زیاد کا حضرت معاویہ اور خود یزید پر اتنا اثر تھا کہ یزید نے زیاد کی نصیحت قبول کرتے ہوئے تھوڑی بہت اپنی اصلاح کر لی اور خود تھوڑے دنوں کے لئے سہی مگر بہر حال اپنی بعض عادات ترک کر دیں مگر حضرت معاویہؓ زیاد کا یہ خط پاکر بالکل خاموش ہو گئے اور جب تک زیاد زندہ رہا۔ انھوں نے یزید کی ولی عہدی کے معاملہ کو التوا میں ڈالے رکھا۔

اس ایک واقعہ سے پتہ لگتا ہے کہ زیاد کی شخصیت حضرت معاویہؓ کے دل میں کتنی اہم تھی اور وہ اس کی رائے اور مشورہ کو کتنی وقعت دیتے تھے۔

۵۳ھ / ۶۷۳ء زیاد کا سنہ وفات ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ اس نے حضرت معاویہ کو خط لکھا کہ "میں نے تمام عراق کو اپنے بائیں ہاتھ کی گرفت میں نہایت مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے۔ میرا اپنا ہاتھ خالی ہے اس دائیں ہاتھ میں آپ حجاز دے کر اسے بھی مشغول کر دیجئے" مطلب یہ تھا کہ بصرہ اور کوفہ کی حکومت کے ساتھ مجھے مدینہ اور مکہ کی ولایت

بھی دے دیجیے۔ حضرت معاویہؓ زیاد کی خوشی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے تھے۔ انھوں نے اُس کی خواہش اور درخواست کے مطابق اُس کے لیے حجاز کی گورنری کا حکم بھی دے دیا۔

جب حجاز والوں کو اس حادثہ کا پتہ لگا تو وہ اُس ظلم و ستم کا خیال کر کے کانپنے لگے جس کی حکایتیں وہ عراق والوں سے سنتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہ ایک وفد کی صورت میں فاروق اعظمؓ کے گرامی قدر فرزند حضرت عبداللہؓ کے پاس آئے اور اُن سے عرض کی کہ حضرت جو مصیبت عظمیٰ ہم اہلِ حجاز پر آنے والی ہے۔ اُس کی اطلاع آپ کو بھی ہو گئی ہو گی زیاد کا یہاں آنا عذابِ الٰہی کے آنے سے کم نہیں۔ خدا کے لئے اس آفت سے چھٹکارے کی کوئی سبیل نکالئے۔ آپ مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں۔ خداوند کریم کے حضور میں التجا کیجئے کہ یہ بلا دور ہی دور رہے اور ہم پر مسلط نہ ہو۔

اہالیانِ حجاز کی اس التجا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کھڑے ہو گئے اور نہایت عاجزی اور خشوعیت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر درگاہِ ربّ العزت میں دُعا مانگی کہ " بارِ الہٰا! زیاد کے شر سے ہم اہلِ حجاز کو اپنی پناہ

میں رکھ اور اس کو ہم عاجز اور مسکین بندوں پر غلبہ اور قوت عطا نہ فرما۔"

ابھی زیاد کوفہ سے بعزم حجاز روانہ نہ ہوا تھا کہ حضرت ابن عمر کی دعا عند اللہ تک پہنچ گئی۔ کوفہ ہی میں زیاد کی دائیں بغل میں طاعون کی گلٹی نمودار ہوئی۔ ہر چند علاج کیئے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا اور تڑپ تڑپ کر دو تین دن میں ٹھنڈا ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر کو جب مرگِ زیاد کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا "افسوس ابن سمیہ! نہ تو نے آخرت کو حاصل کیا اور نہ دنیا تیرے لئے باقی رہی۔" (ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۵)

آخر میں اتنا اور لکھ کر اپنے بیان کو ختم کرتے ہیں کہ عبیداللہ اسی زیاد کا بیٹا تھا جس کے ہاتھوں امام معصوم حضرت حسین علیہ السلام نے شہادت پائی۔

کُتُب

(جن سے تتمہ ماخوذ ہے)

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۲ و جلد ۷
۲۔ تاریخ ابن اثیر
۳۔ تاریخ طبری
۴۔ اکمال فی اسماء الرجال
۵۔ نہج البلاغۃ
۶۔ مستدرک جلد ۳
۷۔ استیعاب
۸۔ فتوح البلدان بلاذری

۹۔ عمدۃ الکلام فی تاریخ سلاطین اسلام از ذاکر حسین جعفر
۱۰۔ سیرۃ ابن ہشام
۱۱۔ سیرۃ عمرو بن العاص از اسلم جیراجپوری
۱۲۔ تاریخ الامت جلد سوم " "
۱۳۔ سیرۃ النبیؐ از علامہ شبلی جلد اول
۱۴۔ الفاروق " "
۱۵۔ مہاجرین جلد اول و دوئم از معین الدین
۱۶۔ خلفائے راشدین "
۱۷۔ سیر الصحابہ جلد ششم "
۱۸۔ تاریخ ملت جلد سوم از زین العابدین
